مطالعہ بریلویت

٦

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب

ایک ضروری گزارش

اس کتاب کو ای بُک بنانے میں ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ کوئی اللہ کا مخلص بندہ اس کو پڑھ کر ہدایت پا جائے اور ہمارے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

جن پبلشرز حضرات کی کتاب کو بغیر اُنکی اجازت کے ہم نے یہ کیا ہے ان سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اللہ کے لئے ہم کو معاف کر دیں، اللہ سے قوی امید ہے کہ انشاءاللہ قیامت میں آپ کو اس کا بدلہ آپ کی توقع سے زیادہ دیکر آپ کو خوش کر دے گا

ایک تاریخی، فکری اور تحقیقی جائزہ

مطالعہ بریلویت

جلد ششم

مصنف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

تقریظ

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
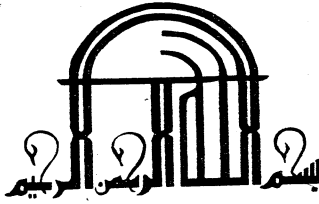
کتاب

مطالعہ بریلویت جلد ششم

مؤلف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

اشاعت

۲۰۰۴ء

ناشر

حافظی بکڈپو دیوبند ۲۴۷۵۵۴ یوپی

HAFZI BOOK DEPOT

DEOBAND-247554 (U.P.)

Tele-fax (01336) 222311 Mobile 9412556171

فہرست مضامین

ایصال ثواب میں پیدا کی گئی بدعات ۲۹۳

26

پیش لفظ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من یشاقق الرّسول من بعد ماتبیّن لہ الھدیٰ ویتّبع غیر

سبیل المؤمنین نولّہ ما تولّیٰ ونصلہ جہنّم وساءت مصیرًا۔ وقال النّبی صلی اللہ

علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو ردّ او کما قال۔

تہذیبِ نَو سے بچنا طرزِ کہن پہ اَڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

دُنیا قدامت سے بھاگتی ہے اور ہر نئی ادا میں ایک کشش محسوس کرتی ہے مگر قوموں کی زندگی میں قافلہ وہی ہے جو پہلوں کے پیچھے چلتا آئے۔ اِدھر اُدھر چلنے والے راہ سے بھٹکے کہلاتے ہیں اور راہ بھولے پھر اندھیروں میں چلاتے ہیں اور قافلہ آگے نکل چکا ہوتا ہے ـــــ دین میں نئی باتوں سے بچنا اور اپنے آپ کو پُرانی لائن میں رکھنا خاصا مشکل کام ہے مگر اسلام میں یہی اہل سنت کی شاہراہ ہے کہ کہیں پیغمبر خاتم کے خلاف کچھ نہ ہو پائے اور سبیل المؤمنین (صحابہ کرامؓ) کی پکھڈنڈی پاؤں سے نہ نکل جائے۔

سنّت اور بدعت دو مقابلے کے لفظ ہیں اس طرح اہل سنّت اور اہل بدعت بھی دو متوازی سلسلے ہیں اور ان کی اپنی اپنی راہیں ہیں۔ سنّت کو معلوم کرنے کے لیے بدعت کو جاننا بھی ضروری ہے اور بدعت معلوم کرنے کے لیے بھی سنّت کی راہ پوری معلوم ہونی چاہیئے ـــــ وبضدّھا تتبیّن الاشیاء۔

ربّ العزت کا بصمیم قلب شکر گزار ہوں جس نے مطالعہ بریلویت جلد پنجم کو تکمیل بخشی اور اسے اسلامی حلقوں میں وسیع قبولیت عطا فرمائی۔ اس میں ان عقائد خمسہ کا بیان ہے جن میں آج یہ انگریز حکومت کے جُدا کردہ دو بچھڑے بھائی آپس میں اُلجھے ہوئے ہیں او

دیوبندی بریلوی کے جھگڑے میں پڑے ہوئے ہیں ہم نے اس بریلویت کا رد کرنے کی بجائے طلبہ کو اس کے مطالعہ کی دعوت دی ہے۔ بایں اُمید کہ اب وہ خود جان لیں گے۔ فایّ الفریقین احقّ بالامن ان کنتم تعلمون۔

آج بعونہٖ تعالیٰ ہم اس کی چھٹی جلد کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس کا موضوع بدعت کی حقیقت جاننا اور بریلویوں کی چالیس پسندیدہ بدعات کا مطالعہ ہے۔ ہمارے لیے یہ بحرِ ظلمات ہے جہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ نُورِ سنّت کی کوئی چمک یہاں دکھائی نہیں دیتی۔ تاہم اپنے بچھڑے بھائیوں کو بدعت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے انہیں ان بدعات کے تاریخی تجزیہ پر مطلع کرنا بھی اخوتِ اسلامی کا ایک شدید تقاضا ہے اور اس کو پُورا کرنے کے لیے ہم اس بحرِ ظلمات میں غوطے لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

یہاں ہم پہلے سنّت و بدعت کے فاصلوں پر ایک طویل مقدمہ پیش کریں گے اسے مقدمۃ العلم سمجھیئے۔ یہ ایک مستقل کتاب ہے۔ اس کے بعد بریلویوں کی رائج بدعات پر ہم انشاء اللہ العزیز ایک ترتیب سے چلیں گے۔ ہماری کوشش ہو گی کہ اختلاف کے دونوں پہلو قارئین کے سامنے لے آئیں اور وہ اس میزان پر انہیں رکھیں جو ہمارے پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے دین میں پیدا کی جانے والی ہر نئی بات کو معلوم کرنے کے لیے اہل سنّت کے سامنے رکھی ہے آپ فرماتے ہیں:۔

فعلی المؤمن اتباع السنۃ والجماعۃ فالسنّۃ ماسنّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والجماعۃ ما اتفق علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خلافۃ الائمۃ الاربعۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔[1]

ترجمہ: سو مومن پر سنّت و جماعت کے طریقے کی پیروی ضروری ہے سنّت وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل میں لائے اور جماعت کی راہ وہ

---

[1] غنیۃ الطالبین صہ

ہے جس پر صحابہ کرامؓ خلفاء راشدین کے دور میں متفق ہو کر چلے۔

صحابہ کرامؓ میں اگر کہیں فروع کا اختلاف بھی ہوا تو ان اختلافات کو برداشت کرنے میں ان سب کا اتفاق رہا۔ اختلافات میں بھی ان کی ایک متفقہ راہ تھی سو اسے بھی سنت شمار کیا جائے گا۔

پہلے دور کے ائمہ اربعہ خلفاء راشدین تھے۔ ان کے علاوہ تین انصاری صحابہ بھی مجاز افتاء تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں یہ ساتوں حضرات افتاء کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ حضرت علامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

الذین کانوا یفتون فی عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھم الخلفاء الاربعة وثلثة من الانصار ابی بن کعب ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔[۱]

ترجمہ۔ وہ لوگ جو حضور کے عہد میں افتاء کی خدمت سرانجام دیتے تھے سات تھے خلفاء اربعہ اور تین حضرات انصار میں سے حضرت ابی بن کعب۔ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔

حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) نے سنت کی تعریف اس طرح کی ہے۔ اس کے مقابل شرعی بدعت ہے وہ جس پیرایہ میں بھی ہو:۔

والسنة علی الطریق المسلوک فیشمل ذلک التمسک بما کان علیہ ھو وخلفاءہ الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وھذہ ھی السنة الکاملة۔[۲]

ترجمہ۔ اور سنت وہ ہے جس پر پہلے چلا گیا ہو سو یہ ان تمام راہوں پر مشتمل ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین چلے اعتقادات میں اور اعمال و اقوال میں سنتِ کاملہ یہی ہے۔

---

[۱] عمدة القاری جلد ۱۳ صفحہ ۲۷۲ [۲] جامع العلوم والحکم صفحہ ۲۳

یہ تینوں انصار خلافتِ راشدہ میں فوت ہوئے اس لیے ان کے فتاوئی اور مسائل خلفائے راشدین کے علمی سرمایہ کا ہی ایک حصہ ہوں گے خلفائے راشدین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو عیناً آگے چلایا یا استخراجاً ہر دو قسم کے مسائل شریعتِ محمدی میں شمار ہوں گے اور یہ یہی سمجھا جائے گا کہ سنّت اس طرح آگے چلی ہے۔

خلفائے راشدینؓ کے عمل کو سنّت ماننے کی وجہ

علامہ تورپشتی (ھ) حدیث علیکم بسنّتی و سنّة الخلفاء الراشدین المهدیّین پر لکھتے ہیں :-

وانما ذکر سنّتهم فی مقابلة سنّته لانه علم انه لا یخطئون فیما یستخرجونه من سنّته او ان بعضها ما اشتهر الا فی زمانهم[1]

ترجمہ۔ اور آپ کی سنّت کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنّت کا ذکر اس لیے ہے کہ آپ اپنے علم میں جان چکے تھے کہ وہ اپنے استخراج میں خطا نہ کریں گے اور اسے وہ آپ کی سنّت سے ہی اجتہاداً استنباط کریں گے اور اس لیے بھی کہ آپ نے جانا کہ آپ کی بعض سنّتیں انہی (راشدین) کے زمانہ میں کھلیں گی۔

محدث جلیل ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی لکھ آئے ہیں :-

فانهم لم یعملوا الا بسنّتی فالاضافة الیهم اما لعملهم بها او لاستنباطهم واختیارهم ایاها۔[2]

ترجمہ۔ سو بے شک وہ (خلفائے راشدین) میری سنّت پر ہی عمل پیرا ہوئے سو ان کی طرف اس سنّت کی اضافت اس لیے ہے کہ یہ ان کا عمل رہا یا یہ ان کا استنباط رہا کہ انہوں نے اسے اس طرح اختیار کیا۔

---

[1] مرقات جلد ۱ صد ۲۴۳ [2] ایضاً جلد ۱ صد ۲۴۲

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح کرتے ہیں:-

پس ہرچہ خلفاء راشدین بداں حکم کردہ باشند اگرچہ باجتہاد و قیاس ایشاں بود موافق سنت است و اطلاق بدعت براں نتواں کرد چنانکہ فرقہ زائغہ کنند۔[1]

ترجمہ: پس خلفائے راشدینؓ نے جس بات کا بھی حکم کیا گو انہوں نے وہ بات اپنے اجتہاد اور قیاس سے کہی وہ سنت ہی سمجھی جائے گی اور اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز نہ ہو سکے گا جیسا کہ راہ سے بھٹکے ہوئے لوگ اس پر بھی بدعت کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) بھی اس حدیث کے موضوع پر ہمارے ساتھ ہیں:-

اما ماسنّہ الخلفاء الراشدون من بعد فالاخذ بہ لیس الا لامرہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخذ بہ۔[2]

ترجمہ: سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین نے جو عمل اختیار کیے، انہیں اختیار کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی حکم کی وجہ سے ہے کہ تم اس پر عمل کرو۔

حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اسی عقیدہ پر تھے کہ خلفاء ثلثہ کے دریافت کردہ مسائل سب سنت کے درجہ میں ہیں گو آپس میں یہ مختلف بھی ہوں۔ آپ نے فرمایا:-

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابوبکر اربعین و عمر ثمانین کل سنۃ۔[3]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑوں کی سزا دی حضرت ابوبکرؓ نے بھی چالیس کوڑوں کی اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑوں کی اور ان میں سے ہر ایک عمل کو سنت کہا جائے گا۔

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ [2] الدین الخالص جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ [3] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۲

حاکم کی روایت کے مطابق آپ نے اس میں حضرت عثمانؓ کا نام بھی لیا اور کہا :۔

واتمها عثمان ثمانين وكل سنة [1]

ترجمہ۔ اور حضرت عثمانؓ نے بھی اسی پورے کیے اور یہ ہر ایک عمل اپنے مقام میں سنّت ہے۔

سنّت جس طرح بھی آگے چلی وہ سنّت کی ہی ایک شاہراہ ہے۔ محدثین سنّت کو اسی طرح متحرک جانتے رہے ہیں۔ امام زہری (۱۲۴ھ) ایک مقام پر فرماتے ہیں :۔

مضت السنّة من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين من بعده ان لا تجوز شهادة النساء في الحدود [2]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ سے سنّت اسی طرح چلی آتی ہے کہ عورتوں کی شہادت حدود میں نہ لی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت جس طرح ان ائمہ اربعہ کے نام اور کام سے پھیلی اگلے دور کے ائمہ اربعہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی سنّت سے آگے جو احکام استخراج اور استنباط کیے وہ بھی کتاب و سنّت سے کشید کی گئی فقہ ہیں کتاب و سنّت کا غیر نہیں مجتہدین کے استنباط کردہ مسائل گو نئے دکھائی دیں لیکن ان پر بھی بدعت کا اطلاق نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ ائمہ اربعہ کے باہمی اختلافات تقریباً وہی ہیں جو پہلے صحابہؓ میں ہوئے۔ ان ائمہ نے اختلافات پیدا نہیں کیے یہ انہیں صحابہؓ سے وراثۃً ملے۔ سو انہیں بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ بدعات دین میں پیدا کردہ وہ نئے امور ہیں جو مجتہدین کرام میں سے کسی نے قرآن و سنّت سے کشید نہ کیے ہوں لوگوں نے خود بنائے ہوں۔

ائمہ اربعہ اور ان کے ہمعصر ائمہ مجتہدین ۱۔ امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ)۔ ۲۔ امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) ۳۔ امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ)۔ ۴۔ امام مالکؒ (۱۷۹ھ)۔ ۵۔ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص۱۸ [2] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۵ ص۵۳۳

۷. امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اور ۸. امام احمدؒ (۲۴۱ھ) بے شک مجتہدین تھے اور ان کے اختلافات صحابہ کے اختلافات ہی کی طرح ہیں مشہور اہلحدیث (باصطلاح جدید) عالم حافظ محمد عبداللہ روپڑی تسلیم کرتے ہیں کہ :۔

ائمہ اربعہ کا اختلاف قریب قریب صحابہ کے اختلاف کے ہے۔[1]

سو جس طرح ہم صحابہؓ کے اختلافات کو امت کے لیے مصیبت نہیں کہہ سکتے۔ ائمہ اربعہ کے اختلافات بھی امت کے لیے نقمت نہیں ہیں۔

بریلویوں کے ائمہ اربعہ انگریزی دور کے ہیں پہلے یہ کہیں نہ تھے۔ ۱. مولوی عبدالسمیع رامپوری (ھ) ۲. مولوی فضل رسول بدایونی (ھ) ۳. قاضی فضل احمد (ھ) اور ۴. مولانا احمد رضا خاں (ھ) ہیں ان میں سے کوئی بھی مجتہد نہ تھا نہ ان کے اگلے ائمہ اربعہ ۱. مولوی حشمت علی . ۲. مولوی نعیم الدین مراد آبادی. ۳. مفتی احمد یار خاں گجراتی اور ۴. مولوی محمد عمر اچھروی میں سے کوئی بھی علامہ شامیؒ تھا کہ اسے مجتہدین کا نمائندہ ہی کہا جاسکے۔

نئے پیش آمدہ مسائل کا شرعی حکم صرف مجتہد ہی بتا سکتا ہے

قطر کے شیخ احمد بن حجر لکھتے ہیں :۔

قرآن مجید اور سنت مطہرہ کی بنیادوں پر قائم شدہ دین اسلام کے اندر ایسے قواعد اور عام نصوص موجود ہیں کہ معاشروں سوسائٹیوں ممالک اور زمانوں کے اختلافات کے باوجود ایک مجتہد شخص ہر مشکل مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور ہر پیش آمدہ معاملہ کا شرعی حکم تلاش کر سکتا ہے اگرچہ وہ مشکل مسئلہ وہ پیش آمدہ معاملہ عہد نبوی اور زمانہ صحابہ اور صحابہ کے بعد والے ازمنہ اسلاف میں نہ واقع ہوا ہو کیونکہ دین اسلام تمام انسانی ضرورات کا کفیل ہے۔[2]

---

[1] فتاویٰ اہل حدیث جلد ۱ صفحہ ۴۴ [2] تحفۃ [illegible] الدین صفحہ ۳۶

پھر آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ مختلف فقہی مذاہب کے اماموں کا اختلاف لوگوں کے لیے باعث رحمت ہے ان اماموں کی دلیلیں واضح ہیں۔ رات میں پڑھی جانے والی نفلی نمازیں کئی طریقہ سے مروی ہیں۔ یہ بات تہجد گزار لوگوں کی سہولت اور وسعت کے لیے شریعت میں واقع ہوئی ہے کسی ایک امام کا ان مختلف طرق وکیفیات میں سے کسی خاص طریق وتر کا اختیار کرنا اس بنا پر ہے کہ اس کی نظر واجتہاد میں وہی طریقہ زیادہ راجح ہے مگر وہ دوسری احادیث صحیحہ سے مروی شدہ طرق کو بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔[1]

اسلام نے استخراج واستنباط کی جو یہ راہ دکھائی ہے اس میں اصل کتاب وسنت ہی رہتے ہیں۔ اجتہاد نے بدعات کی کوئی راہ نہیں کھولی۔ کتاب وسنت کی وسعت سے کسی چیز کی دریافت اور چیز ہے اور اپنی طرف سے کسی چیز کی اختراع اور چیز ہے۔ اجتہاد کے لیے مجتہد ہونے کی شرط ہے اور بدعت عام آدمی ہی اختراع کرتے ہیں۔ مجتہدین باہمی اختلاف میں کبھی ایک دوسرے کو بدعت کا طعن نہیں دیتے۔ لیکن بریلویوں کے جملہ امتیازی مسائل کو علماء حق نے علی الفور بدعت کہا اور واضح طور پر انہیں بدعت ثابت کیا۔ اجتہاد اور ابتداع میں یہی فرق ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

دین کا ہر حکم اپنے ہی درجہ میں قیامت تک باقی رہے گا۔

دین کے احکام فرض وواجب۔ سنت ومستحب اور مباح میں دائر ہیں اور نہ کرنے کے کام حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کے دائروں میں چلتے ہیں۔ پھر کرنے کے کام بھی دو درجوں میں ملیں گے۔ ۱۔ عزیمت اور ۲۔ رخصت۔ ــــ ان سب کا پتہ ہمیں کتاب وسنت اور ان

[1] تحذیر المسلمین عن الابتداع والبدع فی الدین ص۵۲۸

وہ چراغوں کی روشنی میں اجتہاد و استنباط سے کشید کیے گئے مسائل فقہ سے ملتا ہے ان اجتہادات میں وہ صحابہ کے ہوں یا ائمہ اربعہ کے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن یہ سب مسائل سنت کاملہ کے تحت آئیں گے۔ بدعت کا اطلاق ان میں سے کسی چیز پر نہ ہو سکے گا۔

دین اسلام پر اس شریعت میں چودہ صدیاں گذر چکیں اٹھارہ سال اوپر ہو گئے۔ اس کا ہر حکم اب تک اپنے درجے میں ہی رہا ہے اور اب بھی اس میں اتنی قوت اور توانائی موجود ہے کہ بنی نوع انسان کی ہر دینی ضرورت اس کے ذریعے حل ہو سکے۔ یہ حل نصاً ہو یا اجتہاداً اس میں روشنی موجود ہے ۔۔۔ زمانہ اپنی صنعتی ترقی اور سائنسی اکتشافات میں کتنی کروٹیں کیوں نہ لے یہ ایجادات اور ترقیات ہمارے دنیوی امور میں ہیں۔ دینی پہلو سے ہمارا عقیدہ اور عمل آج بھی وہی ہے جس پر عرب کے صحرانشین آج سے چودہ سو سال پہلے چلے تھے۔ آج بھی اسلام میں وہی ایمان و یقین اور ہدایت عمل ہے۔ اس پر نہ کسی اضافے کی ضرورت ہے اور نہ اس کی گنجائش ۔۔۔ قرآن کریم نے دین صحابہ کی تکمیل کا اس طرح اعلان کر دیا تھا:۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ (پ ۶ المائدہ ۳)

ترجمہ۔ آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں۔ اور تمھارے لیے اسلام کو (بطور) دین پسند کیا۔

یہ دین صراطِ مستقیم ہے۔ یہ وہ سیدھی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے یہ اتنی صاف راہ ہے کہ قومیں قیامت تک اس پر چل سکیں گی۔ یہ ایسی واضح راہ ہے کہ اس کی راتیں بھی دنوں کی طرح روشن ہیں۔ مجتہدین کتاب و سنت سے جو مسائل کشید کرتے ہیں وہ اس کے مظہر ہوتے ہیں موجد نہیں، دین اسلام مکمل ہو چکا اب اس میں کسی ایجاد کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک روشن راہ فرمایا ہے۔ اس میں اندھیرا کہیں نہیں۔

آپ نے فرمایا:۔

ترکتکم علی البیضاء لیلھا کنھارھا لا یزیغ عنھا بعدی الا ھالك۔[1]

ترجمہ: میں نے تمہیں ایک ایسی روشن راہ پر چھوڑا ہے کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن اور واضح ہے اس راہ سے میرے بعد کوئی نہ ہٹے گا مگر وہی جو ہلاکت میں آچکا۔

حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا :-

ترکتم علی الواضحۃ لیلھا کنھارھا۔[2]

اس کامل دین میں اضافے کا نام بدعت ہے۔ یہ کامل دین اپنے میں کسی زیادتی کو قبول نہیں کرتا جس طرح صحت مند اور توانا بدن اپنے اندر کسی چھوٹی سے چھوٹی پھانس کو برداشت نہیں کرتا بلکہ پھانس جتنی باریک ہوتی ہے اتنی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے جب تک نکل نہ جائے بدن کو سکون نہیں ہوتا۔ بدعت دین میں ایک پھانس ہے جسے دینِ اسلام کسی درجے میں گوارا نہیں کرتا۔

قرآن و حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کئی لوگ اس پرانے دین میں زینت کی کئی راہیں نکالیں گے اور سمجھیں گے کہ وہ نہایت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت ہوئے اور فیصلے کے دن اعمال کے ترازو میں ان کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً ۝ اولئك الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزناً۔ (پ۱۶ الکہف ۱۰۴-۱۰۵)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں بھٹکتی رہیں دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ تو نیکی کر رہے ہیں وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے سو حبط ہو گئے ان کے اعمال پھر قیامت کے دن ان کے اعمال کا وزن نہ ہوگا۔

---

[1] رواہ ابن ماجہ ص۵ الترغیب والترہیب جلد ۱ ص۴۶ [2] اخرجہ احمد جلد ۱ ص۱۳۶

بدعت دین میں نئے رستے کا نام ہے اور سنت پرانی روشن راہ ہے جس پر صحابہ کرامؓ چلے تھے۔ اس راہ پر پہلے ادوار میں عمل ہوتا رہا۔ بدعت کے لوگ اہل بدعت کہے جاتے ہیں اور سنت کی راہ اختیار کرنے والوں کو اہلِ سنت کہا جاتا ہے۔ اوّل درجے کے اہلِ بدعت وہ ہیں جنہوں نے عقائد میں نئی راہیں بنائیں جیسے معتزلہ کرامیہ جہمیہ شیعہ مرجئہ اور روافض وخوارج وغیرہ۔ اور دوسرے درجے اہلِ بدعت وہ ہیں جنہوں نے دین میں نئے اعمال ایجاد کیے یا پرانے اعمال کو مراتب کی نئی جہات دیں یا انہیں زمان ومکان کی نئی تعینیات میں جکڑا۔ بدعت فی العقائد بدعت فی الاعمال سے کہیں زیادہ شدید ہے۔ اور ہر بدعت لائق رد ہے اور اس پر حدیث میں کھلی وعید وارد ہے۔

پہلی صدی میں بدعت کیسے سمجھتے رہے

دین میں کوئی عمل موجود ہو مگر اسے اس کے مرتبے پر نہ رکھا گیا۔ عمل کبھی کبھار کا تھا جب اس کی ضرورت ہو لیکن اسے عام کر دیا گیا صحابہؓ اسے بھی دین میں بدعت سمجھتے ہیں اور یہ بات کافی نہ سمجھی گئی کہ اس عمل کی اصل شریعت میں موجود ہے اور اس کی ہیئت بھی وہی ہے جو پہلے تھی لیکن اس میں وقت کا لحاظ نہ رہا ہم اس کی چند مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں:۔

(۱) ابو مالک الاشجعی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ صبح کی نماز میں قنوتِ نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے پیچھے بھی نماز پڑھی یہ حضرات بھی صبح کی نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بیٹے ابو مالک الاشجعی سے کہا کہ اب لوگوں نے جو اس پر مواظبت کر لی ہے کہ کوئی مصیبت نہ اُتری ہو پھر بھی وہ قنوتِ نازلہ پڑھیں یہ بدعت ہے۔ یا بنیّ انّہا بدعة[1] اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ ص ۱۲۴

اس سے پتہ چلا کہ بدعت نئے عمل کو ہی نہیں کہتے۔ اسلام میں پہلے سے پہچانے گئے عمل کو بھی اگر کسی خاص ہیئت وقت یا جگہ سے خاص کر دیا گیا یا کسی خاص عمل کو عام کر دیا گیا تو یہ بھی کسی نئی صورت متعارفہ میں سامنے آنے سے بدعت ہو جائے گا۔

(۲) چاشت کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور متعدد صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یہ نفلی نماز ہے۔ اس کی کوئی اجتماعی حیثیت نہ تھی صحابہؓ اسے اپنے اپنے طور پر پڑھتے تھے اس کی جماعت نہ ہوتی تھی۔ ایک وقت آیا کہ لوگوں نے اسے جماعت سے پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ نماز اپنی اصل میں نئی نہ تھی مگر اپنی اس نئی وضع (اجتماعی صورت) میں یہ ایک نئی چیز تھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔ حضرت مجاہد کہتے ہیں :۔

دخلت انا وعروة ابن الزبير المسجد فاذا عبدالله بن عمر جالس الى حجرة عائشة والناس يصلّون الضحىٰ فى المسجد فسالناه عن صلوٰتهم فقال بدعة۔[1]

ترجمہ: میں اور عروہ بن زبیرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو عبداللہ بن عمرؓ حجرۂ عائشہؓ کے پاس بیٹھے تھے اور لوگ (صحابہؓ) مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے ان سے لوگوں کی اس نماز کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے (ابن عمرؓ نے) فرمایا بدعت ہے۔

حضرت امام نووی (۶۷۶ھ) اس پر لکھتے ہیں :۔

واما ما صح عن ابن عمر انه قال فى الضحىٰ هى بدعة فمحمول علىٰ ان صلوٰتها فى المسجد والتظاهر بها كما كانوا يفعلونه بدعة لا ان اصلها فى البيوت ونحوها مذموم او يقال قوله بدعة اى المواظبة عليها لان النبى صلى الله عليه وسلم لم يواظب عليها خشية ان تفرض۔[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صد ۲۰۹ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صد ۲۴۹

ترجمہ. اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نماز چاشت کے بارے میں جو صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ اسے بدعت کہتے تھے سو اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے مسجد میں پڑھا جائے اور کھلے طور پر پڑھا جائے جیسا کہ لوگ اس زمانہ میں کرنے لگے تھے یہ بدعت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا گھروں میں پڑھنا بھی مذموم ٹھہرے یا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اسے بدعت کہنے کو اس کی مواظبت (ہمیشہ کی پابندی) پر محمول کیا جائے اس کی مواظبت اس لیے نہ کی تھی کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے.

شریعت کی نزاکت محسوس فرمائیں کہ ایک چیز اپنی اصل میں ثابت ہے مگر اپنی موجودہ ہیئت میں وہ پہلے نہ تھی اسے بھی بدعت قرار دیا گیا ہے تو جو چیز اپنی اصل میں ہی نہ ہو اسے شریعت کس طرح کچھ پذیرائی دے سکتی ہے. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ نماز پڑھنی ہو تو اپنے گھروں میں پڑھو یہ عمل ایک اجتماعی صورت میں پہلے موجود نہ تھا:۔

ان کان ولا بد ففی بیوتکم.[1]

ترجمہ. اگر اسے کرنا ہی ہے تو اپنے گھروں میں کرو.

(۳) حضرت مجاہدؒ نے ایک اور واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز کے لیے مسجد میں آئے اذان ہو چکی تھی. ایک شخص نے حاضرین کو نماز کی طرف دعوت دی. (نماز کی طرف دعوت اذان سے دعوت دی جا چکی تھی) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے شاگرد مجاہدؒ سے کہا مجھے یہاں سے لے چل نماز کی طرف اس طرح دعوت دینا بدعت ہے. مجھے اس بدعتی کے ہاں سے لے چل. آپ نے وہاں نماز نہ پڑھی. آپ نے فرمایا:۔

اخرج بنا فان ھذہ بدعۃ.[2]

اخرج بنا من عند ھذا المبتدع.[3]

---

[1] فتح الباری جلد ۳ صد ۴۲ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صد ۷۹ [3] جامع ترمذی جلد ۱ صد ۲۸

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کس چیز سے نفرت کی؟ نماز کی طرف بلانے سے؟ — نہ یہ چیز اپنی ذات میں بری تھی اور نہ کسی بُرے عمل کی دعوت تھی مگر شریعت میں نماز کی طرف بلانے کا عمل اذان ہے اور یہ عمل اذان کے علاوہ تھا. صحابہ کرامؓ نے اسے برداشت نہ کیا اور کھل کر اہل بدعت سے نفرت کی اور ان کے پاس نہ ٹھہرے۔

④ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قریب ایک شخص نے چھینک ماری اور صرف الحمدللہ کہنے کی بجائے الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ کہا. یہ زیادتی کی بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ سلام بھی تو تھی. حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میں اس کا تو قائل ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو لیکن حضورؐ نے ہمیں اس کی تعلیم نہیں دی کہ اس طرح الحمدللہ کے ساتھ حضورؐ پہ سلام کہیں. ہمیں آپ نے اس موقع پر الحمدللہ کہنے کی تعلیم دی. آپ نے فرمایا :۔

لیس ھٰکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمدللہ علی کل حال.[1]

ترجمہ : اس طرح کہنے کی تعلیم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی۔ انھوں نے تو یہ تعلیم ہمیں دی ہے۔ کہ ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہیں ۔

پہلی صدی میں بدعت کی یہ مختصر سی حرکت آپ کے سامنے ہے. حضرت عبداللہ بن عمرؓ تو خود اس مسجد سے نکل گئے مگر حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک ایسے موقع پر خود اس بدعتی کو مسجد سے نکالنے کا حکم دیا. وہ عشاء کی اذان کے بعد نماز کے لیے آواز دے رہا تھا.[2]

⑤ عہد صحابہؓ کا ایک اور واقعہ سُنیئے :۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک جگہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بلند آواز سے ذکر کر رہا ہے وہ اعلان کرتا کہ سو بار اللہ اکبر کہو. حلقہ بنائے لوگ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں. وہ یہ گنتی کنکریوں پر کرتے تھے. وہ پھر کہتا سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو. وہ پھر کہتا سو بار سبحان اللہ پڑھو. عجیب رونق لگائے

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۹۸ [2] البحر الرائق جلد ۱ ص ۲۶۱

بیٹھا تھا اور لوگ اس کے کہنے کے مطابق یہ گنتی پوری کر رہے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ عمل اوپرا معلوم ہوا۔ حضورؐ کے سامنے کبھی یہ عمل اجتماعی صورت میں سامنے نظر نہ آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا :-

فعدّوا سیاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیٔ ویحکم یا امۃ محمد ما اسرع ھلکتکم ھؤلاء صحابۃ نبیکم متوافرون وھذہ ثیابہ لم تبل وانیتہ لم تکسر والذی نفسی بیدہ انکم لعلی ملۃ ھی اھدیٰ من امۃ محمد او مفتحوا باب ضلالۃ۔[1]

ترجمہ۔ بس تم اپنے گناہ شمار کرتے جاؤ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں کوئی کمی نہ آئے گی۔ افسوس ہے تم پر اے امتِ محمدؐ کتنی جلدی تم ہلاکت میں جا گرے ابھی تو تمہارے نبیؐ کے صحابہؓ تم میں کثرت سے موجود ہیں اور ابھی تو حضورؐ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور آپ کے گھروں کے برتن نہیں ٹوٹے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ایک ایسی امت بن چکے ہو جو (تمہارے خیال میں) حضورؐ کی امت سے زیادہ ہدایت پر ہے یا تم گمراہی کا ایک دروازہ کھول رہے ہو؟

یعنی تمہارا یہ ذکر جب عہدِ صحابہ میں نہ تھا تو کیا تم ان سے راستی میں بڑھ گئے ہو جو دین میں تم یہ نئی طرز لے آئے ہو؟

ایک دوسری روایت میں آپ نے صاف لفظوں میں انہیں بدعتی فرمایا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں :-

صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھراً وقال ھم ما اراکم الا مبتدعین۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ روایت پہنچی کہ آپ نے ان لوگوں کو مسجد

3/6

---

[1] سنن دارمی ص۳۸ [2] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۳۵

سے نکال دیا جو مسجد میں بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھ رہے
تھے. آپ نے انہیں کہا میں تمہیں (اس عمل میں) بدعت پر دیکھ رہا ہوں.
مولانا عبدالسمیع رامپوری نے بھی انوارِ ساطعہ میں اسے صحیح تسلیم کیا ہے۔

ایک سوال: اگر یہ عمل بدعت قرار پایا تو جو روایات اجتماعی حلقۂ ذکر کے بارے میں ملتی ہیں ان کا محمل پھر کیا ہوگا؟

جواب: ان حلقوں میں ہر کوئی اللہ کا ذکر اپنے طور پر کرتا تھا ایک ایک کلمہ کو مل کر نہ کہتے تھے نہ ان میں کہیں ذکر بالجہر ہوتا تھا. یہاں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی شان و قدرت اور رحمت و نصرت کا بیان ہے. ہو سکتا ہے کہ ایک بیان کرتا ہو اور دوسرے سنتے ہوں. حضرت امام احمدؒ کی روایت میں ایک حلقہ ذکر اسی طرح ملتا ہے۔

کنا نجتمع فی حلقۃ فنذکر اللہ وکان یجلس معنا فکان اذا ذکر ھو وقع حدیثہ من قلوبنا موقعاً لا یقع حدیث غیرہ[1]

ترجمہ: ہم اجتماعی حلقہ قائم کرتے تھے پس اللہ کا ہم ذکر کرتے اویس قرنی بھی ہمارے ساتھ بیٹھتے جب آپ اللہ کا ذکر کرتے تو آپ کی باتیں ہمارے دلوں میں اس طرح اُترتیں کہ ایسا کسی دوسرے کے ذکر سے نہ ہوتا تھا.

اس میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفت و ثنا اور شان و عظمت کا مجلس میں بیان کرنا ہے صحابہؓ کا اجتماعی حلقہ یہی ہوتا تھا نہ کہ ہر ایک اونچی آواز سے ذکر کرے۔

پہلی صدی کی ان پانچ شہادتوں کے بعد اب اس حدیث کا سمجھنا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی وہ مردود ہے اور آسان ہو جاتا ہے. بدعتی علماء نے اس حدیث کی گرفت سے نکلنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس حدیث کی کچھ اور تفصیل کر دیں. ہو سکتا ہے کسی خوش نصیب کو اس وضاحت سے بدعات سے توبہ کی توفیق حاصل ہو.

---

[1] مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۹

شرح حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ

دوسری صدی میں علماء حق فروعی اعمال میں مالیس منہ کو ایک محاورے کے طور پر لاتے تھے۔ وہ چیز جو دین نہیں ہے کہیں دین نہ سمجھی جائے۔ امام الائمہ حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) اس مسئلے میں کہ اذان میں حیّ علیٰ خیر العمل یا الصلوٰۃ خیر من النوم ایسی چیز نہیں کہ دین میں سے نہ ہو، آپ فرماتے ہیں:۔

ولا یجب ان یزاد فی النداء مالم یکن منہ۔[1]

ترجمہ۔ اور نہ چاہیئے کہ اذان میں وہ چیز داخل کی جائے جو اس میں سے نہ ہو۔

شارحین لکھتے ہیں کہ اس میں آپ کا اس حدیث کی طرف اشارہ ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ کہ دین میں وہ بات بالکل نہ لی جائے جو اس میں سے نہیں ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے مالیس منہ یا مالم یکن منہ کس پیرائے میں دوسری حدیث میں بولا گیا ہے۔

(نوٹ) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

عن سعد القرظی قال کان بلال ینادی بالصبح فیقول حیّ علیٰ خیر العمل فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یجعل مکانہا الصلوٰۃ خیر من النوم ویترک حیّ علیٰ خیر العمل رواہ ابو الشیخ۔[2]

ترجمہ۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ حیّ علیٰ خیر العمل کو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہا کریں۔

آپ پہلے اس حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں جو ہم نے یہاں سرخی میں لکھی ہے۔

ترجمہ۔ جس نے ہمارے اس کام میں (دین میں) کوئی نئی بات نکالی (اصلاً یا تبدیلاً)

---

[1] موطا امام محمد صفحہ ۸۶ [2] فتح الرحمٰن جلد ۲ صفحہ ۶

جس کی کتاب وسنت میں اصل نہیں وہ مردود ہے۔

اس میں من احدث (جس نے کوئی نئی بات نکالی) مطلق ہے اس میں وہ چیز بھی آگئی جو نئے سرے سے بنائی گئی اور وہ بھی اس میں شامل ہے جو پہلے موجود تو تھی مندوب یا مسنون تھی لیکن اب اسے ایک ایسی ہیئت دے دی گئی جو پہلے نہ تھی ـــ یہ بھی ایک احداث ہے۔ یا اس کا التزام اس طرح کیا گیا جو پہلے نہ تھا یہ التزام بھی ایک احداث ہے ایک نئی بات پیدا کرنا ہے یا ہم نے التزام نہیں کیا لیکن کسی دوسری قوم نے اسے اس طرح اپنا یا کہ اب وہ اس قوم کی وضع معلوم ہونے لگی۔ یہاں تک کہ کوئی مسلمان اسے کرے تو اسے اس قوم کا تشبہ سمجھا جانے لگے تو اس عمل کے یہ سب پیرائے اپنی اپنی جگہ احداث میں آجائیں گے۔

شریعت میں تقیید مطلق بھی احداث ہے

دین میں تقیید مطلق بھی احداث ہے اور یہ ذات شئی اور اوصاف شئی سب کو شامل ہے بریلوی علماء اسے صرف ذات سے متعلق سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل ایک نئی بات ہو لیکن حق یہ ہے کہ من احدث مطلق ہے اور وہ ان نئی قیود و التزامات کو بھی شامل ہے جو ہم پہلے کے کسی جائز عمل کو نہیں دے سکتے۔ علمی سطح پر یہ تقیید مطلق ہے جس سے وہ پہلے جائز عمل (کام) بھی بدعت ہو جاتا ہے اور حدیث وفقہ کے علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ کسی عمل کی ہیئت بدلنے سے اس کے اطلاق میں قید لگ جاتی ہے۔ اس کی مزید تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے ماالیس منہ۔

ماالیس منہ (جو چیز دین میں نہ ہو) کی شرح

ماالیس منہ عام ہے اسے لم یکن منہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ اس عمل کو بھی شامل ہے جو پہلے سے نہ تھا اور اس کو بھی جو پہلے مندوب اور مستحسن درجے کا تھا لیکن اب وہ ایک خاص ہیئت دیئے جانے کے باعث بدعت ہو گیا ہے۔ ایصال ثواب کو ہی لیجئے یہ اپنی

ذات میں جائز ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب ان کے قصد سے مرحومین کو پہنچتا ہے لیکن اسے کسی ایسے دن اور تاریخ سے خاص کرنا جو تخصیص اسے شریعت نے نہیں دی اس سے یہ عمل بدعت ہو جائے گا مباح بھی نہ رہے گا۔ اب یہ عمل جائز نہ رہا بدعت ہو گیا یہ شریعت کے عام کو خاص کرنا ہے۔ یہ شریعت سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اپنی خواہش اور ضرورت سے — ہاں اگر یہ تخصیص شرعی نہ سمجھی جائے تو یہ مالیس منہ میں داخل نہ ہوگی۔ اس میں کسی دن کو دین سمجھ کر مقرر نہیں کیا جاتا۔ کسی کام کے لیے کوئی تاریخ مقرر کرنا۔ شادی کا دن طے کرنا۔ عام سفر کے لیے کسی وقت کی تعیین۔ یہ سب انتظامی امور ہیں یہ تعینیات شرعی نہیں اور ان کا ہمیشہ اعادہ بھی نہیں کیا جاتا۔ سو اس تعیین میں اور شرعی تعیین میں بنیادی فرق ہو گیا۔ دین کے کسی کام کو اپنی طرف سے شرعی تعیین دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں ایک نئی بات ڈالنا ہے۔ علامہ عینی (۸۵۵ھ) من احدث کے معنی اس طرح لکھتے ہیں :-

الاحداث فی امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھو اختراع شیء فی دینہ بما لیس فیہ مما لا یوجد فی الکتاب والسنۃ۔ [1]

ترجمہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں "احداث" یہ ہے کہ اُن کے لائے ہوئے دین میں کوئی اختراع کرلینا جس کا کتاب و سنت میں وجود نہ ہو۔

ایک معارضہ جو اس حدیث پر ڈالا جاتا ہے

حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں آنحضرت ؐ نے فرمایا :-

من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بہا بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بہا ولا ینقص من اجورھم شیء ومن سنّ فی الاسلام سنۃ سیئۃ فعمل بہا بعدہ کتب علیہ مثل وزر من عمل بہا۔ [2]

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱۳ صفحہ ۲۷۴ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۱

ترجمہ: جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت قائم کی اور اس پر اس کے بعد بھی عمل ہوتا گیا تو اس پہلے قائم کرنے والے کو ان تمام لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملے گا، جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے اجر کچھ کم نہ ہونے پائیں گے اور جس نے اسلام میں کوئی بُری راہ قائم کی اس پر اس کے بعد بھی عمل ہوا تو اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر بوجھ آیا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی کم نہ ہو پائے گا۔

بریلوی کہتے ہیں اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں کسی اچھی بات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے اور یہ بدعت نہیں صرف بدعتِ سیئہ بُری ہے۔ ہم کہتے ہیں یہاں فی الاسلام سے مراد فی المسلمین ہے یعنی مسلمانوں میں کسی اچھی بات کا آغاز کرنا ــ یہ اسلام میں کسی بات کا اضافہ کرنا نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چند مسلمان بیٹھے تھے کہ ایک سائل آنکلا یا کچھ مساکین وہاں آگئے۔ انہوں نے مسلمانوں میں اپنی مدد کے لیے آواز لگائی ــ ایک مسلمان نے جلدی کی اور انہیں کچھ لا دیا۔ پھر سب لوگوں نے انہیں نہ کچھ دیا ــ اسلام میں خیرات کرنے کا حکم پہلے سے موجود تھا۔ اس پہل کرنے والے نے کسی نئے عمل کا اضافہ نہیں کیا۔ اس نیک عمل کی ایک مجلس میں پہل کر دی۔ پھر اور لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ اب اسی پہل کرنے والے کو پچھلے تمام خیرات کرنے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور ان خیرات کرنے والوں کے اپنے ثواب میں بھی کچھ کمی واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح مسلمانوں کو جس نے کسی بُرے کام پر لگا دیا تو اس پر عمل کرنے والوں کے گناہوں کا بار اس پر بھی ہوگا جس نے پہلے انہیں اس گناہ کی طرح دی تھی۔

یہاں کسی اچھے کام یا بُرے کام کے دین میں داخل کرنے کی بحث نہیں کی جارہی، جن اعمال کا اچھا یا بُرا ہونا شریعت میں پہلے سے طے تھا اسے مسلمانوں میں عملاً لانے کی بحث ہو رہی ہے اور یہ شریعت میں کسی عمل کا اضافہ نہیں ہے نہ اس میں احداث فی الدین کی کوئی بات ہے اس حدیث کو پورے سیاق کے ساتھ امام مسلم نے اس طرح انہی معنوں میں روایت کیا ہے:۔

عن جریر بن عبد اللہ قال جاء ناس من الاعراب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہم الصوف فرای سوء حالھم قد اصابتھم حاجۃ فحثّ النّاس علی الصدقۃ فابطؤا عنہ حتی رئی ذلکَ فی وجھہ قال ثم ان رجلاً من الانصار جاء بصرۃ من ورق ثم جاء اٰخر ثم تتابعوا حتی عرف السرور فی وجھہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سنّ فی الاسلامِ سنۃ حسنۃ فعمل بھا بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بھا ولا ینقص من اجورھم شئ۔ [1]

ترجمہ۔ حضرت جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں دیہات کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وہ اپنے اوپر ٹاٹ لیے ہوئے تھے آپ نے ان کا یہ بُرا حال دیکھا کہ وہ حاجت مند ہیں آپ نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دلائی وہ کچھ رُکے رہے یہاں تک کہ اس کے آثار آپ کے چہرے پر دیکھے گئے۔ پھر ایک انصاری چاندی سے بھری ایک تھیلی لے آیا پھر کوئی اور کچھ مال لے آیا پھر سب اس راہ میں چل پڑے۔ یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر خوشی دیکھی گئی۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا جس نے اسلام میں (مسلمانوں میں) نیکی کی ایک راہ قائم کی اس کے بعد بھی اس پر عمل ہوا تو ہر عمل کرنے والے کا اجر اس کے نام بھی لکھا جائے گا۔

اس سیاق سے واضح ہے کہ یہاں من سنّ (جس نے طرح ڈالی) سے مراد کسی نئے عمل کی ایجاد نہیں اور نہ کسی نئی بات کو سنت ٹھہرانا ہے۔ یہاں اس عمل پر پہل مراد ہے جو پہلے سے مسلمانوں میں شریعت کا ایک مسئلہ تھا اور وہ ہے غریبوں پر خیرات کرنا اور مساکین صدقہ دینا۔ اسی روایت میں "من سنّ فی الاسلام سنۃ" سے مراد دعوت الی الھدایت ہے نہ کہ کسی نئے عمل کی ایجاد کہ اس سے جواز بدعت کی راہ نکالی جائے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ حدیث اس طرح

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صت ۳۲۷

ان لفظوں سے روایت کی گئی ہے :۔

من دعا الی الھدیٰ کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لاینقص ذلک من اجورھم شیاء و من دعا الیٰ ضلالۃ کان علیہ من الاثم من مثل اثام من تبعہ لاینقص ذلک من اثامھم شیاء۔ [۱]

ترجمہ: جس نے کسی اچھی بات کی طرف بلایا اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس کے پیچھے چلے اور ان کے اجور سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اور جس نے دوسروں کو کسی گمراہی پر آمادہ کیا اسے ان تمام لوگوں کے گناہ ملیں گے، جنہوں نے اس کے کہنے پر وہ کیے اور ان کے اپنے گناہوں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

یہ دونوں حدیثیں اچھے کاموں کی ترغیب کے لیے ہیں نئے نئے کاموں کے وضع کرنے کی تحریک نہیں اس کا حدیث من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو ردّ سے کوئی معارضہ نہیں افسوس ہے کہ بریلوی اس روایت (من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ) سے اچھی بدعات اختراع کرنے کا جواز نکالتے ہیں. یقین کیجیے ان کی سوچ بالکل غلط ہے. اس حدیث میں بدعت کی راہ نکالنے کا ہرگز کوئی سبق نہیں ہے۔

جو بدعت نہ نکالے مگر نکالنے والے کی پیروی کرے

حدیث کا یہ حکم کہ جو شخص دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرے جو دین کی نہ تھی اس کا وہ عمل مردود ہے. صرف اسی کو شامل نہیں جو بدعات کی ایجاد کرے جو اس کی پیروی میں چلے گو اس نے خود کوئی بدعت نہ نکالی ہو وہ بھی مردود العمل ہے. ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ان لفظوں سے بھی روایت کی ہے :۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۴۱

من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو ردّ۔ [۱]

ترجمہ: جس نے ایسا کوئی عمل کیا جس پر ہمارا حکم پہلے سے موجود نہ تھا تو اس کا وہ عمل (اللہ کے ہاں) مردود ہے۔

سو جو بدعتی یہ کہے کہ میں نے تو کوئی بدعت نہیں نکالی، میں تو من احدث کا کسی طرح مصداق نہیں میں مردود العمل کیوں کر ہوں گا؟ اسے کہا جائے گا کہ تو گو من احدث کا مصداق نہیں لیکن تو من عمل عملاً لیس علیہ امرنا کا مصداق ضرور ہے۔ سو اس پہلو سے تو بھی مردود العمل ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں:-

یقول انا ما احدثت شیأً فیحتج علیہ بالثانیۃ التی فیہا التصریح بردّ کل البدع والمخترعات سواء احدثھا الفاعل اوسبق یا حداثھا۔ [۲]

ترجمہ: جو یہ کہتے ہیں کہ میں نے تو کوئی چیز نئی ایجاد نہیں کی اس پر اس دوسری حدیث سے حجت قائم کی جائے گی جس میں ہر بدعت اور خود گھڑے اعمال کے مردود ہونے کی خبر ہے برابر ہے کہ اس نے خود اسے دین میں داخل کیا یا وہ بدعت پہلے کسی نے (دین میں) اضافہ کی تھی۔

ایک اور معارضہ جو اس حدیث پر ڈالا جاتا ہے

اس حدیث میں ۱۔ بدعت پیدا کرنے والے اور ۲۔ اس پر عمل کرنے والے ــــ دونوں کو مردود العمل قرار دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ بدعت پر عمل کرنے والے عامی کا کیا قصور ہے وہ بے علم ہے اسے کسی بدعتی مولوی کی سُر اچھی لگی۔ اس نے اس کی پیروی میں ان بدعات کو اپنا لیا جو اس مولوی کو پسند تھیں۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ اس کا بوجھ اس عامی پر نہیں اس مولوی پر ڈالا جائے گا جس نے اسے ان بدعات پر لگایا؟

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صـ۷۷ [۲] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صـ۷۷

حضورؐ نے فرمایا ۔

من افتی بغیر علم کان اثمہ علیٰ من افتاہ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابوداؤد جلد ۲ ص۱۵۹ کتاب العلم ۔

ترجمہ ۔ جسے کسی مفتی نے کسی غلط مسئلے پر لگایا اس کا گناہ اس پر ہوگا جس نے اسے اس کا جواز فراہم کیا ۔

کیا یہ حدیث اس حدیث من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو ردّ کے معارض نہیں جو ہر عملِ بدعت کو مردود ٹھہراتی ہے ؟

الجواب : بغیر علم کسی مولوی کی بات پہ چلنے والا تب اس گناہ سے بری الذمہ ہوتا ہے اگر اس نے کسی کو اس مولوی سے اختلاف کرتے نہ سنا ہو ۔ اگر اسے پتہ چل گیا کہ دوسرے علماء اس بدعتی مولوی کی اس بات کو بدعت کہتے ہیں تو اب اسے اس پر عمل کہ ناجائز نہیں وہ مردود العمل ہی سمجھا جائے گا اور گناہ کا بار صرف اس مولوی پر نہیں اب اس پر بھی آئے گا ۔

بریلوی علماء کس طرح بدعتِ حسنہ کے نام سے بدعات میں مبتلا ہیں

بریلوی علماء بدعات پر کبھی من حیث الثبوت غور نہیں کرتے وہ انہیں ہمیشہ من حیث اللذات اپنی بحث میں لاتے ہیں ۔ ان کے گرد وپیش بدعت کی ایسی کشش ہے کہ اس نے ان کی ایک ایک عبادت کو اپنے ذوقِ بدعت سے بے نُور کر رکھا ہے ۔ اب ان کے ہاں دین کے جتنے اعمال ہیں وہ اعمال کے صرف ڈھانچے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت کی رمق تک نہیں ۔ وہ ان کا دین تو ہیں لیکن ان میں دینداری نہیں ـــــ اعمال کی یہ بے روح لاشیں ان کے گھروں اور ان کی مسجدوں میں دن رات تڑپتی ہیں اور ان کے مولویوں کو کبھی اپنے عوام پر رحم نہیں آتا کہ وہ ان کو حق کی یہ بات کہہ دیں کہ اب یہ بدعتی اہل السنۃ والجماعۃ نہیں رہے بلکہ اہل بدعت ہوگئے ہیں ۔ کہاں سنّت کا نُور اور کہاں بدعات کی ظلمت ـــــ حق اور باطل کبھی جمع

نہیں ہو سکتے سنت اور بدعت کبھی جمع نہیں ہو پاتیں۔ دھوپ اور سائے کبھی ایک ہو نہیں پاتے علماء حق اور علماء سوء کا یہ تصادم شروع چلا آرہا ہے۔

ما یستوی الاعمیٰ والبصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور

وما یستوی الاحیاء ولا الاموات۔ (پ ۲۲ الفاطر ۱۹-۲۰)

ترجمہ: اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔

ہم نے اس سلسلہ میں اٹھنے والے تمام پہلوؤں پر مقدمہ میں علمی بحث کی ہے اسے بار بار پڑھیں۔ انشاء اللہ ہر بدعت کا رنگ اترتا جائے گا۔ اس پیش لفظ کو مقدمۃ الکتاب سمجھیں۔ آگے مقدمۃ العلم ہدیہ قارئین ہے جو موضوع پیش آمدہ کا چاروں طرف سے علمی احاطہ کیے ہوئے ہے اس میں آپ کو آپ کے ذہن میں آنے والے ہر شبہ کا جواب ملے گا۔

ہم نے اس کتاب میں بدعت کے دس اہم عنوانات کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کے گرد اور بھی بہت سی بدعات گھومتی ہیں۔ ہم نے یہاں ان ذیلی بدعات کو بھی لیا ہے۔ یہ تقریباً چالیس بدعات ہو جاتی ہیں جن پر ہم نے کچھ بحث کی ہے۔ بدعت معصیت کے اتنا قریب نہیں جتنی یہ کفر کے قریب ہے۔ کفر سے تو توبہ نصیب ہو جاتی ہے لیکن بدعت سے بہت کم خوش نصیب توبہ کر کے نکلے ہیں۔

ہمارا مقصد اس وقت ان بدعات کا رد نہیں صرف ان کا مطالعہ ہے۔ بریلوی لوگ ان بدعات میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔ اس بحر ظلمات نے ان کو ہر طرف سے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ان کے تقابلی مطالعہ کے بغیر مطالعہ بریلویت مکمل نہیں ہو پاتا۔ یہ چند عنوانات آپ کو اس ظلمت کدہ میں اس طرح لے جائیں گے کہ آپ کو ان کے عوام پر رحم آنے لگے گا۔ کتنے خوش نصیب وہ مسلمان ہوں گے جو اپنے ان بھائیوں کو پھر سے سنتوں کے گرد جمع کریں۔ اور اہل بدعت کا یہ طبقہ لائق نفرت نہیں لائق خیر خواہی ہے۔ مرض سے نفرت کی جانی چاہیئے،

مریض سے نہیں۔

بدعات کا یہ دلسوز تذکرہ ہمارے سامنے کوئی خوشی کا موجب نہیں۔ بدعات سے صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین ہر صدی کے مجتہدین اور اولیاء اللہ المتقین نے بہت نفرت کی ہے۔ بدعت سے نفرت کرنے والے اہل سنت کہلاتے ہیں۔ سنت کا نور اور بدعت کی ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لا تستوی الحسنة ولا السیئة۔ اب آپ خود سوچیں بریلویوں کو کیسے اہلسنت کہا جا سکتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے حلقۂ اعتقاد کو بدعات سے بچنے کی ان الفاظ میں سخت تاکید فرمائی ہے۔ اس پر ہم اس پیش لفظ کو ختم کرتے ہیں ہم نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کسی فریق کی دلآزاری نہ ہو۔ نہ ہم نے بفضلہ تعالیٰ کہیں بریلوی زبان استعمال کی ہے نہ اس وقت ان کی تردید ہمارے پیش نظر ہے۔ گو اثنائے بیان کہیں ضمناً کوئی علمی گرفت آگئی ہو اس پر بھی ہم اپنے ان بھائیوں سے معذرت خواہ ہیں۔ ہمارے پیش نظر طلبہ اور عوام میں بریلویت کا ایک عام تعارف کرانا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی نصیحت

سب سے اعلیٰ نصیحت جو فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کو اور عام دوستوں کو کی جاتی ہے وہ یہی ہے کہ سنت سنیہ کی تابعداری کریں اور بدعت سے بچیں ـــــ سعادت مند ہے وہ شخص جو اس دور میں سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور رائج بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔ اب ایسے جوانمرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے۔ اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کے گرانے کا باعث ہے۔ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام آپ نے سنا ہوگا سو پورے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری

ہو جائے اور بدعات میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے خصوصاً ان دنوں میں اسلام ضعیف ہو رہا ہے. اسلام کی رسمیں جبھی قائم رہ سکتی ہیں کہ سنت کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور بدعت کو ختم کیا جائے گذشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہوگا جو بدعت کے بعض افراد کو مستحسن اور پسندیدہ خیال کیا. لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں کرتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا. بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے. کل بدعۃ ضلالۃ.

اسلام کے اس ضعف و غربت کے زمانے میں کہ سلامتی سنت کے بجالانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے پہ وابستہ ہے. (فقیر) ہر بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیاد اسلام کو گرا رہی ہے اور سنت کو چمکنے والے ستارہ کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما رہا ہے. حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں. اور کسی بدعت پر عمل کرنے کا فتوے نہ دیں. خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے.

گذشتہ زمانہ میں چونکہ اسلام قوی تھا اس لیے بدعت کے اندھیرں ظلمات کو اٹھا سکتا تھا اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی معلوم ہوتے ہوں گے اور حسن کا حکم پا لیتے ہوں گے. اگرچہ درحقیقت ان میں کسی قسم کا حسن اور نورانیت نہ تھی مگر اس وقت کہ اسلام ضعیف ہے یہ بدعات کی ظلمت کو نہیں اٹھا سکتا. اس وقت متقدمین و متاخرین کا فتوے جاری نہ کرنا چاہیئے. کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں. اس وقت تمام جہاں بدعت کے بکثرت ظاہر

ہونے کے باعث دریائے ظلمات کی طرح نظر آرہا ہے اور سنت کا نور باوجود غربت اور ندرت کے اس دریائے ظلمانی میں کرم شب افروز یعنی جگنو کی طرح محسوس ہورہا ہے اور بدعت کا عمل اس ظلمت کو اور بھی زیادہ کر جاتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا اس ظلمت کے کم ہونے اور اس نور کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

اب اختیار ہے کہ خواہ کوئی بدعات کی ظلمت کو زیادہ کرے یا سنت کے نور کو بڑھائے اور اللہ تعالیٰ کا گروہ زیادہ کرے یا شیطان کا گروہ۔ الا ان حزب اللہ هم المفلحون۔ الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون۔

صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور جھوٹ کی کثرت کا اندازہ کریں تو چاہیئے کہ سنت کے ماسوا میں اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کا بہانہ کرکے امور مخترعہ پر عمل نہ کریں۔ اتباع سنت بے شک نجات دینے والی ہے اور خیرات و برکات کے بخشنے والی ہے اور غیر سنت کی اتباع میں خطرہ ہی ہے۔ وما علی الرسول الا البلاغ۔ قاصد پر حکم کا پہنچا دینا ہے۔ ہمارے مشائخ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے تابعداروں کو امور مبتدعہ کے بجالانے کی ہدایت نہ کی اور سنت کی متابعت کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بتایا اور صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و عزیمت پر عمل کرنے کے سوا کچھ ہدایت نہ فرمائی۔ اس واسطے ان بزرگوں کا کارخانہ بلند ہوگیا۔ اور ان کے وصول کا ایوان سب سے اعلیٰ بن گیا[۱]۔

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔

۱؎ مکتوبات دفتر دوم ص۶۵ تا ص۶۶

کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دین وملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے مکمل ہو چکا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس آیت کریمہ کے مضمون سے انکار کرنے کے مترادف ہے[1]

مولانا احمد رضا خاں حضرت مجدد الف ثانی رح کی ان باتوں کو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ حالت سکر کی ہیں ہمیں حیرت ان نقشبندیوں پر ہے جو اس پر بھی مولانا احمد رضا خاں کو اپنا اعلیحضرت سمجھتے ہیں مولانا احمد رضا خاں ایک موقعہ پر حضرت امام ربانی رح پر تعریض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے ہم تو ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحو سے بتایا خدا کے فرمانے سے کہا۔ تمام جہان کے شیوخ نے جو زبانی دعوے کیے ہیں ظاہر کر دیا ہے کہ ہمارا سکر ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہوں سے ہوتی ہیں ناواقفی سے یا سکر سے۔ سکر تو یہی ہے اور ناواقفی یہ کہ ..... الخ[2]

اور پھر یہی نہیں حضرت مجدد الف ثانی رح کی طرف سے یہاں تک نقل کیا:۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جو کچھ میں نے اگلی دو جلدوں میں کہا صحو سے کہا؟ نہیں نیا دہ سکر ہے۔"

اب آپ ہی سوچیں کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح کی شخصیت کو کمزور کرنے کی اس سے زیادہ کسی میں کیا جرأت ہو سکتی ہے۔ استغفر اللہ العظیم

---

[1] ایضاً دفتر اول ص ۳۰۳ [2] ملفوظات حصہ ۳ ص ۴۷

کیا ان نقشبندیوں میں غیرت ہے جو اس کے باوجود مولانا احمد رضا خان کو اپنا اعلیحضرت مانتے ہیں اور اپنے آپ کو بریلوی کہتے ہیں. پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نقشبندی اور جناب میاں شیر محمد صاحب شرقپوری نقشبندی نے کبھی مولانا احمد رضا خاں کو اعلیحضرت کبھی نہ مانا تھا بلکہ چشتیہ سلسلے کے حضرت مولانا محمد معین الدین اجمیری اور جناب پیر مہر علی شاہ گولڑوی بھی مولانا احمد رضا خاں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مؤلف کے لیے سلامتی قلم سوچ کے اعتدال اور اور خود اہل بدعت کے لیے علم وعمل کی اصلاح اور جذبۂ خیر خواہی کی دعا فرمائیں. خوش نصیب ہیں وہ اہل بدعت جو پھر سے اہل سنت کی صفوں میں آجائیں اور جہلاء کا اکثریت کا زعم انہیں ہمیشہ کے لیے بدعات کے بحر ظلمات میں نہ رکھے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ہم یہاں اس پیش لفظ کو ختم کرتے ہیں اور اس علمی مقدمہ کا آغاز کرتے ہیں جو اپنے موضوع کا چاروں طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے. اس کے بعد ہم انشاء اللہ العزیز بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات پر ایک ترتیب سے بحث کریں گے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے دلوں کو نور سنت سے منور کرے اور جہاں جہاں بدعت کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سطور کو اندھیروں کے اٹھنے کا سبب بنائے۔

وما ذلك على الله بعزیز۔

مؤلف عفا اللہ عنہ

مقدّمہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین صطفیٰ امابعد :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ آخرت پر روانہ ہونے سے پہلے صحابہؓ کو دو چیزوں سے تمسک کرنے کی ہدایت فرمائی اور ضمانت دی کہ جب تک وہ ان دو چیزوں سے اخذ دین کریں گے وہ کبھی گمراہ نہ ہوں گے ــــ وہ دو چیزیں کیا کیا تھیں :

① کتاب اللہ اور ② سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن کے گرد امت نے پوری محنت سے حفظ و قرأت اور تفسیر کا پہرہ دیا اور اسے شریعت کا پہلا ماخذ ٹھہرایا اور اس کی ہر لفظی اور معنوی تحریف سے حفاظت کی اور آج تک یہ محنت جاری ہے۔

① قرآن کریم کی ہر تحریف سے حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی :-

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون . (پ۱۴ الحجر ۹)

ترجمہ بیشک ہم نے یہ نصیحت نامہ اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

سعادت ان حفاظ و قراء اور مفسرین اہل حق کی جن کی مساعی سے یہ ارادہ خداوندی پورا ہوتا آیا ہے۔

سنّت کے گرد بھی امت نے پوری وفا سے پہرہ دیا اور بدعات کو اس حلقۂ نور میں داخل ہونے سے پوری قوت سے ان کے آگے روک تھام کے بند باندھے اور آج تک یہ محنت جاری ہے . بدعات سنّت کے حلقۂ نور میں داخل ہونے کے چور دروازے ہیں .

② چور ہمیشہ اندھیرے میں وارادات کرتے ہیں اور بدعات کے داعی بھی صرف جہالت کے اندھیروں میں آگے بڑھتے ہیں . جہاں علم کی روشنی پھیلی وہاں جہالت کے بادل خود چھٹ جاتے ہیں . سو بدعت کے ازالہ کے لیے براہِ راست جدو جہد کی ضرورت نہیں ، جہاں علم کی نشر و اشاعت ہوگی اور کتاب و سنت پر محنت ہوگی بدعات کے سائے خود اُٹھ جائیں گے . بدعات کا براہِ راست مقابلہ کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے .

4
6

③ شریعت اپنی بنیاد میں ایک منقولی امر ہے

شریعت اسلامی کوئی خیالی جذباتی اور نفسیاتی لائحہ عمل نہیں کہ جس کام کو ہم چاہیں دین کا کام کہہ دیں بلکہ یہ Reported affair منقولی لائحہ عمل ہے جسے ثابت کرنے کے لیے ہمیں پیچھے لوٹنا ضروری ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوتا ہے کہ کیا یہ دینی عمل واقعی عہدِ اول سے چلے آرہے ہیں یا انہیں چند جہلائے اپنے خیالی جذباتی نفسیاتی یا شکمی تقاضوں سے اپنے لیے اب وضع کرلیا ہے۔ اگر ان کی اصل دورِ اول میں پائی گئی اور پھر اختلاف ہوا تو یہ بے شک ایک علمی اختلاف ہوگا ورنہ اسے ایک شکمی اختلاف سے زیادہ کوئی اہمیت نہ دی جاسکے گی۔

قرآن میں اختلاف کے وقت اصل کی طرف لوٹنے کی ہدایت

اختلاف کبھی جاہلی قیاسات اور تسکینِ جذبات کے اوضاع سے نہیں مٹتا۔ امرِ متوہم Disputed affair کو کسی امرِ متیقن Definite & Agreed پر ہی لاکر طے کیا جاسکتا ہے اور یہ کتاب و سنت کی کسوٹی ہے جو ہر کھوٹے کھرے کا فیصلہ کردیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر اختلاف آپ کی طرف لوٹایا جا سکتا تھا کہ آپ اس کا فیصلہ فرمادیں لیکن آپ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد اب ہمارے لیے ایک ہی راہ رہ گئی ہے کہ ہر اختلاف کو کتاب و سنت کی طرف لوٹائیں اور کتاب و سنت نصًا یا استخراجًا ہمارے اس اختلاف پر فیصلہ دیں ہم اسے ہی شریعت جانیں اور اس کے سوا جو کام بھی دین سمجھ کر کیے جارہے ہوں انہیں دین میں ایک اضافہ سمجھیں اور ان سے پوری طرح بچیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ذٰلک خیر واحسن تأویلا۔ (پ۵ النساء ۵۹)

ترجمہ: سو اگر تم کسی (دینی) کام میں جھگڑ پڑو تو تم اسے خدا (کی کتاب) کی طرف اور

رسول (کی سنّت) کی طرف لوٹاؤ اگر تم واقعی خدا اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے

ہو یہی بہتر اور بہترین انجام کار ہے۔

آنحضرتؐ کے بعد اس آیت پر کیسے عمل ہوگا اسے روح المعانی کے ان الفاظ میں دیکھ لیں۔

اور اب اللہ سے مراد اس کی کتاب اور رسول سے مراد اس کی سنّت سمجھیں:۔

فان تنازعتم ایھا المؤمنون انتم و اولوالامر منکم فی امر من امور الدین (فردوہ)

فراجعوا فیہ (الی اللہ) ای الی کتابہ (والرسول) ای الی سنتہ[1]۔

ترجمہ: سو اے مومنو اگر تم اور تمہارے حکمران آپس میں دین کی کسی بات میں

مختلف ہوں تو اسے لوٹاؤ بطریق مراجعت اللہ کی طرف یعنی اس کی کتاب کی

طرف اور رسول کی طرف یعنی اس کی سنّت کی طرف۔

دین ہے ہی وہ جس میں کسی اضافے کی گنجائش نہ ہو

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر فرمادیا کہ یہ دین کامل ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت صحابہؓ

پر تمام ہو چکی۔ اب اس کے بعد یہ دین ایک کے طور پر اُوپر سے چلے گا اور صحابہؓ کے بعد

کسی کو اس میں کسی قسم کے اضافے کی اجازت نہ ہوگی۔ صحابہؓ سے جو چیز ثابت ہو اسے حضورؐ کے اذن خاص

کے تحت قبول کیا جائے گا۔ ستاروں سے ہمیشہ روشنی ہی ملے گی اندھیرا کبھی نہ ملے گا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

(پ ۶ المائدہ ۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی

اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا۔

اس آیت کے ہوتے ہوئے کیا کوئی مسلمان جرأت کر سکتا ہے کہ دینِ اسلام میں کسی خیالی

---

[1] روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۶۴

پیرائے یا جذباتی نعرے سے کوئی نئی بات لائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اضافہ کرے صحابہؓ اپنے عمل سے خود دین میں داخل ہیں اور انہی کا دین مکمل ہوا سو وہ خود اس بحث میں داخل نہیں کہ ان کا یہ عمل دین میں سے ہے یا نہیں انہی کے عمل کی تو خدا نے تکمیل کی ہے۔

حضورؐ نے امت کے لیے صحابہؓ کی بات کو بھی ساتھ رکھا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر گروہ بندی کا انجام آگ بتلایا ہے صرف ایک گروہ کو لائق مغفرت فرمایا وہ کون لوگ ہوں گے ؟ آپ نے فرمایا :۔

ما انا علیہ واصحابی[1] جو میرے اور میرے صحابہؓ کے رستہ پر ہوں گے۔

اور یہ بھی فرمایا :۔

من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین۔[2]

ترجمہ۔ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہے وہ جلد بہت اختلافات دیکھیں گے سو تم میری سنت اور ہدایت پائے ہوئے خلفائے راشدینؓ کے رستہ کو لازم پکڑنا (دین میں پیدا کی گئی نئی باتوں سے بچنا)

لفظ "ہدایت پائے ہوئے" سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خلافت پر آنے والے ہیں وہ اپنے اپنے طور پر حضورؐ سے ہدایات پائے ہوئے ہیں یا کچھ خاص احکام لیے ہوئے ہیں۔ سو انہوں نے اپنے دور میں جو کچھ بھی کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی ہدایات کے تحت کیا ہے انہیں ہو سمجھیں ان کو اسی لیے مہدیین (اللہ کے نبی سے ہدایت پائے ہوئے) فرمایا۔ اب ان کے بعد ضابطہ ایک ہی ہے کہ دین کے نام پر پیدا کردہ ہر نیا کام بدعت ٹھہرے اور ہر بدعت رستہ اسلام سے دور کرنے والی شمار ہو۔ حضورؐ نے خلفائے راشدینؓ کی سنت تو سب پر لازم ٹھہرائی۔ دوسرے صحابہؓ کے بارے میں کچھ وسعت رکھی وہ

یہ کہ ان میں سے جس کی پیروی کرلو ہدایت پر رہو گے۔ بایّھم اقتدیتم اھتدیتم. ہاں ان کا عمومی عمل ساری امت کے لیے لائق تمسک رہے گا جس طرح خود راہِ نبوّت سب کے لیے شاہراہِ اسلام ہے ما انا علیہ واصحابی کا یہی مفہوم ہے۔ بدعت کی راہ ان کے بعد سے شروع ہوئی ہے۔

صحابہؓ کے رستے کے خلاف جو فرقہ بھی بنے گا ظاہر ہے کہ وہ پہلے سے چلے آنے والے دین میں کمی یا زیادتی کے بغیر نہ بن سکے گا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا انکار کیا یا صحابہؓ کے عمل کا انکار کیا انہوں نے دین میں کمی کی اور جو بدعات کے سایوں میں جا بیٹھے انہوں نے دین میں (ان بدعات کی) زیادتی کی. بدعات دونوں طرف چلیں گی اس میں افراط بھی ہوگی اور تفریط بھی اور تابعین وہی ہوں گے جو ان دونوں سے بچیں۔

یاد رکھیے دین اسلام ایسا کامل دین ہے کہ یہ اپنے میں ذرا سی زیادتی برداشت نہیں کر سکتا جس طرح صحیح فطرت انسان کھی کو ہضم نہیں کر سکتا. دین اسلام کسی بدعت کو ہضم نہیں کر سکتا جس طرح انسانی کھال اپنے میں ذرا سی پھانس کو برداشت نہیں کر سکتی. بدن اسلام کسی بدعت کو اپنے میں سمو نہیں سکتا. پھانس جتنی باریک ہو اتنی ہی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے اور اس کا نکالنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے. اسلام کا بہترین دور وہی تھا جو حضورؐ اور صحابہؓ کا تھا اور اس میں کوئی چیز بدعت نہ تھی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا. خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۶۲

ترجمہ بہترین امت میرے دور کے لوگ ہیں پھر وہ جو ان کے بعد آئیں پھر وہ جو ان کے بعد ہوں.

دورِ اوّل میں بدعات کے خلاف اُٹھنے والے صحابہؓ

یُوں تو سب صحابہؓ بدعات کے خلاف اسلام کی ایک چلتی پھرتی تصویر ہے. ستاروں سے روشنی ہی ملتی ہے اندھیرا نہیں. تاہم چند صحابہؓ نے ایسے آنے والے مواقع میں بہت کھل کر اپنا کردار ادا کیا۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ)

صحابہ کرامؓ میں خلفاء راشدینؓ کے بعد کتاب و سنت کے سب سے بڑے عالم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

سمجھے جاتے ہیں حضرت عمرؓ نے جب آپ کو عراق بھیجا تو فرمایا۔ اے اہل عراق! میں نے عبداللہؓ کو تمہارے ہاں بھیج کر تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے یعنی اگر میں اپنے آپ کو راجح کرتا تو انہیں اپنے لیے اپنے پاس رکھتا ان کے علم وفضل کی مجھے خود ضرورت تھی :-

عن حبہ العرنی قال قرأت فی کتاب عمر الی اہل الیمن والکوفۃ امابعد فانتم رأس العرب وجمجمتہا وانتم سھمی الذے ارمی بہ ان جاء شیء من ھاھنا وھاھنا وقد بعثت الیکم عبد اللہ واخترتہ لکم واثرتکم بہ علی نفسی۔[1]

ترجمہ۔ حبہ عرنی سے مروی ہے آپ نے کہا میں نے حضرت عمرؓ کا وہ خط پڑھا جو آپ نے اہل یمن اور اہل کوفہ کو لکھا تھا۔ اما بعد تم راس العرب اور ان کے دماغ ہو اور تم ہی میرے وہ ہتھیار ہو جنہیں میں اس وقت چلاتا ہوں جب ادھر سے یا ادھر سے کوئی ضرورت درپیش ہو۔ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے لیے بھیجا ہے اور تمہارے لیے چنا ہے اور اس میں میں نے تمہیں اپنے پر ترجیح دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جس طرح صحابہؓ میں سنت کے سب سے بڑے علمبردار تھے اسی طرح آپ بدعت کے بھی سخت خلاف تھے اس کے جراثیم آپ کو دور سے ہی نظر آجاتے نماز پڑھنے کے بعد دائیں طرف سے مڑنا یا بائیں طرف سے مڑنا کتنی چھوٹی سی بات ہے اور اپنی ذات میں ان میں سے کسی میں بھی برائی نہیں۔ مگر اگر کوئی التزام کرے کہ ہمیشہ دائیں طرف مڑے کہ دائیں طرف میں برکت ہے تو آپ نے اس کے اس ذوق کو بھی خط شیطان قرار دیا۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دائمی عمل نہ تھا آپ نے فرمایا :-

لا یجعل احدکم للشیطان شیاء من صلوتہ یری ان حقا علیہ الا ان ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ۔[2]

ترجمہ تم میں سے کوئی اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ بنائے کہ وہ نماز سے فراغت کے

---

[1] المستدرک حاکم جلد ٣ صد ٣٥٧ [2] رواہ البخاری جلد ١ صد ١١٨ مشکوٰۃ صد ٨٧

بعد دائیں طرف مڑنے کو ہی ضروری سمجھے کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی دفعہ بائیں طرف مڑتے بھی دیکھا ہے۔

جب ایک کام جو اپنی ذات میں جائز ہے مگر ضروری نہیں اسے ضروری سمجھنا بھی شیطان کو اپنے نیک اعمال میں حصہ دار کرنا ہے۔ تو جو کام سرے سے شریعت میں اپنا وجود نہیں رکھتے انہیں اپنانا اور دین سمجھنا ان میں شیطان کس درجے میں حصہ دار ہوگا اس پر آپ خود غور فرمائیں۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں کہ کسی مستحب یا مباح کام کو بڑھا کر فرض یا واجب ٹھہرایا جائے — جس طرح شرعی اعمال کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اصل شریعت میں موجود ہو اسی طرح یہ ضروری ہے کہ اس کا درجہ بھی وہی رہے جو شریعت میں ہے اس سے کم وبیش نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ مسجد میں کنکریوں پر اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ ایک شخص آواز دیتا۔ اتنی مرتبہ اللہ اکبر پڑھو۔ یہ کنکریوں پر اسے پڑھنے لگتے ہیں۔ پھر وہ کہتا سو بار لا الہ الا اللہ پڑھو وہ اس طرح لا الہ الا اللہ پڑھنے لگتے ہیں۔ پھر وہ کہتا کہ سو بار سبحان اللہ پڑھو۔ مسجدوں میں دورِ اوّل میں یہ طریق ذکر نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ منظر دیکھا اور آپ سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ آپ نے انہیں فرمایا:۔

فعدوا من سیئاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیء ۔۔۔۔ او مفتحی باب الضلالۃ[1]

ترجمہ۔ تم اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی (آپ نے فرمایا) کیا تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔

ویحکم یا امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ما اسرع ھلکتکم ھؤلاء الصحابۃ بینکم متوافرون[2]

ترجمہ۔ اے حضورؐ کی امت تم پر افسوس! تم کتنی جلدی ہلاکت میں جا پڑے۔ ابھی تو

---

[1] مسند دارمی جلد ۱ ص ۶۸ [2] ایضاً

صحابہ کرامؓ تم میں بکثرت موجود ہیں (کیا تم ان سے اپنے ایسے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھ سکتے تھے)۔

آپ نے قسم کھا کر فرمایا:۔

میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں خدائے وحدہ لاشریک لہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا پھر تم علم میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئے ہو[1] (کہ جو نیکی ان کو نہیں سوجھی تم اسے پا گئے)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے ایک جماعت کو مسجد سے اس لیے نکال دیا کہ وہ لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف بلند آواز سے پڑھ رہے تھے اور فرمایا میں تمہیں بدعتیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھتا (یعنی یہ نیکی کسی کھاتے میں نہیں ہے)۔

کیا درود شریف پڑھنا یا کلمہ پڑھنا یا سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہنا اپنی ذات میں کوئی بری بات تھی؟ ہرگز نہیں۔ کیا یہ کلمات کوئی برا معنی رکھتے ہیں؟ نہیں۔ لیکن جب ان کلمات پہ بھی بدعت کے اتنے غلاف چڑھا دیئے گئے تو یہ ذکر کرنے والے عبادت کرنے والے نہ رہے کھلے لفظوں میں بدعتی قرار پائے۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اب وہ اپنی نیکیاں نہیں برائیاں شمار کریں جو تمہارے ان اعمال میں پائی جا رہی ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کے عہد میں ہی بدعات کے خلاف دینی محنت شروع ہو چکی تھی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان کے سرخیل تھے۔ آپ نے لوگوں کو اپنے نقش قدم پر چلنے

---

[1] مجالس الابرار صفحہ ۱۶۵ [2] ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۳۵۰

کی دعوت دی فرمایا :-

سلامتی اسی پرانی لکیر میں ہے دین کا مکمل ہونا کافی سمجھا جائے اور بدعات پیدا کرنے سے کلی طور پر احتراز کیا جائے۔

آپ نے فرمایا :-

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم [1]

ترجمہ : تم پیچھے چلو دین میں بدعات پیدا نہ کرو جو دین تمہیں دیا گیا ہے وہ تمہارے لیے کافی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۴ھ)

ایک دفعہ ایک شخص نے چھینک آنے پر الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ کہا حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا میں بھی حضورؐ پر سلام بھیجنے کا قائل ہوں لیکن سلام کا یہ جو موقع تم نے تلاش کیا ہے (کہ چھینک آنے پر یہ پڑھنا) یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نہیں۔

آپ نے فرمایا :-

انا اقول الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقول الحمد للہ علیٰ کل حال [2]

ترجمہ : میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ اور میں کہتا ہوں السلام رسول اللہ لیکن ہمیں حضورؐ نے اس طرح سلام کہنا نہیں سکھایا۔ آپ نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم ہر حال میں الحمد للہ کہیں۔

حضورؐ پر سلام پڑھنا کوئی بُری بات نہیں لیکن شریعت میں اس کا بھی کوئی موقع اور محل ہونا چاہیئے اسے ہر جگہ لا داخل کرنا یہ وہ بدعت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے برداشت نہ ہو سکی اور آپ اس پر بول پڑے۔

---

[1] الاعتصام جلد ا صد ۵۹ [2] ترمذی جلد ۲ صد ۹۸

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک شخص کسی کا سلام لے کر آیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا :-

مجھے سلام بھیجنے والے کی یہ شکایت پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے اگر واقعی اس نے کوئی بدعت ایجاد کی ہے تو میرا سلام اس کو نہ دینا۔

آپ نے ایک دفعہ کچھ لوگوں کو مسجد میں چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا حضرت مجاہدؒ نے آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا آپ نے اسے بدعت فرمایا :-

فسالناہ عن صلوٰتھم فقال بدعۃ۔ اس طرح یہ نماز پڑھنا بدعت ہے۔[۱]

چاشت کی نماز فی نفسہا بدعت نہ تھی اس کی اپنی جگہ ایک اصل ہے لیکن اسے اس اجتماعی پیرایہ میں پڑھنا یہ شریعت میں موجود نہ تھا اس لیے آپ نے اسے بدعت ٹھہرایا۔

اسی طرح آپ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک شخص مسجد میں اذان کے بعد پھر سے لوگوں کو نماز کی دعوت دے رہا ہے۔ اس پر آپ نے اپنے شاگرد امام مجاہدؒ سے فرمایا :-

اُخرج بنا فان ھٰذہ بدعۃ۔[۲]

ترجمہ: ہمیں یہاں سے لے چل یہاں تو بدعت ہو رہی ہے۔

ان تفصیلات سے بھی معلوم ہوا کہ بدعات کے خلاف کام خود عہد صحابہؓ میں شروع ہو چکا تھا۔

③ حضرت عثمان غنیؓ (۳۵ھ)

آپ کو کسی نے ختنہ کی تقریب پر بلایا حضورؐ کے زمانہ میں نکاح کے موقعہ پر تو لوگ بلائے جاتے تھے لیکن ختنہ کے موقع پر لوگوں کی دعوت اور بلائے جانے کا کوئی اہتمام نہ ہوتا تھا۔ ختنہ سنت ابراہیمی ہے۔ سو اس اعتبار سے یہ ایک نیکی کا عمل تھا۔ صحابہؓ کی تربیت یہ تھی کہ جو کام نیکی سمجھ کر کیا جائے اس کا شریعت میں ثبوت چاہیئے۔ ختنہ کے وقت کی دعوت کا حضورؐ کے زمانہ میں رواج نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ نے بنا پر اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا :-

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳۸ مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۰۹ [۲] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۷۹ المصنف لعبد الرزاق جلد ۱ صفحہ ۴۷۵

انا کنا لا نأتی الختان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندعی لہ[1]

ترجمہ ہم لوگ عہد رسالت میں ختنوں میں نہ جایا کرتے تھے اور نہ اس کے لیے ہمیں دعوت دی جاتی تھی

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اسی چیز کو دین اور شریعت سمجھتے تھے جو پہلے سے چلی آرہی ہو Reported affair اور ان کے ہاں ناممکن تھا کہ کسی نئی چیز کو جو دین نہیں دین سمجھ کر کیا جائے۔

④ حضرت علی المرتضیٰؓ (۴۰ھ)

شریعت کے عام قاعدہ میں سورج کے طلوع اور غروب کے وقت میں نماز پڑھنا ناجائز تھا فجر کی کی نماز اور عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا ناجائز تھا ان کے علاوہ اور کسی موقعہ پر نماز نفل ممنوع نہ تھی ایک شخص نے اسی عام ضابطہ کے تحت نماز عید سے پہلے نفل پڑھنے چاہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے اسے منع کیا۔ اس نے کہا۔ امیر المومنین میں تو سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے پر ہرگز سزا نہ دے گا۔ آپ نے فرمایا :۔

میں بالیقین جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر ثواب نہ دے گا جب تک کہ اس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو پس تیری یہ نماز فعل عبث ہوگی اور فعل عبث حرام ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے رسول کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے۔[2]

ایک دفعہ آپ نے ایک شخص کو جب کہ عشاء کی اذان ہو چکی تھی نماز کے لیے بلاتے دیکھا اس پر آپ نے اسے مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا

---

[1] مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۱۷ [2] مجالس الابرار ص ۱۲۱ [3] بحر جلد ۱ ص ۲۶۱

⑤ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ)

آپ بدعت کی ابتداء صحابہؓ کے بعد سے کرتے ہیں یہ جو کچھ کریں یہ بدعت نہیں ہے صحابہؓ رازداران نبوت اور مزاج شناسان حضرت خاتم النبیین تھے۔ ان سے کوئی چیز نئی بھی نظر آئے تو اسے آنحضرتؐ کے اذن خاص سے مربوط کیا جائے اسے بدعت نہ کہا جا سکے گا۔ ہاں جو عمل ان میں سے کسی سے ثابت نہ ہو اسے عبادت سمجھ کر کرنا یقیناً ممنوع ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:۔

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا۔[1]

ترجمہ۔ ہر وہ عبادت جسے اصحاب رسول نے تعبدی درجہ نہیں دیا تم اس راہ سے خدا کو خوش کرنے کی کوشش نہ کرو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

فان الاوّل لم یدع للاٰخر مقالاً فاتقوا اللہ یا معشر القراء خذوا بطریق من کان قبلکم۔[2]

فرمایا خدا کی قسم آئندہ زمانے میں بدعت پھیل جائے گی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بدعت کو ترک کرے گا تو لوگ اس کو کہیں گے کہ اس نے سنت ترک کر دی ہے۔[1] (یہ سنی نہیں رہا)۔

حضرت حذیفہؓ کی یہ پیشگوئی ہمارے اس دور میں پوری ہو چکی ہے کہ اہل بدعت علمائے دیوبند کو کہتے ہیں کہ یہ اہل سنت نہیں ہیں اہلسنت بس ہمیں ہیں جنہوں نے ایک ایک سنت کو بدعت کی آغوش میں لے رکھا ہے۔

⑥ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ)

آپ نے فرمایا:۔

علیك بتقوی اللہ والاستقامۃ واتبع ولا تبتدع۔[3]

---

[1] الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۹ [3] شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ صفحہ ۲۱۴

ترجمہ. تقویٰ اور استقامت کو لازم پکڑو سنت کی اتباع کرو اور بدعت پیدا نہ کرو.

آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ مشرق و مغرب میں جہاں بھی کوئی بدعت پھوٹتی ہے شیطان کی پیداوار ہے.

جب لوگوں میں اس کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوتی ہیں تو وہ تصفیہ کے لیے علماء کرام کے پاس آتے ہیں یہ علماء حق کا وظیفہ ہے کہ وہ انہیں بدعات سے چھڑائیں اور سنتوں پر لگائیں سو بدعات اسی طرح بدعتی پہ ماری جاتی ہیں اور وہ ناکام ہو کر رہتا ہے.

دورِ اوّل میں بدعات کے خلاف اُٹھنے والوں میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ. حضرت علی المرتضیٰؓ. حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سر فہرست ہیں. انہوں نے دین میں داخل کی جانے والی ہر نئی بات کو علی الاعلان بدعت کہا اور کوئی مصلحت انہیں اس اظہارِ حق سے نہ روک سکی. فجزاھم اللہ احسن الجزاء.

اس امت کا دوسرا ہزار شروع ہوا تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اس پہرہ وفا پہ آئے اور اس طرح شریعت کی حفاظت فرمائی کہ بدعتِ حسنہ تک کو اس خطیرہ قدسیہ میں داخل نہ ہونے دیا —— اور پھر ان کی راہ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ. حضرت شاہ عبدالعزیزؒ. حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پورے عزم و ہمت سے چلے اور کتاب و سنت کے گرد حفاظت کی ایک پوری خندق کھود دی.

چودھویں صدی میں بدعات کے خلاف اٹھنے والے اکابر

اس دور آخر میں اس محاذ پر فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ. حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ. حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ نے اقامتِ سنت اور ردِ بدعات کی محنت کی ہے. یہاں تک کہ آج برصغیر پاک و ہند میں جہاں بھی آپ کو بدعت کی راہیں مسدود ملیں گی اس کے پیچھے آپ کو انہی حضرات کے کسی نہ کسی شاگرد یا متوسل کا ہاتھ نظر آئے گا. اب ان حضرات کی کاوشوں سے ردِ بدعات کی بنیاد قائم ہو چکی

ہے اس کے ضوابط منقح ہو چکے ہیں اور ان پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں. آج آپ کو کوئی ایسی بدعت سننے میں نہ آئے گی جس کا رد نہ ہو چکا ہو اور اس پر لکھا نہ جا چکا ہو. جہاں کہیں بھی کوئی بدعتی ابھرا اللہ تعالیٰ نے وہیں سے کسی نہ کسی وفادار سنت کو اس کے مقابل لا کھڑا کیا اور اب اہل بدعت کے پاس سوائے ضد کے اور کوئی وجہ نہیں رہی جس کے باعث آج بھی بعض حلقوں میں بدعات کی اندھیریاں قائم ہیں. تاہم ابھی اس محاذ پر اور تبلیغی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

غلط بات پر اڑنا بنو آدم کی شان نہیں

انسان فطری طور پر آدمی ہے —— یعنی آدم کے مزاج والا —— کہ خدا کی محبت اور طلب قرب میں حکم کو نہ دیکھے. اپنی خواہش پر چل نکلے اور جوش عمل میں آگے بڑھنے لگے —— اور پھر جب اس پہ اسے ٹوک دیا جائے تو توبہ اور انابت کے ساتھ جھکے اور اپنے اصل حکم پر آجائے —— آدم مزاج وہی ہے اور آدمی اسے ہی کہتے ہیں ؎

میری افتادگی بھی میرے حق میں اس کی رحمت تھی

کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اس کا

حضرت آدم علیہ السلام درخت کے قریب اسی طلب قرب میں گئے اور وہ سمجھتے تھے کہ میں اس سے دائمی قرب الٰہی پالوں گا. بدعتی بھی سمجھتا ہے کہ میرے یہ اعمال بدعت طاعت خداوندی ہیں اور قرب الٰہی کا ذریعہ —— اور وہ اس حکم کو نہیں دیکھتا کہ اس کامل دین میں اب کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں. حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما گئے. من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منه فھو رد او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم.

بریلوی کہتے ہیں حضرت آدم کا عمل اس لیے خطا ٹھہرا کہ اس پہ منع وارد تھی. انہیں اس سے روکا گیا تھا. سو بدعت وہی ہے جس پر منع وارد ہو. ہم کہتے ہیں کہ تمہارے نئے نئے اعمال طاعت جن کو تم عبادت اور نیکی سمجھ کر کرتے ہو. کیا ان تمام پر من احدث فی امرنا ھٰذا کی منع وارد نہیں؟

وہ منع جزئی تھی اور یہ منع کلی ہے وہ منع وقتی تھی اور یہ شریعت دائمی ہے جو نئی جمع و تفریق سے بالا ہے اور سنت کی رکھوالا ہے یہاں اسے ایک ضابطہ کے تحت رکھا گیا ہے کہ دین کامل مکمل ہو چکا اب اس میں تا قیامت کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو سکے گی۔ دین میں کوئی نیا کام اسے دین سمجھتے ہوئے داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسا کرنا دین میں بدعت کا دروازہ کھولنا ہے۔

پھر بریلوی اس بات کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اس پر متنبہ کیا گیا تو وہ اپنی بات پر اڑے نہیں۔ فوراً توبہ میں جھک گئے سو اب آدمی کی فطرت یہی ہے کہ اپنی غلطی پر اڑے نہیں، خطا کو توبہ کے پانی سے دھو ڈالے۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنتے تو دیکھا لیکن آدم کی توبہ و انابت کا یہ کمال ابھی اس پہ نہ کھلا تھا۔ ورنہ وہ بھی سجدہ کر دیتا۔ حضرت یشیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :-

> جب اس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ و انابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو ان کے اعلیٰ کمال اور امتیازی نجابت و شرافت کا مشاہدہ ہو گیا ہوگا۔[1]

یاد رکھیے اہل بدعت کا اپنی بدعات پر اڑنا انہیں ہرگز آدمی فطرت نہیں رہنے دیتا۔ اپنی غلط بات پر اڑنے کا سنگِ بنیاد شیطان نے رکھا تھا اور اب تک شیطان مزاج لوگ اپنی ضد کی لکیر کو پیٹتے چلے جا رہے ہیں۔

بدعت کی زینت اور رونق

وہ اعمال جن میں شریعت کی اصل نہیں اور لوگوں نے وہ خود بنا رکھے ہوں شیطان انہیں ایسی زینت اور رونق دیتا ہے کہ نادان لوگ اس کی چمک دمک میں کھو جاتے ہیں اور حرص و لالچ کے رسیا اس کی کشش اور لپک میں کلیۃً سمو جاتے ہیں ـــــ ابلیس نے تو اللہ رب العزت کے حضور ہی کہہ دیا تھا۔

قال رب بما اغویتنی لازینن لهم فی الارض ولاغوینهم اجمعین الا

---

[1] فوائد القرآن صـ۱۹۷

عبادك منهم المخلصين۔ (پ۱۴: الحجر ع ۳ آیت ۳۹)

ترجمہ: اے رب تو نے مجھے جو دوسری راہ پر ڈال دیا اب میں ان انسانوں کے لیے زمین کو آراستہ کروں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا ماسوا تیرے مخلص بندوں کے۔

ہندوؤں کے ہاں دسہرے کے رنگا رنگ مجسمے مختلف ڈیزائنوں کے دیوتاؤں کے بت۔ ہولی کے رنگا رنگ کے چھینٹے —— عیسائیوں کے پھولوں سے لدے کرسمس فادرز اور دیواروں پر لگی تصویریں اور جھنڈیاں کرسمس تقریبات کے چھلکتے جام —— آتش پرستوں کے شعلہ دار فانوس اولمپک شعلہ بردار جلوس —— شیعوں کے رنگین تعزیئے اور جھنڈیوں سے لدے ذوالجناح کے جلوس —— اہل بدعت کے عرسوں کی چادریں۔ دسویں اور چہلم کے مخلوط اجتماعات۔ جلوسوں کے جلوے اور قوالوں کے نغمے —— یہ وہ رونقیں اور زینتیں ہیں جو اسلاف کی طرز پہ چلنے والی مسجدوں میں آپ کو کہیں نہ دکھائی دیں گی اور انسان ان میں کھو کر اسلام کی فطری سادگی اور اس اخلاص و اعتقاد کو یکسر بھول جاتا ہے جو الٰہی تعلیم کی بنیاد تھی۔ پھر ان رونقوں کے ساتھ جب دنیا کی وجاہت اور رعب و داب بلکہ کچھ لالچ بھی آ شامل ہوں اور ملکوں کے صدر اور حکمران بھی عوامی تائید حاصل کرنے کے لیے اس طرف بڑھنے لگیں تو آسمانی ہدایت اور الٰہی تنظیم یکسر دم توڑ کر رہ جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ شیطان نے جو کچھ کہا تھا اس نے کر دکھایا اور اولادِ آدم کو بڑے بڑے بھلاوے دیئے۔

واذ زیّن لھم الشّیطان اعمالھم و قال لا غالب لکم الیوم من النّاس و انّی جار لکم۔ (پ۱۰: الانفال ع ۶)

ترجمہ: اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے عملوں کو اور بولا کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں۔

دیکھیئے یہاں شیطان کس طرح ان اعمال کو زینت بنا کر دکھا رہا ہے۔ اس سے اس فریب کی گہرائی کا پتہ چلتا ہے جو شیطان ان کے لیے کھودتا ہے —— بہت سے عوام اور جہلاء ان مجالس

بدعت اور محافل عرس میں محض اس لیے جاتے ہیں کہ وہاں انہیں اچھے خاصے ذائقے میسر آجاتے ہیں. وہاں کھانے پینے کی رونقیں لگتی ہیں ـــــ اور دیکھنے دکھانے کے لیے ہر رنگ کے جلوے اور سبزے اور ملنے ملانے کے کھلے مواقع اور مزے میسر آجاتے ہیں. دنیوی دلچسپیوں اور رونقوں کی اچھی خاصی بہار ہوتی ہے اور نام پھر بھی دین کا چل رہا ہوتا ہے کہ جو روکے یا ٹوکے فوراً بدمذہب کا نام پائے یا سارے حالات کو دیکھ کر آنکھ چرالے اور خاموشی سے گزر جائے.

مسجدوں میں خاموشی اور خشیت کا سماں

اس کے بالمقابل مسجدوں اور عبادت خانوں میں کیا رکھا ہوتا ہے ـــــ خاموشی اور خشیت کے سوا وہاں کچھ نظر نہیں آتا مومنین «اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين» کے جلو میں وہاں داخل ہوتے ہیں اور وہاں کوئی سامان چمک نظر نہیں آرہا ہوتا ـــــ سو ادھر کون آئے ـــــ اکثریت ادھر ہی بھاگتی ہے اور بڑی تیزی سے الٰہی حدود کو پھاندتی چلی جاتی ہے. یقین نہ آئے تو بڑی بڑی درگاہوں کے عرسوں میں جاکر خود دیکھ لیں. ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی.

فان كنت لا تدرى ـــــ فتلك مصيبة

وان كنت تدرى ـــــ فالمصيبة اعظم

بریلوی جب ان مجالس سے لوٹتے ہیں تو رستے میں ان کی زبان پر یہ چرچے ہوتے ہیں سبحان اللہ بڑی رونق تھی. بڑی بہار تھی. کھانے پینے کو بہت کچھ تھا. بڑے مزے تھے. نئے پرانے سب آشنا خوب ملے اور بار بار ملے بس وما بقی ہوس.

⑤ رونق والے اعمال ایمان کا تقاضا پورا نہیں کرتے

رونق والے اعمال کچھ ایسے بھی ہیں جو بجائے خود جائز ہیں بدعت نہیں لیکن چونکہ ان کے بجالانے میں نفس انسانی خود ایک حظ محسوس کرتا ہے اس لیے وہ ان اعمال کے برابر نہیں لائے جا سکتے

جن کے پیچھے صرف روح ایمان کارفرما ہوتی ہے اور امتی صرف اتباع رسول کے جذبہ سے انہیں عمل میں لاتا ہے۔ حاجیوں کو پانی پلانا، کھانا کپڑا دینا نیک اعمال بجائے خود جائز اور مندوب ہیں مگر ان میں کچھ رکھ رکھاؤ اور کھانے پینے کی رونق بھی ہے جو نفس انسانی کو محظوظ کرتی ہے اس پہ قرآن کریم کہتا ہے:

أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله واليوم الآخر وجاهد في سبيل الله لا يستوون عند الله. (پ التوبہ ١٩)

ترجمہ: کیا تم نے ٹھہرا رکھا ہے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا بسانا اس کے برابر جو یقین لایا اللہ پہ اور آخرت کے دن پہ اور لڑا اللہ کی راہ میں۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے ہاں۔

ایصال ثواب برحق ہے مگر اسے بدعات سے ملوث کر کے مجلسوں کی جو رونق بنتی ہے اور اس کے لیے بڑے جاذب اجتماعات ہوتے ہیں اور اچھے بھلے گھروں کے کھاتے پیتے لوگ یہاں مساکین کے خیراتی کھانوں پر ٹوٹتے ہیں کہ مجال ہے کوئی فقیر وہاں رسائی پا سکے تو ایسے اعمال کب ان اعمال کی برابری پا سکتے ہیں جن کو اپنا بستر بھی خود اٹھانا پڑتا ہے اور اللہ کی راہ میں اپنے خرچ پر نکلنا ہوتا ہے۔ یہ دونوں طرح کے کام بھی اللہ کے ہاں ایک درجے کے نہیں ہو سکتے۔

بدعت کی ایک اور کشش

اہل بدعت ایسے جتنے اعمال کرتے ہیں اس امید میں کھو کر کرتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کی جزا ملے گی اور ان کے اعتقاد میں ان کی یہ طاعت اور نیاز حق ہوتی ہے۔ جنگلوں کے سادھو اور پہاڑوں کے راہب اس امید میں دنیا چھوڑتے ہیں کہ وہ خدا کو راضی کر پائیں۔ لیکن وہ نہیں جانتے ہوتے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے گھاٹے میں جا رہے ہیں۔ خدا ان خود ساختہ اعمال طاعت سے کبھی راضی نہیں ہوتا۔

الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون

صنعاً۔ (پ ١٦: الکہف ع ١٢)

ترجمہ۔ جن کی کوشش دنیا میں ہی رہ گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بنا رہے ہیں (آخرت کے لیے) اپنے کام۔

مفسر بیضاوی ان لوگوں کی مثال میں عیسائی راہبوں کو پیش کرتا ہے:۔

کالرھبانیۃ فانھم خسروا دنیاھم واٰخرتھم وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا لعجبھم واعتقادھم انھم علی الحق۔[1]

ترجمہ۔ جیسے رہبانیت کے لوگ جو اپنی دنیا میں بھی اور اپنی آخرت میں بھی گھاٹے میں ہی رہے اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب نیکیاں بنا رہے ہیں اس میں وہ خوش ہیں اور یہی ان کا عقیدہ ہے کہ وہ حق پر ہیں اور ان کے ان عملوں سے خدا خوش ہو رہا ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے وفی الآیۃ اشارۃ الی اھل الاھواء والبدع۔ اور آگے لکھا ہے۔

وان ھٰؤلاء القوم یبتدعون فی العقائد ویراؤون بالاعمال فلا یعود وبال البدعۃ والریاء الا الیھم۔[2]

ترجمہ۔ یہ لوگ اپنے عقائد بھی نئے بنا چکے ہیں (پہلے پیغمبروں کے طریقے پر نہیں رہے) اور اعمال میں بھی وہ ریا کار ہیں۔ سو ان کی بدعات اور ریا کا وبال خود انہی پر پڑے گا۔ دینِ حق کا وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

اہل بدعت کے مختلف طبقات

ان اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جنہوں نے وہ دین جو سب انبیاء سے ایک چلا آرہا تھا اسے بدلا۔ توحید و رسالت اور آخرت دین کے بنیادی اصول ہیں۔ انہوں نے توحید کی بجائے تثلیث رسالت

---

[1] تفسیر بیضاوی صفحہ ٣٩٥ [2] روح البیان جلد ٥ صفحہ ٣٠٣

کی بجائے خدا کا بیٹا اور نجاتِ آخرت کے لیے شریعت کی بجائے صلیب مسیح کی راہ تجویز کی. گویا پورا دین بدل ڈالا. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب حضرت خاتم النبیین آئے تو آپ نے قوموں کو پھر اسی دین پر لوٹایا جو پہلے سب انبیا کی مشترکہ اساس تھا اور آپ کو کہنا پڑا کہ میں کسی نئی قسم کا رسول نہیں ہوں اسی طرح کا ایک پیغمبر ہوں جیسے پہلے پیغمبر آتے رہے ہیں. میری رسالت کسی جدی نوع کی نہیں ہے. قرآن کریم میں ہے :۔

قل ماکنت بدعًا من الرسل۔ (پ ۲۶ : الاحقاف ع ۱)

ترجمہ. آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں آیا.

سو عیسائی ایسے اہل بدعت بنے جن کی بدعت انہیں کفر تک لے گئی۔ ہندو ایسے اہل بدعت ہوئے جن کی بدعت انہیں کھلے شرک تک لے آئی۔ وہ اپنے مندروں میں بتوں کو لے آئے کہ یہ خدا کی عبادت میں ہمارے وسیلہ ہیں. یہ بت جن بزرگوں کے نام پر بنے ہیں وہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں گے. ایک بڑے خدا پر اعتقاد رکھتے ہوئے اعتقاد سے انہوں نے مندروں میں بت لا رکھے اور اس الحاد نے انہیں عقیدہ توحید سے کلیتہً محروم کر دیا. گو وہ لاکھ کہتے رہیں کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہیں. ہندوؤں اور عیسائیوں کی عقیدہ توحید میں بدعات انہیں کفر تک لے گئی ہیں۔

بدعت فی العقائد کے مجرم

پھر ان اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر بدعت فی العقائد میں وہ بھی کفر کی سرحدوں کو چھو رہے ہیں ـــــ ان میں وہ بھی ہیں جو انسان کو خود اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں. وہ بھی ہیں جو موجودہ قرآن کو محرف اور مبدل سمجھتے ہیں اور اسے مخلوق جانتے ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو انبیاء و اولیاء میں خدا کا اُترنا مانتے ہیں اور برملا اپنا یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں.

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر　　　اُتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفٰے ہو کر

یہ سب طبقے بدعت فی العقائد کے مجرم ہیں اور انہیں معتزلہ و خوارج اور شیعہ اور علویہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے. لیکن جو آیت ہم نے پہلے ذکر کی ہے اس میں ان کے اعمال ضائع ہو جانے کا بیان ہے. اب بدعت فی الاعمال کے مرتکبین بھی اسی کھاتے میں آتے ہیں.

الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا۔ (پ ۱۶: الکہف)

یہ سب مجرم اسی آیت کے ذیل میں آتے ہیں جن کی کوششیں یہیں دھری کی دھری رہ گئیں. اب اگر کوئی شخص یا طبقہ اہل سنت بھی کہلائے اور اس کے عقائد معتزلہ و خوارج اور شیعہ و علویہ کے سے بھی نہ ہوں پھر بھی اگر وہ ایسے اعمال طاعت کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے نہیں کئے تو وہ بھی اس ذیل میں آجاتا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں ایسے اعمال کرتے رہے کہ انہیں امید تھی کہ آخرت میں وہ ان کا صلہ پائیں گے مگر وہ ان کے اعمال یہیں رہ گئے اور آگے نہ جا سکے.

بدعت فی الاعمال کے رسیا

یہ لوگ بدعت فی الاعمال کے مجرم ہیں. یہ اس لیے کہ ان کے اعمال سنت اور صحابہؓ کے پیمانے میں نہ ڈھلے تھے. یہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی بدعات تھیں. سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے لوگوں کو صریح لفظوں میں بدعتی فرمایا. آپ نے ایک مسجد میں لوگوں کو بلند آواز سے ذکر کرتے سنا. ان لوگوں نے اجتماع بس اسی ذکر کے لیے کر رکھا تھا. آپ نے انہیں مسجد سے نکال دیا

صحیح اعمال طاعت میں اپنے التزامات

آگے بدعت کی ایک اور قسم ہے کہ اعمال کے ڈھانچے تو وہی ہوں جو پہلوں سے ہمیں ملے ہیں لیکن ان کا رکھ رکھاؤ اور ظاہری اہتمام پہلے سے کچھ بدل جائے اور اس پر صحابہؓ کا عمل ثابت نہ

ہو. مثلاً تہجد کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے دور میں عام طور پر گھر پڑھی جاتی تھی. اب اگر اسے اعلان اور اہتمام کے ساتھ مسجد میں پڑھا جانے لگا اور یہ کبھی کبھار کی بات بھی نہ ہو تو کیا یہ ایک نیا عمل نہ سمجھا جائے گا؟ کسے معلوم نہیں کہ چاشت کی نماز (صلوٰۃ الضحیٰ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے. لیکن لوگوں نے جب اسے مسجد میں اہتمام سے پڑھنا شروع کیا تو سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کے بدعت ہونے کا فتوےٰ دیا. امام المفسرین حضرت مجاہدؒ ایک دفعہ حضرت عروہ بن الزبیرؓ کے ساتھ مسجد میں گئے تو وہاں کیا دیکھا کہ ایک بڑا اجتماع ہے اور لوگ چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں. حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد میں حضرت ام المؤمنینؓ کے حجرہ کی طرف بیٹھے تھے ہم نے ان سے اس اہتمام سے مسجد میں نماز چاشت پڑھنے کے بارے میں پوچھا:-

والناس یصلون الضحیٰ فی المسجد فسألناه عن صلوٰتهم فقال بدعة.

ترجمہ. لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے ہم نے آپ سے ان کی اس نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔

نئے انتظامات سے اصل بھی باقی نہیں رہتی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس نماز کو عموم صلوٰۃ کے تحت شمار نہ فرمایا. کیونکہ یہ نماز جس خاص اہتمام اور شان سے پڑھی جا رہی تھی اس کا ثبوت تفصیلاً درکار تھا. یہ نہیں کہ بات تو اس اہتمام کی ہو رہی ہو اور اس پر مطلق نماز پڑھنے کے دلائل پیش کر دیئے جائیں. حضرت علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) نے اس اصول کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے:-

ان الاصل اذا ثبت فی الجملة لا یلزم اثباته فی التفصیل فاذا اثبت مطلق الصلوٰة لا یصح منه اثبات الظهر والعصر والوتر او غیرها حتیٰ ینص علیه علی الخصوص.[1]

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص ۱۸۲

ترجمہ. اصل جب اجمالی طور پہ ثابت ہو جائے تو اس سے اس کی تفصیل ثابت نہیں ہوتی. سو جب مطلق نماز کا ثبوت ملے تو اس سے نماز ظہر یا عصر ثابت کرنا یا نماز وتر وغیرہ ثابت کرنا نہ ہو سکے گا یہاں تک کہ اس خاص مسئلے پہ کوئی خاص دلیل وارد ہو.

اجمال کا ثبوت تفصیل کے دعوے کو مفید نہیں

آپ نے عام طور پر دیکھا ہو گا کہ جب بریلوی علماء سے دعا بعد نماز جنازہ کا حوالہ پوچھا جائے تو وہ مسئلہ کا تفصیل سے جواب دینے کی بجائے مطلق دعا کی آیتیں اور حدیثیں پڑھنی شروع کر دیتے ہیں اور اس خاص وقت (نماز جنازہ کے بعد) کی دعا پر حوالہ پیش نہ کر سکنے کی اپنی کمزوری کو ان عمومات کے تحت چھپانے کی سعی کرتے ہیں اور یہ بات ان سے چھپی نہیں ہوتی کہ سوال مطلق دعا کا نہیں ہو رہا. ان سے اس خاص وقت میں اس خاص ہیئت سے جماعت کے ساتھ دعا کرنے کا حوالہ پوچھا جا رہا ہے جو ان کے پاس کوئی نہیں ہے۔

کسے پتہ نہیں کہ تہجد کی نماز شریعت میں ایک اپنا مقام رکھتی ہے مگر اسے بھی مسجد میں جماعت کے ساتھ قائم کرنا اور اس کے لیے اہتمام کرنا جائز نہیں. حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

نماز تہجد را بجماعت مے گزارند. از اطراف و جوانب دراں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع مے گردند و بجمعیۃ تمام ادا مے نمائند و این عمل مکروہ است، بکراہت تحریمیہ [1]

ترجمہ. نماز تہجد کو یہ لوگ جماعت سے ادا کرتے ہیں اطراف و جوانب سے لوگ اس وقت تہجد کی نماز کے لیے آتے ہیں اور پورے اطمینان سے نماز پڑھتے ہیں یہ عمل

---

[1] مکتوبات دفتر سوم مکتوب

مکروہ تحریمی ہے۔

اعمال کی شکلیں پہلی سی مگر اعتقاد اور ہو

اس سے آگے بدعت کا ایک اور بھی انداز ہے کہ اعمال کے ڈھانچے اور ظاہری شکلیں تو وہی ہوں جو ہمیں پہلوں سے ملے ہیں لیکن ان کے ساتھ وہ اخلاص و اعتقاد نہ ہو جو پہلوں کا تھا یہ اس میں محض ایک دکھاوے اور رونق کے لیے شامل ہو رہے ہوں۔ اب ان کے یہ اعمال بھی جو اپنی اصل میں ثابت تھے اسی فرق نیت سے بدعت بن جائیں گے۔

ان کے ڈھانچے گو وہی رہے مگر اندر وہ روح نہیں رہی جو انہیں سنّت کا نام دینے سے روکتی تھی۔ اب یہ ریاکار کسی درجے میں اہل سنّت کہلانے کے مستحق نہیں۔ یہ اہل بدعت کی کمزور ترین نوع ہے۔

ریاکار کے نیک اعمال ہرگز آگے نہ جاسکیں گے۔ اہل بدعت اور اہل ریا بس ایک انجام کو جا پہنچے اور حق یہ ہے کہ بدعت میں خود ریاکاری چھپی ہوتی ہے۔ آپ تفسیر روح البیان کی یہ عبارت پڑھ آئے ہیں :-

ان هؤلاء القوم یبتدعون فی العقائد ویراؤون بالاعمال فلا یعود وبال البدعة والریا الا الیهم[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو عقائد میں نئی نئی راہوں پر آنکلے اور یہ ان کے دکھاوے کے اعمال ہیں سو بدعت اور ریا کا وبال خود انہی پر لوٹتا ہے

قرآن پاک کی رُو سے ضائع ہونے والے اعمال

ہم اب وہ پوری آیت پچھلی آیات کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس کے تحت صاحب روح البیان نے مذکورہ بالا بات کہی ہے۔

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۳۰۴

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا ۰ الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ

الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ۰ اولٰئک الذین کفروا

بایات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ

وزنا ۰ (پ ١٦ : الکہف)

ترجمہ۔ آپ کہیں کیا میں تمہیں ان کی بات بتاؤں جن کا کیا ہوا اکارت ہی گیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں بس یہیں دھری رہ گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ نیکیوں کے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی نشانیوں اور اس سے ملنے کے منکر ہوئے سو ان کے اعمال برباد گئے ہم انہیں قیامت کے دن (ترازو میں) کوئی وزن نہ دیں گے۔

رفع تعارض

وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ اعمال اس نیت سے بجا لاتے ہیں کہ آخرت میں انہیں ان کا صلہ ملے گا۔ مفسرین نے بھی یہاں ایسا ہی لکھا ہے۔

یعنی یعملون عملاً ینفعھم فی الاخرۃ۔[1]

ترجمہ۔ آیت میں مراد یہ ہے کہ وہ یہ عمل (اس خیال سے) کرتے رہے کہ یہ انہیں آخرت میں نفع دیں گے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھنے والے لوگ تھے اور وہ مانتے تھے کہ ایک دن انہیں خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ (٦٠٦ھ) بھی لکھتے ہیں۔

والاصل ان یقال ھو الذی یأتی بالاعمال یظنھا طاعات وھی فی انفسھا معاصی وان کانت طاعات لکنھا لا تقبل منھم لاجل کفرھم فاولٰئک

انما اتوا بتلک الاعمال لرجاء الثواب۔[1]

ترجمہ۔ بات یہ ہے کہ وہ لوگ یہ اعمال اس گمان میں کرتے تھے کہ یہ نیکیاں ہیں اور وہ کام اپنی ذات میں گناہ تھے اور اگر وہ نیکیاں بھی ہوں لیکن وہ ان کے کفر کے باعث لائق قبول نہ تھیں۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جو ثواب کی امید پر یہ اعمال کرتے رہے

شیعہ مفسرین علامہ عیاشی اور طبرسی لکھتے ہیں کہ ابن کواء نے حضرت علیؓ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس کے جملہ کفروا بآیات ربھم کے بارے میں فرمایا۔

اولئک اهل الکتاب کفروا بربھم وابتدعوا فی دینھم فحبطت اعمالھم و اهل النھر منھم ببعید۔[2]

ترجمہ۔ اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنہوں نے اپنے رب کی کتاب کا انکار کیا اور اپنے دین میں بدعات پیدا کرلیں۔ ان کے نیک اعمال ضائع گئے اور خوارج بھی ان لوگوں سے کچھ زیادہ دور نہیں رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ بعثت اور آخرت کے منکر نہ تھے۔

اس کے ساتھ دوسری آیت الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ بتاتی ہے کہ وہ خدائی آیات کے منکر تھے اور معاد کے قائل نہ تھے۔ سو یہ کھلے کافروں کا بیان ہے۔ ان لوگوں کا بیان نہیں جو دین حق کو مان کر پھر اس میں بدعت کی راہیں نکالتے ہیں۔ اس ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لیے مفسرین نے دوسری آیت میں تاویل کی ہے کہ یہاں یہ کفروا بآیات ربھم سے مراد معاد اور آخرت کا کھلا انکار نہیں۔ آیات الٰہیہ کے ان دلائل کو پس پشت کرنا ہے جو ابدی سچائی کا پتہ دیتے ہیں۔ حبطت اعمالھم بھی اسی کا قرینہ ہے۔ کیونکہ منکرین بعثت کے اعمال نے تو وجود ہی نہ پکڑا تھا۔ یہاں ان اہل بدعت کا بیان ہے جن کے اعمال میں سنت کے موافق نہ ہونے کے باعث

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۲۱ ص۱۷۴ [2] مجمع البیان جلد ص روح المعانی ص۴۵

وزن نہ آسکا. منکرین معاد کا تو کوئی عمل (آخرت کے لیے) وجود میں ہی نہیں آتا. وہ کوئی کام اس اُمید سے نہیں کرتے کہ یہ عمل آگے ان کے کام آئے گا. سو یہاں کفروا بآیات ربھم سے (آخرت کے) کھلے منکر مراد نہیں ہیں.

حضرت مصعب بن سعدؓ (۱۰۳ ھ) نے اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم (۵۵ ھ) سے دریافت کیا کہ اس آیت میں خوارج کا حکم بیان کیا گیا ہے. آپ نے فرمایا نہیں. یہود و نصاریٰ مراد ہیں. یہ دونوں بعثت اور آخرت کے منکر نہ تھے.

یہود و نصاریٰ اور خوارج میں سے کوئی بھی خدا اور آخرت و معاد کا منکر نہیں. یہ سوال و جواب بتاتا ہے کہ یہاں کفروا بآیات ربھم و لقائہ کو اس کے ظاہر پر نہیں رکھا گیا. بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیاتِ الٰہی کے ان دلائل کو دل میں جگہ نہ دیتے تھے جن سے حق کا چہرہ نکھرتا ہے اور بس یہی ان کا کفر تھا.

امام بخاریؒ کتاب التفسیر میں نقل کرتے ہیں:۔

عن مصعب قال سألت ابی قال هل ننبئکم بالاخسرین اعمالا هم الحروریة قال لا هم الیهود و النصاری.[1]

ترجمہ. حضرت مصعبؒ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے اس آیت کے متعلق پوچھا کیا اس میں خارجیوں کا حکم بیان کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں. یہاں یہود و نصاریٰ مراد ہیں.

حضرت علی المرتضیٰؓ اور مفسر جلیل حضرت ضحاک (۱۰۲ ھ) سے روایت ہے کہ اس آیت میں خوارج کا حکم بیان کیا گیا ہے.

خوارج کو اپنے عملوں پر ناز تھا اور ان کے عملوں کا یہ ظاہری رکھ رکھاؤ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی میں بھی منقول ہے. حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیٹے ابوسلمہؒ اور عطاء بن یسارؒ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۹۰

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور خوارج کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے :-

یخرج فی ھٰذہ الامۃ قوم تحقرون صلوٰتکم مع صلوٰتھم یقرأون القراٰن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کمروق السھم من الرّمیۃ۔[2]

ترجمہ: اس امت میں ایک گروہ ہوگا کہ تم ان کی نمازوں کو دیکھ کر اپنی نمازوں کو کمزور سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی حنجرہ رگ سے آگے نہ بڑھے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو چھید کر آگے نکل جاتا ہے۔

خوارج

یہ لوگ پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گروہ میں شامل تھے۔ پھر جنگ صفین کے آخر میں انہوں نے تحکیم کے موضوع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت شیعانِ علی (آپ کے ساتھی) آپ کو مامور من اللہ امام نہ سمجھتے تھے۔ ورنہ قدم قدم پر وہ آپ سے اختلاف نہ کرتے جب یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدہ ہوئے تو یہ خارجی کہلائے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کے خلاف تھے اور دونوں کو کافر کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اعمال کا ظاہری اہتمام ان کے ہاں بہت تھا۔ خارجیوں کا یہ تعارف نہیں کہ وہ صرف حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بُرا کہتے ہوں۔ بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی وہ برابر کافر سمجھتے تھے اور وہ صرف اپنے اعمال پہ نازاں تھے۔ سو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہنے والے خارجی نہیں ناصبی ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں اعمال کی ظاہری شان و شوکت کو اسی مقام پر رد کیا گیا ہے۔ سو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت کا مصداق یہی لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے ظاہری رکھ رکھاؤ میں کھو گئے اور سمجھتے

---

[2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۴

رہے کہ وہ ان اعمال کی جزا آخرت میں پالیں گے۔ یہ لوگ حقیقت میں آیاتِ الٰہی کے ان دلائل کے منکر تھے جو قرآن کریم مومنین کے دلوں میں بٹھانا چاہتا ہے۔

حافظ ابن کثیر الدمشقی (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں :-

وقال علی بن ابی طالب والضحاک وغیر واحد هم الحرورية ومعنى هذا عن علی ان هذه الآية الكريمة تشمل الحرورية كما تشمل اليهود والنصارٰی لا انها نزلت فی هؤلاء علی الخصوص وانما هی عامة فی کل من عبد الله علی غیر طریقة مرضية يحسب انه مصیب فیها وان عمله مقبول وهو مخطئ وعمله مردود۔[1]

ترجمہ۔ حضرت علی، حضرت ضحاک اور دوسرے کئی مفسرین نے اس سے خوارج ہی مراد لیے ہیں اور حضرت علیؓ سے اس آیت شریفہ کا یہی مفہوم منقول ہے کہ یہ بات جس طرح یہود و نصاریٰ کو شامل ہے خارجیوں کو بھی شامل ہے۔ آپ کی یہ مراد نہیں کہ یہ آیت خاص خوارج کے متعلق اُتری ہے یہ آیت ہر اس شخص کو عام ہے جو اللہ کی عبادت اس کے بتائے طریقے پر نہ کرے (اپنے طریقے گھڑے) اور سمجھے کہ وہ درست کررہا ہے اور اس کا یہ عمل مقبول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خطا کار ہے اور اس کا یہ (بدعت کا) عمل مردود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

محدث عبدالرزاق روایت کرتے ہیں ابن الکواء نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ بالاخرین اعمالا سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ویلک منهم اهل حروراء (تجھے کیا ہوا یہ خوارج ہیں جن کے اعمال ضائع ہوئے)۔ اس کے بعد ہے:۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۱

ولعل هذا هو السبب فی سوال المصعب اباه عن ذلك وليس الذی قاله علی ببعید لان اللفظ یتناوله وان کان السبب مخصوصاً[1]

اس کے بعد ابن الجوزی سے بھی یہ عبارت نقل کی ہے :۔

انهم تعبدوا علی غیر اصل فابتدعوا فخسروا الاعمار والاعمال[2]

ترجمہ: ان لوگوں نے اصل بنیاد کے خلاف بندگی کی بدعات گھڑ لیں اور اپنی عمروں اور اپنے اعمال کو گھاٹا دیا۔

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہاں ان لوگوں کے اعمال مردود بتائے گئے ہیں جو انہیں اسی اُمید سے بجالاتے ہیں کہ یہ آخرت میں ان کے کام آئیں گے مگر وہ ان کے کام پیمانہ سنّت کے مطابق نہیں ہوتے، بدعات ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ آخرت کے ترازو میں ان اعمال میں کوئی وزن نہ آئے گا۔

اس دنیا میں چیزوں میں وزن کشش زمین سے آتا ہے جتنی کوئی چیز زمین سے دُور ہوتی ہے اس کا وزن کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر جاکر چیزیں اپنا وزن چھوڑ دیتی ہیں۔ آخرت میں اعمال میں وزن اُن کے موافقِ سنّت ہونے کی بنا پر ہوگا اور جو اعمال حضورؐ اور صحابہؓ کی موافقت میں نہ ہوں گے ان میں کوئی وزن نہ آپائے گا۔

اعمال کی مختلف قسمیں

(۱) اعمالِ دُنیا

یہ وہ کام ہیں جو انسان دُنیا کے لیے کرتا ہے جیسے تجارت، زراعت، ملازمت، محنت صنعت اور مزدوری وغیرہ ان کے صلہ اور جزاء کی اسے یہیں امید ہوتی ہے نہ کہ آخرت میں ــــ نہ آخرت

[1] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۳۴۴ [2] ایضاً ص ۳۴۴

کے لیے اس نے یہ کام کئے نہ آخرت میں ان کے صلے کی اسے کوئی امید بندھی تھی. یہاں کے یہ اعمال بس یہیں کے لیے کیے گئے اور وہ یہیں رہ جاتے ہیں آگے نہیں جاتے.

۲ اعمال آخرت

یہ وہ کام ہیں جن کے صلے کی انسان کو آخرت میں اُمید لگی ہوتی ہے. وہ اسی امید میں نیکیوں پر نیکیاں کرتا چلا جاتا ہے کہ ایک دن آئے گا جب وہ ان نیکیوں کی جزاء پالے گا. آخرت کے لیے کیے گئے یہ اعمال پھر دو قسم کے ہیں:۔

۱ —— بدعات

یہ وہ اعمال ہیں جو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے پیمانہ عمل میں کبھی نہ آئے تھے بلکہ لوگوں نے خود بنا لیے. اور امید پھر بھی ہے کہ یہ آخرت میں ان کے کام آئیں گے.

۲ —— اعمال طاعات

یہ وہ اعمال ہیں جو حضورؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کے مطابق کئے گئے.

اعمال گویا تین قسم کے ہوئے.۔

۱ ایک وہ جن کی محنت یہاں اور صلہ بھی یہاں ملے گا یہ اعمال دنیا ہیں.

۲ دوسرے وہ جن کی محنت یہاں (دنیا میں) اور جزاء وصلہ وہاں (آخرت میں ملے گا) یہ اعمال طاعت ہیں جو پیمانۂ سنت کے مطابق کیے گئے.

۳ تیسرے وہ اعمال ہیں جن کی محنت یہاں مگر ان کی جزاء نہ یہاں نہ وہاں —— یہاں اس لیے نہیں کہ وہ کئے ہی آخرت کے لیے گئے تھے اور وہاں (آخرت میں) اس لیے نہیں کہ وہ اعمال پیمانۂ سنت پر پورے نہ اُترے. نہ وہ صحابہؓ کے سانچے میں ڈھلے تھے بدعت کی ظلمت نے انہیں اُٹھنے ہی نہ دیا تھا. اللہ رب العزت کے حضور تو پاک کلمے ہی اوپر اُٹھتے ہیں نہ کہ ضد سے اختیار کی گئیں بدعات اور ان کے شور و نغمے.

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ (پ ۲۲: فاطر ع ۲)

ترجمہ۔ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاک کلام اور کام نیک اس کو اٹھا لیتا ہے۔

یعنی صرف نیک باتیں اللہ رب العزت کی طرف پہنچتی ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ (جو سنت کے مطابق ہوں) انہیں اٹھنے میں سہارا دیتے ہیں۔ سو بدعت کے اعمال بس صرف یہیں کے یہیں رہ جائیں گے آگے نہ جا سکیں گے اور اہل بدعت بس یہیں ہاتھ ملتے رہیں گے۔ انہی کا حال یہاں بیان کیا گیا ہے۔

الذین ضل سعیہم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ (پ ۱۶: الکہف ع ۱۲)

ترجمہ۔ وہ لوگ جن کی کوششیں یہیں دھری کی دھری رہ گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ نیکیاں بنا رہے ہیں۔

جو عمل پیمانہ سنت پہ نہ ڈھلا ہو اور اسے کار خیر اور نیکی سمجھ کر کیا جائے اس کا ثمر آخرت میں اندھیرے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ یہ نور سنت ہے جس کی چمک اس جہان کی سرحدوں سے آگے بھی روشنی دے گی۔

اسلام دین کامل ہے اور پیمانہ سنت پر نئی پیدا ہونے والی دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اصولاً لبریز ہے۔ ہمیں کہیں اِدھر اُدھر دیکھنے کی ضرورت نہیں — حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے بعد نہ کسی نئے نبی کی آمد ہے نہ انتظار — سو اس دین میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں۔ نہ اس میں کسی کمی کا کوئی احتمال ہے جس نے بھی اس دین میں کوئی نئی بات داخل کی جو اس میں سے نہ تھی تو اس کا یہ عمل مردود ہے۔ آپ خود فرما گئے:۔

من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منہ فھو رد۔

جو شخص دین کی کوئی بات کرتا ہے جو دین کی نہیں ما لیس منہ اس پر پوری طرح منطبق ہے تو کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر افترا نہیں کیا؟ دین کی بات تو اللہ تعالیٰ سے ہی نسبت رکھتی ہے تو اپنی

طرف سے کوئی دین کی بات بتانا اللہ اور اس کے رسولِ برحق پر افترا کرنا ہے۔

ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال و ھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب۔ (پ ۱۴ : النحل ع)

ترجمہ۔ اور نہ کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔ یہ تو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنا ہوا۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

ویدخل فی ھٰذا کل من ابتدع بدعۃ لیس لہ فیھا مستند شرعی۔[۱]

ترجمہ۔ اور اس حکم میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی بدعت گھڑی ہے جس کے لیے کوئی سندِ شرعی (دلیل ہو یا نظیر) موجود نہیں۔

من احدث فی امرنا ھٰذا میں احداث عام ہے

من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منہ میں احداث مطلق ہے وہ ذاتِ شئ کا ہو یا وصفِ شئ کا ـــ اور وہ احداث بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ ـــ سب کا ایک حکم ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ عمل مردود ہے کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا کبھی قبولیت نہ پائے گا۔

اگر ذاتِ شئ میں احداث نہیں (مثلاً مساکین کو کھانا کھلانا یہ کوئی نئی بات نہیں) مگر وصف و قید میں احداث ہے جیسے کوئی خاص تاریخ اعتقاداً مقرر کر لی اور اس میں زیادہ ثواب کا عقیدہ رکھ لیا تو وہ سارا عمل ایک شمار ہو گا۔ ذاتِ شئ اور وصفِ شئ میں فرق نہیں کیا جائے گا ـــ اور یہ بات کسی صاحبِ علم سے مخفی نہیں کہ جائز اور ناجائز کا مرکب ناجائز ہی ہوتا ہے۔ حلال اور حرام کا محلول حرام ہی ٹھہرے گا۔

---

[۱] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صد ۶۰۸

6

6

کسی میں بعض باتیں ایمان کی ہوں اور بعض کفر کی تو اسے کافر ہی سمجھا جائے گا، یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ ساٹھ فیصد مسلمان ہے اور چالیس فیصد کافر — سو جو چند سنتوں پر عمل کرے اور چند بدعتوں پر بھی عمل پیرا ہو تو اسے بدعتی ہی کہیں گے سُنی نہ کہیں گے — مرکب لایجوز اور یجوز لایجوز ہی ہوتا ہے۔

احداث ذات اور وصف دونوں میں ہوتا ہے

بریلوی احداث کو صرف ذات میں محدود کرتے ہیں اسے مطلق نہیں سمجھتے اسے وصف تک عام نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ مطلق ہے احداث ذاتِ شئ کا ہو یا وصفِ شئ کا۔ یہ لفظ دونوں کو عام ہے — اذان اپنی ذات میں احداث نہیں قبرستان میں دفن سے پہلے بطور عادت اذان دینا احداث ہے۔ بریلوی اسے بدعت نہ کہیں گے کیونکہ اذان اپنی ذات میں ثابت ہے۔ لیکن اہلِ سنت اسے بھی احداث میں داخل کریں گے۔ جو چیز وصفِ شئ میں کوئی تبدیلی لائے اور کوئی اسے نیکی سمجھے تو اس نے دین میں ایک نئی ایجاد کی۔

ماليس منه میں بھی ما عام ہے جو ذاتِ شئ اور وصفِ شئ دونوں کو شامل ہے اہلِ بدعت اس کے عموم کو بڑی بے دردی سے توڑتے ہیں اور یہ شریعت میں ایک تغیر پیدا کرنا ہے۔ مولوی عبدالسمیع رامپوری نے یہ راہ اپنی طرف سے نکالی ہے:۔

> اس نئی بات نکالی ہوئی کا مردود ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مخالف ہو کتاب وسنت کے — بس یہی ہم نے دعویٰ کیا ہے۔[1]

یہاں مخالف ہونے سے مولوی صاحب کی مراد یہ ہے کہ اس کے خلاف کتاب وسنت کا حکم موجود ہو۔ مثلاً یہ کہ کوئی حدیث ہو کہ قبرستان میں دفن سے پہلے اذان نہ دی جائے۔

---

[1] انوارِ ساطعہ ص۴۴

تب یہ قبرستان کی اذان بدعت ٹھہرے گی ورنہ یہ دفن کے وقت اذان دینا بدعت نہ ہوگا کیونکہ اس کے مخالف کوئی آیت یا حدیث موجود نہیں ہے۔ بریلوی علماء عام کہتے ملیں گے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔

اگر یہ لوگ یہاں مخالف سے اس کا کتاب وسنت میں موجود نہ ہونا مراد لیتے جو لفظ غیر کا تقاضا تھا تو بے شک یہ لوگ بدعت سے بچ جاتے۔ لیکن انہوں نے مخالف ہونے سے مراد اپنی ایک من گھڑت مراد لے لی کہ کتاب وسنت میں اصلاً یا فرعاً اس سے روکا نہ گیا ہو۔ حالانکہ حدیث میں تصریح موجود تھی کہ یہاں حدیث سے مراد غیر امر منقول ہے۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ قال ابن عیسیٰ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صنع امرًا علیٰ غیر امرنا فھو ردّ۔[۲]

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں وہ کام کیا جو ہمارے کام کے علاوہ ہو (کتاب وسنت میں مذکور نہ ہو) تو وہ عمل مردود ٹھہرے گا۔

بریلوی لوگ اگر یہاں لفظ مخالف کو بھی عام رکھتے کہ یہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف ہو نہ اس کے علاوہ ہو تو وہ ہرگز اس دلدل میں نہ گھرتے کہ یہاں گرتے تو کئی دیکھے گئے لیکن اس سے نکلنے کی توفیق کسی خوش نصیب کو ہی ملی ہے۔

جو عمل کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو اس کا حکم

جو عمل کتاب وسنت کے کہیں خلاف نہ ہو اور کتاب وسنت میں کہیں ماذون بھی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کرنے کی اجازت سمجھی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے اس کا حکم کتاب وسنت کی رو سے کیا ہوگا اس کا حکم دریافت کیا جانا ضروری ہے، کیونکہ ہم دین میں

---

[۲] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۷۹

کتاب و سنت کو ہی ضابطہ حیات سمجھتے ہیں. فقہاء ایسے اعمال کو مباح کا درجہ دیتے ہیں جو نہ کتاب و سنت میں ممنوع ہو نہ ماذون.

یہاں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ اس مباح پر عمل اسے نیکی سمجھ کر کیا جائے گا یا صرف بایں عقیدہ کہ اس میں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہ ہو گا. اگر اسے ایک نیکی سمجھ کر کیا جائے گا تو یہ مباح نہ رہا مستحب ہو گیا اور ظاہر ہے کہ کسی عمل کو مستحب کا درجہ دینا کتاب و سنت سے ہی ہو سکتا ہے اپنے خیال سے نہیں نہ اسے اسی بنیاد پر اختیار کیا جا سکتا ہے کہ شریعت نے کہیں اس سے منع تو نہیں کیا.

اگر ہم نے مباح کو سنّت یا مستحب ٹھہرایا تو یہ یقیناً شریعت میں ایک عمل کے وصف کو بدلنا ہے مباح کو مستحب یا سنّت کے درجہ میں لانا ہے اور یہ من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ کی زد میں آئے گا اور یہی احداث ہے جس کو حدیث مردود ٹھہراتی ہے —— مباح کے ساتھ سنّت کا سا معاملہ کرنا یا شریعت کے کسی مطلق حکم کو اپنی طرف سے مقید کرنا یا کسی مقید کو مطلق کرنا یہ سب شریعت میں اپنا دخل دینا ہے جو کسی کے لیے جائز نہیں.

کیا ہم کسی دوسرے مذہب سے تشبہ کی زد میں تو نہیں آرہے

اگر ہم کوئی ایسا عمل اختیار کریں جو کتاب و سنّت میں نہ ممنوع ہو نہ ماذون اور ہم اس پر اسے مباح سمجھ کر عمل کریں تو اگر اس کی کسی بات میں کسی دوسرے مذہب سے مشابہت ٹھہرے تو اب وہ عمل مباح بھی نہ ٹھہرے گا ممنوع کے دائرہ میں آجائے گا کیونکہ شریعت نے ہمیں دوسری قوموں کے امتیازی کاموں میں (ان کے شعائر میں) ان کی مشابہت سے روکا ہے اب یہ تشبہ اسے مالیس منہ میں داخل کر دے گا. اب یہ عمل مباح درجے میں نہ رہا. چہ جائیکہ اسے مستحب ٹھہرایا جائے اور شیعوں کے جلوس تعزیت کی طرح بارہ وفات کے جلوس نکالے جائیں.

کسی عمل کو مستحب یا واجب سمجھنے میں عوام کی سمجھ کا اعتبار ہوگا

جن لوگوں میں وہ عمل چل نکلے جو کتاب و سنت کی رو سے صرف مباح تھا (نہ اس کا حکم تھا اور نہ اس سے منع کیا گیا تھا) اور وہ اسے ضروری سمجھنے لگیں بلکہ جو نہ کرے اسے گنہگار سمجھیں تو یہ مباح کو واجب کے درجہ میں لے جانا قرار دیا جائے گا اور اس میں عوام کی سمجھ کا اعتبار ہوگا کہ وہ اسے کیا سمجھتے ہیں یہ نہیں کہ ان کے ترجمان ان کے علماء بنیں عمومی قدریں عوامی حلقوں سے معلوم ہوتی ہیں. کسی عمل کو اپنے درجہ سے اوپر لے جانا دین میں ایک نئی بات پیدا کرنا ہے گو ذاتاً نہ سہی کسی عمل کی ہیئت بدلنے سے ہو.

جس چیز کا کتاب و سنت میں حکم نہیں دیا گیا اسے کتاب و سنت کی رو سے ضروری سمجھنا کیا کتاب و سنت پر ایک افترا نہیں؟ یہ دین میں احداث ہے اور کتاب و سنت کے حکم کو (کہ یہ عمل مباح ہے) اس کے درجہ سے بدلنا ہے یہاں نفسِ عمل کو نہیں دیکھا جائے گا اسے جو درجہ دیا جا رہا ہے اسے بھی ساتھ دیکھا جائے گا. بدعت صرف ذاتِ شئی کی ایجاد سے نہیں بنتی وصفِ شئی بدلنے سے بھی حکم بدل جاتا ہے اور انسان بدعت کی دلدل میں جا گرتا ہے. مالیس منہ کے عموم میں جس طرح وہ چیز آتی ہے جو ذاتاً پہلے نہ تھی وہ بھی آتی ہے جو وصفاً پہلے نہ تھی گو اپنی ذات میں پہلے موجود تھی مگر اس ہیئت اور درجے میں نہ تھی اس پر عمل کرنے والے گو عوام ہیں مگر اسے واجب اور لازم کا درجہ دے رہے ہوں علماء کے کہنے سے کہ گیارہویں صرف ایک مباح عمل ہے (کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا) اسے عوام ہی مستحب اور سنت کے پیرایہ میں رائج نہیں رکھا جا سکتا وہ اسے ایک کارِ خیر سمجھتے ہیں صرف مباح نہیں سمجھتے.

کسی عمل کو کارِ خیر سمجھنا شریعت کا حق ہے یہ حق عوام کو نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اسے اس

طرح سجالائیں کہ یہ ان کے ہاں فرض اور واجب سے بھی بڑھ جائے۔

کسی مستحب کو واجب کے درجے میں لے جانا جائز نہیں

مباح سنّت واجب اور فرض یہ سب شرعی درجات ہیں. کسی چیز کے مستحب سنّت اور واجب ہونے کا پتہ آپ کو شریعت سے ہی ملے گا. کتاب وسنّت ہی اصل ماخذ علم ہیں. اسی طرح مکروہ اور حرام ہونا بھی شرعی درجہ کے حکم ہیں. البتہ مباح وہ چیز ہے جو نہ کتاب وسنّت میں ماذون ہے نہ ممنوع ـــ اس پر عمل کرے تو کوئی ثواب نہیں اسے ترک کر دے تو کوئی گناہ نہیں. اسے نیکی سمجھ کر عمل میں نہیں لایا جاتا. اسے صرف ایک جائز عمل سمجھ کر کیا جاتا ہے. مباح اور مستحب میں ہی جوہری فرق ہے. کسی شخص کا جاپان جانا مباح ہے مگر اسے کارِ ثواب سمجھ کر کوئی نہیں کرتا.

مستحب کو اصرار سے واجب کے درجہ میں لانا اور پھر اسے حق وباطل کا نشان بنانا یہ غلط ہے اور ایک شیطانی قدم ہے صحابہؓ کے ہاں اسے اضلال شیطان کہا جاتا تھا جب امر مستحب کو جس کی اصل شریعت میں موجود ہوتی ہے اپنے درجہ سے اوپر نہیں ٹھہرایا جا سکتا تو امر مباح کو جس کی شرع میں سرے سے کوئی اصل نہیں واجب اور لازم کے درجہ میں لے آنا کیسے درست سمجھا جا سکتا ہے.

ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک امر مستحب تھا اور یہ ہر مردِ مومن کے دل میں بستا ہے. لیکن ساتویں صدی ہجری میں اسے ایک امر اجتماعی کی شکل دی گئی اور اسے ایک بادشاہ نے ایک جشن کے طور پر منایا. عمرو بن دحیہ کے سوا کسی عالم نے اس کا ساتھ نہ دیا. آٹھویں صدی کے علماء کھل کر اس مسئلہ کو سامنے لائے کہ کسی مباح یا مندوب کو اس کے درجہ سے اوپر نہیں لایا جا سکتا اور امت کے کسی عالم کو ایسا کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا.

کسی جائز عمل کو اپنے درجہ سے اُوپر کے درجہ میں لے آنا

ہم یہاں علامہ ابراہیم حلبی (۹۵۶ھ) علامہ طیبی (۷۴۳ھ) نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اور دسویں صدی کے علامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) علامہ طاہر فتنی (۹۸۶ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کی چھ شہادتیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ یہ سب حضرات اس پر قاطبۃً متفق رہے ہے کہ شریعت کے کسی حکم کو اپنے درجہ سے اوپر نہیں لایا جا سکتا۔

۱۔ حضرت علامہ حلبی لکھتے ہیں:-

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجہال یعتقدونہ سنۃ او واجبۃ وکل مباح یؤدی الیہ فمکروہ[1]

ترجمہ۔ اور جو نمازوں کے بعد (ذکر بالجہر) کیا جاتا ہے یہ مکروہ ہے عوام اسے سنّت یا واجب سمجھنے لگے ہیں اور ہر مباح جو اس طرف لے جائے مباح نہ رہے گا مکروہ ہو جائے گا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ کسی عمل کو اپنے درجہ سے اُوپر لے جانے میں عوام کی سمجھ کا اعتبار ہو گا خواص کی بات کا نہیں۔

۲۔ علامہ طیبی لکھتے ہیں:-

ان من اصر علیٰ امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علیٰ بدعۃ و منکر وجاء فی حدیث ابن مسعودؓ ان اللہ عزوجل یحب ان تؤتی

---

[1] غنیۃ المتملی صـ۶۱۸

رخصہ کما یحب ان توتی عزائمہ۔[1]

ترجمہ: جس نے کسی مستحب کام کو بہت اہتمام سے کیا اور اسے عزمیت جانا اور اس کے رخصت کے پہلو کو کبھی نہ لیا تو شیطان اسے بچلانے میں کامیاب ہو گیا اس کا حال کیا ہوگا جو کسی بدعت اور منکر پر اس طرح اڑا رہا — حضرت عبداللہ بن مسعود رض کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے کہ اس کی دی رخصتوں پر بھی عمل ہو جیسا کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے عزمیت ٹھہرائے اعمال عمل میں لائے جائیں۔

۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-

قال ابن المنیر ان المندوبات قد تنقلب مکروھات اذا رفعت عن مرتبتھا لان التیامن مستحب فی کل شیٔ من امور العبادۃ لکن لما خشی ابن مسعود رض ان یعتقدوا وجوبہ اشار الی کراھیتہ۔[2]

ترجمہ: مندوبات کبھی مکروہات بن جاتے ہیں۔ کب؟ جب انہیں ان کے مرتبہ سے اٹھایا جائے۔ عبادت کی ہر بات میں دائیں امر کو اختیار کرنا مستحب تھا لیکن جب حضرت عبداللہ بن مسعود رض کو اندیشہ ہوا کہ لوگ دائیں طرف مڑنے کو واجب سمجھنے لگیں گے انہوں نے اس کے مکروہ ہونے کی بات کہہ دی۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایسے امور میں عوام کی سمجھ کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ اسے کیا سمجھتے ہیں خواص کے کہنے سے بات نہیں بنتی۔

۴۔ علامہ ابن نجیم (ابوحنیفۃ الثانی) بھی یہی کہتے ہیں :-

ویلزم ان ما تردد بین بدعۃ وواجب اصطلاحی فانہ یترک کالسنۃ۔[3]

ترجمہ: جب کسی مسئلے میں بدعت اور واجب شرعی ہونے کا اختلاف ہو تو

---

[1] مرقات جلد ۲ صد ۳۵۳ نقلاً عن الطیبی [2] فتح الباری جلد ۲ صد ۲۸۱ [3] البحر الرائق جلد ۲ صد ۶۵

ضروری ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے جیسا کہ سنت کے باب میں یہ حل اختیار کیا گیا تھا۔

۵۔ علامہ طاہر فتنی بھی کہتے ہیں :۔

واستنبط منه ان المندوب ینقلب مکروها اذا خیف ان یرفع عن مرتبته۔[۱]

ترجمہ۔ اس سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ مستحب بھی کبھی مکروہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ کب؟ جب اندیشہ ہو کہ اسے اس کے مقام سے اٹھا کر رکھا جائے گا۔

۶۔ محدث کبیر ملا علی قاری بھی کہتے ہیں :۔

والبدعة ولو کانت مستحسنة لا یترتب علیٰ ترکها شئ من ذلك۔[۲]

ترجمہ۔ بدعت حسنہ ہو تو اس کے ترک پر کوئی مواخذہ مرتب نہ ہوگا۔

سنت اور واجب کے ترک پر مواخذہ یقیناً ہوتا ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ کسی مباح کو سنت اور واجب کے درجہ میں نہیں لے جایا جا سکتا اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ اس میں عوام کی سمجھ کا اعتبار کیا جائے گا کہ وہ اسے کسی درجہ میں لینے لگے ہیں۔ اب ساتویں شہادت علامہ شامی کی بھی لے لیجئے۔ آپ کہتے ہیں :۔

اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترك السنة راجحًا علیٰ فعل بدعة۔[۳]

ترجمہ جب اس میں تردد ہو کہ یہ عمل سنت ہے یا بدعت تو ترکِ سنت کو ارتکاب بدعت پر راجح کیا جائے گا۔

یعنی یہاں ترک سنت پر وہ مواخذہ نہ ہوگا جو بدعت کو اختیار کرنے پر ہوگا سو احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے مواقع پر اس عمل کو چھوڑ دیا جائے جس کے بدعت ہونے کا کچھ بھی احتمال ہے بدعت کا وبال اتنا بڑا بوجھ ہے کہ اس سے بچنا ہی چاہیئے گو اس کے لیے کسی زیر تردد سنت کو چھوڑنا پڑے۔ اہل السنة والجماعة کا یہ مسلک علامہ شامی کے اس فتویٰ سے آپ کے سامنے آگیا ہے۔

---

[۱] مجمع البحار جلد ۲ صـ ۲۴۴ [۲] مرقات جلد ۱ صـ ۲۵۷ [۳] رد المحتار جلد ۱ صـ ۶

دورِ اوّل کے تروک بھی ان کے نہ کرنے کی سند ہیں

اگر یہ بات واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا تو اب ان کے اس نہ کرنے سے بھی اس کے انکار پر سند لانا جائز ہوگا. شریعت میں جس طرح مسلمانوں کے لیے اس وقت کے اعمال سند بنائے گئے دورِ اوّل کے تروک بھی سند سمجھے جائیں گے. دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی القاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں :-

والمتابعة کما تکون فی الفعل تکون فی الترك ایضًا فمن واظب علی فعل لم یفعله الشارع فهو مبتدع [1]

ترجمہ. اور پیروی جس طرح کسی کام کے کرنے میں ہوتی ہے اسی طرح کسی کام کے نہ کیے جانے میں بھی پیروی ہوتی ہے سو جو شخص کسی کام کو اہتمام سے کرے اور حضورؐ نے ایسا نہ کیا ہو تو وہ بدعتی ہے.

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

قال الامام الشاطبی الفعل منه صلی اللہ علیه وسلم دلیل علی مطلق الاذن فیه مالم یدل دلیل علی غیره من قول او قرینة حال او غیرهما و اما الترك فمحله فی الاصل غیر الماذون فیه وهو المکروه والممنوع فترکه علیه الصلوٰة والسلام دال علی مرجوحیة الفعل وهو اما مطلقًا واما فی حال [2]

ترجمہ. امام شاطبیؒ کہتے ہیں آنحضرتؐ کا کسی کام کو کرنا اس کے مطلق جائز ہونے کی دلیل ہے جب تک کہ اس کے سوا کسی دوسری بات پر آپ کے قول، قرینہ حال یا کسی اور پیرائے سے دلیل وارد نہ ہو لیکن آپ کا کسی کام کو نہ کرنا یہ اصل میں اس کے جائز نہ ہونے کے محل میں ہے اور وہ مکروہ اور ممنوع ٹھہرے گا آپ کا اسے نہ کرنا بتلاتا ہے کہ اس

---

[1] مرقات جلد ۱ صـ۴۱ [2] فتح الملہم جلد ۱ صـ۲۵

کا نہ ہونا بہتر ہے یہ مطلقاً ناجائز ہو یا کسی موقع پر جائز ہو بات وہی ہے۔

دورِ اوّل کے ترک سے منع پر استدلال

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات نماز (تہجد اور وتر) پڑھتے رہتے پو پھٹنے پر آپ صبح کی دو سنتوں سے سوا کچھ نہ پڑھتے تھے۔ آپ کو نفل نماز کا بہت شوق رہتا تھا لیکن اس خاص وقت میں آپ نے کوئی اور نفل نماز نہ پڑھی۔ فقہائے احناف نے آپ کے اس نہ پڑھنے سے پڑھنے کے منع ہونے پر استدلال کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔

ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیھما مع حرصہ علی الصلوٰۃ۔[1]

ترجمہ: فجر ہو جائے تو صرف دو سنتیں ہیں اس وقت اور نفل نماز مکروہ ہے کیونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سنتوں کے سوا اور کچھ نہیں پڑھا حالانکہ آپ کو نماز پڑھنا کتنا مرغوب تھا۔

یہ حنفی فقہ کا حضورؐ کے ایک عمل نہ کرنے سے استدلال ہے اور بات بڑی واضح ہے۔

(۲) عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے کتنا کھلا وقت ہوتا ہے اس میں نفل نماز سے اس لیے روکا گیا کہ آنحضرتؐ نے ایسا نہیں کیا سو آپ کا اسے ترک کرنا اس کے منع ہونے پر دلیل ہو گیا۔

ولا یتنفل فی المصلّٰی قبل صلوٰۃ العید لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یفعل ذٰلک مع حرصہ علی الصلوٰۃ۔[2]

ترجمہ: اور نماز عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے کبھی ایسا نہ کیا حالانکہ آپ کو نماز پڑھنا بہت مرغوب تھا۔

کچھ لوگوں نے رجب کی ایک خاص نماز صلوٰۃ الرغائب کے نام سے وضع کر لی فقہاء احناف نے

---

[1] ہدایہ جلد ۱ ص ۵۳ [2] ایضاً ص ۱۱۸

ان بدعتیوں کو اسی اصول پر اس بدعت سے منع کیا۔ علامہ ابراہیم حلبی (۹۵۶) شرح منیہ میں لکھتے ہیں:-

ان الصحابة والتابعین ومن بعدهم من الائمة المجتهدین لم ینقل عنهم هاتان الصلوتان۔[1]

ترجمہ۔ صحابہؓ تابعین اور ان کے بعد جو ائمہ مجتہد آئے ان میں سے کسی سے یہ دو نمازیں منقول نہیں ہوئیں۔

ابو محمد المقدسی سے علامہ طرطوشی نے نقل کیا:-

لم یکن عندنا ببیت المقدس صلوٰة الرغائب هذه التی تصلی فی رجب و شعبان واوّل ما احدثت فی سنة ثمان واربعین واربع مائة۔[2]

ترجمہ۔ ہمارے ہاں بیت المقدس میں صلوٰۃ الرغائب پڑھی نہ جاتی تھی جو رجب اور شعبان میں پڑھی جاتی ہے ۴۴۸ھ میں یہ سب سے پہلے پڑھی گئی۔

اب سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد کی بات بھی سن لیں۔ فقہائے احناف نے مل کر چار قل پڑھنے سے اس لیے روکا ہے کہ صحابہؓ و تابعین سے ان کا اس طرح پڑھنا ثابت نہیں تھا۔ فتاویٰ عالمگیری میں اسی ترک پر اس کے منع کی بنیاد رکھی ہے:-

قرأة الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروهة لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعین رضی الله عنهم۔[2]

ترجمہ۔ سورۃ کافرون کو آخر کے تین قل سے ملا کر اکٹھے چار قل پڑھنا جائز نہیں یہ بدعت ہے صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے کسی سے اس طرح پڑھنا ثابت نہیں۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں فقہ حنفی میں ملیں گی کہ جس پر عمل کرتے پہلے دور کے لوگوں کو نہیں پایا گیا اسے ہرگز اباحت عام کے تحت مباح نہ ٹھہرایا جائے۔ اہل بدعت کے اس خانہ اصول میں کہ جس چیز پر منع وارد نہیں اسے نیکی سمجھ کر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہرگز کوئی جان نہیں ہے یہ معتزلہ کا اصول

---

[1] غنیۃ المستملی ص۴۳۳ [2] فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص۳۱۷

ہے کہ اشیاء میں ہر جگہ اباحت رکھی جائے جب تک کہ اس کے لیے منع کا ثبوت نہ ہو۔

دین خدا سے ملتا ہے یا اباحت سے بنتا ہے؟

دین خدا سے ملتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے پیغمبروں پر کھولتے ہیں وہ جو آگے بات کہتے ہیں سب خدا کی طرف سے سمجھی جاتی ہے شریعت اباحت عام سے نہیں بنتی کہ جس چیز کے لیے منع کا ثبوت نہ ہو اسے دین میں داخل کرتے جائیں اور لوگ اسے کار خیر سمجھ کر عمل میں لاتے رہیں ایسا ہرگز نہیں یہ تو مشرکین کا عمل تھا۔ اباحت پرستوں نے اپنے معبودوں کو یونہی خدا کے ساتھ شریک کر لیا ہے۔

ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یأذن بہ اللہ۔ (پ ۲۵ الشوریٰ ۲۱)

ترجمہ۔ کیا ان کے کچھ اور شریک (خداوندی) ہیں جنہیں انہوں نے اپنے لیے دین ٹھہرالیا ہے جس کی خدا نے تو انہیں اسکی اجازت نہیں دی۔

معلوم ہوا دین ہے ہی وہ جو خدا سے آیا ہو جو چیز اس طرح Reported affair نہیں وہ اس بناپر دین نہیں بن سکتی کہ اس کی کہیں ممانعت تو نہیں ہے کیا ان بدعات کو ان شرکاء نے دین ٹھہرا رکھا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ ان پر اصل عذاب موت کے بعد ہوگا کہ ان خدا کے حکم کے بغیر شریعت بنانے والوں پر اسی بات سے عذاب اتر آتا ہے کہ کس طرح اپنی خواہشات سے یہ نیا دین بنارہے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

ان الاصل فی العبادات التوقیف فلا یشرع منہا الا ما شرعہ اللہ والا دخلنا فی معنی قولہ تعالیٰ ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ[1]

(پ ۲۵ الشوریٰ ۲۱)

ترجمہ۔ عبادات میں اصل اس کا شرع میں ثابت ہونا ہے سو اس میں کوئی چیز جائز

---

[1] فتاوےٰ ابن تیمیہ جلد ص

نہ ہو مگر وہی جسے اللہ تعالیٰ نے جائز ٹھہرایا ہو ایسا نہ کریں تو ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں داخل ہوں گے "کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ راہ ڈالی انہوں نے ان کے لیے دین کی وہ جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔

ہر ایک کے لیے شریعت اور نیکی کی راہ خدا کی طرف سے قائم ہوئی ہے یہ کسی کے اپنے قاعدہ اباحت سے نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

لکلٍ جعلنا منکم شریعة ومنهاجا۔ (پ المائدہ ۴۸)

ترجمہ تم میں سے ہر ایک لیے ہم نے ایک طریقہ اور ایک منہاج قائم کیا ہے۔

افسوس کہ بریلوی پھر یہیں تک محدود نہ رہے ان کے ہاں آگے جا کر یہ اعمال صرف جائز کی حدود میں مباح نہ رہے مستحب قرار دیئے گئے اور کار ثواب بن گئے۔

بدعات کا اسلام میں کیا حکم ہے؟

اسلام میں بدعت کی کچھ گنجائش نہیں ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں لے جانے والی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عمل مردود فرمایا ہے اب آپ ہی سوچیں کیا اس عمل مردود کے علمبردار ملنگ آخرت میں مردود نہ ٹھہریں گے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ [۱]

جس شخص نے بھی ہمارے اس دین میں نئی بات پیدا کی وہ بات مردود ہے۔

معلوم ہوا جو نئی بات دین میں پیدا نہیں کی گئی جیسے بجلی کے پنکھے اور گھڑیاں وغیرہ یہ چیزیں ہرگز مردود نہیں ہیں کیونکہ یہ دین میں پیدا کی گئی چیزیں نہیں ہیں۔ دنیوی ضرورت کی ایجادات ہیں۔ اور یہ ہر دور میں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تمدن کا ارتقاء ہے۔ مسائل ہیں کوئی اضافہ نہیں۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷۱ جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۲

کاتخاذ المناخل للدقیق ففی الآثار اول شیء احدثہ الناس بعد رسول اللہ

اتخاذ المناخل [۱]

ترجمہ جیسے آٹا چھاننے کی چھاننیاں آثار سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد جو نیا عمل سامنے آیا وہ چھاننیوں کا استعمال تھا۔

جن چیزوں کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے ان میں بدعت کی کوئی راہ نہیں۔ بدعت تعبدی

امور میں قائم ہوتی ہے۔

ان العادیات من حیث ھی عادیۃ لا بدعۃ فیہا و من حیث یتعبد بہا او

توضع .... وضع التعبد تدخلہا البدعۃ۔ [۲]

ترجمہ۔ عادت میں اختیار کی جانے والی چیزیں بایں طور کہ وہ عادت کی چیزیں ہیں ان

میں کوئی بدعت نہیں کہ وہ تعبدی کا کام ہو تعبدی پہلو داخل کیا جائے تو یہ بھی بدعت میں آجائے گی

ہمارے ذہن میں جو ارتقار الیوم اکملت لکم دینکم کے نازل ہونے کے دن ہوا اس سے

اوپر ہمارے لیے کوئی نقطہ ارتقار نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا۔

من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراھا حسنۃ فقد زعم ان محمداً صلی اللہ علیہ

وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ فما

لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا۔ [۳]

ترجمہ جس نے اسلام میں کوئی بدعت قائم کی اور اسے وہ حسنہ سمجھتا رہا اس نے

گویا یہ گمان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) اللہ کا دین لوگوں

تک پہنچانے میں خیانت کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے لیے

تمہارا دین مکمل کر دیا۔ سو جو چیز اُس دن (جب دین مکمل ہُوا) دین نہ تھی

آج بھی دین نہیں بن سکتی۔

---

[۱] الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ [۲] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ وسر علیہ فی ۲۶۸ [۳] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۷

کیا بدعت گناہ ہے؟ ہرگز نہیں

گناہ عمل کو کہتے ہیں بدعت صرف ایک عمل نہیں اس کے پیچھے اعتقاد کام کرتا ہے بدعتی وہ کام کرتے ہوئے اسے دین سمجھتا ہے اسے ایک وقتی لذت نہیں سمجھتا بخلاف گنہگار کے کہ وہ گناہ کرتے ہوئے اسے محض ایک وقتی لذت سمجھتا ہے سو اس اعتبار سے بدعت کوئی گناہ نہیں اس کا درجہ گناہ سے کچھ اوپر اور کفر سے کچھ نیچے ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (۷۲۵ھ) چشتی سلسلہ کے ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

بدعت از معصیت بالاتر است و کفر از بدعت بالاتر۔ بدعت بہ کفر نزدیک است۔[1]

ترجمہ۔ بدعت گناہ سے زیادہ بڑی چیز ہے اور کفر بدعت سے بھی اگلے درجے میں ہے بدعت کفر کے بہت قریب ہے۔

البتہ اثر کے لحاظ سے یہ کفر سے بھی زیادہ خطرناک منزل ہے۔ حضرت امام رازی لکھتے ہیں:۔

ضرر فساد مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافر است۔[2]

ترجمہ۔ بدعتی کے عمل کا ضرر کافر کی صحبت کے اثر سے زیادہ برا ہے۔

بدعتی حضورؐ کی شفاعت سے محروم رہے گا

روی انہ علیہ السلام قال حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعۃ۔[3]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے میری شفاعت میری امت کے لیے ہو گی مگر بدعتی میری شفاعت کا مورد نہ ہو سکے گا۔

شفاعت کی روایات میں آپ کے امتیوں کو اس کا حقدار بتایا گیا ہے اور بدعتی بوجہ اپنی بدعات کے امت اجابت نہیں رہتا۔ کما فی المرقاۃ۔

---

[1] فوائد الفوائد ص ۱۰۱ [2] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۴ [3] الاعتصام جلد ۱ ص ۸۹

بدعتی کیا حضورؐ کی اُمت میں داخل رہتا ہے یا وہ اُمت سے نکل چکا

یہ صحیح ہے کہ بدعت فی الاعمال کا مرتکب اہل قبلہ سے نہیں نکلتا اور اس پر حکم کفر نہیں آتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت سے نکل جاتا ہے امت اجابت میں وہی رہتا ہے جو حضورؐ کی متابعت میں رہے بدعت پر چلنے والا حضور کا تابع اور غلام کیسے رہا۔ بدعت سنت کے حکم میں نہیں آتی اور بدعتی اہل سنت میں سے نہیں رہتا۔ دسویں صدی کے محدث کبیر ملا علی القاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

ففی التنقیح المبتدع لیس من الامۃ علی الاطلاق قال فی التوضیح المراد بالامۃ المطلقۃ اھل السنۃ والجماعۃ وھم الذین طریقتھم کطریقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ رضی اللہ عنھم دون اھل البدع قال صاحب التلویح لان المبتدع وان کان من اھل القبلۃ فھو من امۃ الدعوۃ دون المتابعۃ کالکفار۔[1]

ترجمہ۔ تنقیح میں ہے مبتدع علی الاطلاق حضورؐ کی امت میں سے نہیں۔ توضیح میں ہے امت سے علی الاطلاق مراد اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور وہ، وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق ہے اور یہ راہ اہل بدعت کی نہیں صاحب تلویح کہتے ہیں مبتدع اگرچہ اہل قبلہ میں سے ہے وہ امت دعوۃ میں سے ہے امت اجابت میں نہیں امت دعوت میں تو کافر بھی آجاتے ہیں۔

بدعت اور بدعتی میں فرق

گناہ اور گناہگار میں فرق ہے مرض اور مریض میں فرق ہے۔ مرض سے نفرت چاہیئے مریض

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۴۶۵

سے نہیں ورنہ اس کا علاج کیسے ہو سکے گا۔ بدعت اور بدعتی میں کوئی فرق نہیں جتنی نفرت بدعت سے کرو اتنی نفرت بدعتی سے بھی چاہیئے۔ سرکار بغداد حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) بدعتی کو اس درجہ بُرا سمجھتے تھے کہ اس کے بارے میں دس نصیحتیں فرمائیں :۔

① اس سے ملنا جُلنا نہ رکھو۔ ⑥ اس کے جنازے میں شرکت نہ کرو۔
② اس کو از خود سلام نہ کرو۔ ⑦ اس سے ناراضگی رکھو۔
③ اس کے پاس نہ بیٹھو۔ ⑧ اس کو پناہ نہ دو۔
④ اس کے پاس نہ جاؤ۔ ⑨ شفقت کا کلمہ اس کے حق میں کہو۔
⑤ عید پر اسے مبارک باد نہ کہو۔ ⑩ اُسے رستہ میں دیکھو تو وہ راہ چھوڑ دو۔

یہ حاصل ہے آپ کی ان نصیحتوں کا جو آپ نے غنیۃ الطالبین ص۱۴۲ اور ص۱۴۳ پر لکھی ہیں ان کے مریض کی عیادت نہ کی جائے مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت نہ کی جائے۔[1]

بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی

گنہگار کو گناہ سے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے مگر بدعتی کو بہت کم توبہ نصیب ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ گنہگار اسے گناہ سمجھ کر عمل میں لاتا رہا۔ گناہ کی ایک لذت تھی جس کی وجہ سے وہ اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا لیکن ذہن میں وہ اسے بُرا سمجھتا تھا۔۔ اس کے برعکس بدعتی بدعت کو کارِ خیر سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے اس سے توبہ کا تصور بھی کبھی اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔ یہ وہ پس منظر ہے جس سے بدعتی کو بہت کم توبہ نصیب ہوتی ہے۔

ان اللہ حجر التوبہ علیٰ کل صاحب بدعۃ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب بدعت کو توبہ سے روک رکھا ہے۔
(اسے یہ توفیق نہ ہوگی)

---

[1] الاعتصام جلد ۱ ص۱۲۷

بدعت کے سمجھنے کے پانچ مبادی

بدعت کی تعریف سے پہلے یہ پانچ امور ذہن میں رہیں تاکہ صحیح بات تک پہنچنے میں ہم خطائی الفکر اور غلط مبحث سے بچ سکیں۔

① بدعت کی یہ بحث تخاطب شرعی میں ہے۔ یہ لفظ اگر کہیں تخاطب لغوی میں استعمال ہوا ہو یا تخاطب عرفی میں، تو اس سے ہمیں بچ کر نکلنا ہوگا۔

② بدعت کا لفظ کس کے بالمقابل ہے؟ الاشیاء تعرف باضدادھا۔ یہ سنت کے بالمقابل ہے اور سنت سے مراد حضرت خاتم النبیینؐ اور خلفائے راشدینؓ کی سنت ہے۔

③ بدعت کا موضوع تعبدی امور ہیں یعنی وہ کام جو نیکی سمجھ کر کئے جاتے ہیں دنیوی ایجادات اس کا موضوع نہیں۔ جو انسان اپنی سہولت کے لیے بناتا اور استعمال کرتا ہے۔

④ بدعت کی حد صحابہؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ ان کے اپنے عمل ہمارے لیے آفتاب رسالت کی ہی روشنی ہیں۔ ہر وہ کام جسے صحابہ کرامؓ نے نیکی نہیں سمجھا وہ نیکی نہیں ہو سکتا۔

⑤ بدعت کا تعلق مسائل سے ہے ذرائع سے نہیں۔ مسائل کے لیے نئے ذرائع حاصل ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم صحیح پڑھنا دین کا مسئلہ ہے۔ عجمی لوگ قرآن کریم صحیح پڑھ سکیں ان کے لیے قرآن کے الفاظ پر زیر یں زبریں لگانا مسائل میں سے نہیں ذرائع میں سے ہے۔ مدارس کا موجودہ نظام کلاسوں کی ترتیب یہ سب دینی تعلیم کے ذرائع میں سے ہیں خود مسائل نہیں۔

ان پانچ مباحث سے نکھر کر جو چیز بدعت ٹھہرے گی وہ بدعت شرعیہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ یہ واقعی دین میں ایک اضافہ ہے اور مسلمانوں کے ذمہ ہے ہر ایسے عمل کو مردود ٹھہرائیں اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے:

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ۔ او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم

ما لیس منہ — جو اس میں سے نہیں — دین میں سے نہیں — کے الفاظ توجہ طلب

ہیں یعنی گو وہ کام اس شکل میں شریعت میں موجود نہ ہو۔ لیکن اس کی اصل دین میں موجود ہو اور یہ کام اس سے مستنبط ہو یہ اس صورت میں بدعت شمار نہ ہوگا۔ بدعت شرعیہ وہ ہے جس کے لیے کتاب وسنت میں نہ کوئی دلیل ہو نہ کوئی نظیر ہو جس عمل کا ماخذ (نظیر بالمعنی الاعم) شریعت میں موجود ہو وہ بدعت نہیں[1] اور مجتہد کے لیے اس سے استنباط جائز ہے۔ علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں :۔

لیس من شان العلماء اطلاق لفظ البدعۃ علی الفروع المستنبطۃ التی لو تکن فی ماسلف وان دقت مسائلہا۔[2]

ترجمہ۔ علماء کو نہ چاہیئے کہ وہ فقہی فروع کو جو کتاب وسنت سے مستفاد ہوں اور پہلے سے موجود نہ ہوں گو کتنی دقیق کیوں نہ ہوں بدعت کہیں۔

بدعت وہی ہے جس پر مالیس منہ کے الفاظ ٹھیک بیٹھ سکیں اور وہ چیز اصلاً اور استنباطاً کسی طرح دین میں سے نہ ہو۔ اجتہاد اور استنباط کتاب وسنت کی گہرائیوں سے صرف مُظہر ہیں مثبت نہیں مجتہد کی دقت نظر سے شریعت کے فروع صرف کھلتے ہیں ایجاد نہیں ہوتے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں :۔

اما القیاس والاجتہاد فلیس من البدعۃ فی شئ فانہ مظہر معنی النصوص لا مثبت امر زائد۔[3]

ترجمہ۔ قیاس اور استنباط کسی طرح بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص میں چھپے معنی کا مظہر ہے کسی نئی چیز کو ثابت نہیں کر رہا۔

مجتہد کے استنباط کے بارے میں آپ صراحت سے لکھتے ہیں کہ یہ مالیس منہ کے قبیل سے نہیں ہے۔[4]

---

[1] نفس ذکر ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب سے آئی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۴۲
[2] الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۲۷۵ [3] مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۱۸۲ [4] دیکھیے مکتوبات دفتر دوم صفحہ ۲۶۰

فقہی مذاہب بدعات کے ذیل میں نہیں آتے

فقہ کتاب و سنت کے اصولوں پر استنباط کیے گئے مسائل کا نام ہے سو ان کی اصل کتب و سنت ہی رہے۔ اس وجہ سے اُن پر ما لیس منہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مجتہدین اپنے اپنے اجتہاد کے باعث آپس میں مختلف بھی رہیں اور ان کے فقہی مسائل مختلف ٹھہریں تو بھی ان میں سے ہر فیصلے پر عمل ہو سکے گا۔ اجتہاد سے صحیح نتیجہ پانے والے کو اللہ کے ہاں دو اجر ملیں گے اور جو صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکا اس کو بھی ایک اجر ضرور ملے گا۔ اجتہاد کے ان دونوں فیصلوں میں حق و باطل کا تقابل نہیں یہ صرف صواب اور خطا کا فاصلہ ہے۔ سو صحیح فیصلے پر نہ آنے والا بھی بوجہ اجتہاد کتاب و سنت سے چمٹا ہوا ہی تسلیم کیا جائے گا۔ صحابہؓ کے آپس میں اس درجے کے اختلافات تھے۔ ائمہ اربعہ نے اپنے اختلافات صحابہؓ و تابعینؒ سے وراثۃً پاتے ہیں انہوں نے یہ اختلافات بنائے نہیں۔ سو مذاہب کو زیر بحث لانے سے پہلے صحابہؓ کے فروعی اختلافات کو ضرور سمجھ لینا چاہیئے۔ اس سے مذاہب کا بوجھ ذہن میں کم ہو جاتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ اختلافات مذاہب بدعات کے ذیل میں نہیں آتے۔

جو چیز بدعت نہ ہو وہ بدعت کیسے بنتی ہے

(۱) شریعت نے کسی عمل کو کسی اور عمل سے خاص کیا ہو جیسے اذان کو نماز سے یا نومولود کے کان سے ـــــ اب اگر کوئی شخص اسے ان مظان شرعیہ سے نکال کر اسے عام عبادت کے درجے میں لاتا ہے یا اس میں کوئی اضافہ کرتا ہے تو اب یہ عمل سنت نہ رہے گا بدعت ہو جائے گا۔

(۲) اسلام کی کسی نیکی کو ایسے وقت سے خاص کر دینا جس کے لیے شریعت میں کوئی اصل وارد نہیں اور یہ اس عمل کو اس وقت سے خاص کرنے والا مجتہد بھی نہیں کہ اس نے کسی دور کی علت کو پالیا ہو۔ بلکہ مطلق مقلد ہے تو اس کا یہ عمل استنباط نہیں ایجاد سمجھا جائے گا۔ کیونکہ استنباط کرنا مجتہد کا کام تھا عامی کے لیے صرف تقلید ہے۔ افسوس کہ بدعتی علماء یونہی مجتہد کا روپ دھار لیتے ہیں۔

(۳) نیک اعمال ریاکارانہ طور پر بجالانا

ان اعمال کا صحیح حکم تو یہ ہے کہ یہ حرام ہیں قرآن شریف پڑھنا درود شریف پڑھنا نوافل پڑھنا اور ذکر و اذکار اگر محض دکھاوے کے لیے ہوں تو یہ عمل حرام ہیں. لیکن ان دکھاوے کی مجلسوں اور پر رونق محفلوں کو اگر ساتھ دین بھی سمجھا جانے لگے تو یہ اعمال ساتھ بدعات بھی بن جائیں گے. علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میلاد اور آپ کے نسل و نسب کے بیان کو مستحب لکھا ہے. لیکن اسے بھی اگر آپ کے یوم پیدائش سے خاص کیا جائے اور اسے بیان و عمل کی بجائے چراغاں کر کے منایا جائے تو اب یہ مستحب نہ رہے گا. (دیکھئے فتاوی رشیدیہ جلد ا صد ۱۰۲ براہین قاطعہ صہ)

(۴) دین کے تقاضوں کو نئے حالات میں نئی شکل دینا

حالات مسائل پیدا کرتے ہیں مگر جواب پرانی شریعت سے ہی لینا ہوتا ہے. حضورؐ سے محبت شریعت کا ایک بنیادی تقاضا ہے. کوئی شخص اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہو سکتا جب تک آپ کی محبت اس کے دل میں سب سے زیادہ نہ ہو. لیکن اس اظہار محبت کے لیے اگر وہ ایسی باتیں بناتا ہے جو صحابہؓ کے دور میں نہ تھیں (جیسے محفل میں مٹھائی رکھ کر کہنا کہ اب حضورؐ یہاں آگئے ہیں اور پھر اچانک آپ کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہونا اور پھر پوری مجلس میں شور ہو جانا کہ حضورؐ تشریف لے آئے ہیں) تو اس کی اظہار محبت کی یہ ادائیں اس نئی شکل میں ہرگز دین نہ بن سکیں گی بدعات سمجھی جائیں گی.

(۵) اپنے پیروں کے مشرب کو فتوے کے درجہ میں لینا

پیران کرام اپنے مریدوں کے روحانی امراض کو دور کرنے کے لیے اُن کے حسبِ حال کوئی عمل یا وظیفہ لازم ٹھہراتے ہیں یہ لازم کرنا بطور علاج ہوتا ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی — ان کے اس مشرب کو مذہب سمجھ لینا اور انہیں اس ترتیب اور تعین سے دین سمجھنا یہ اپنے پیروں کے عمل کو تشریعی حیثیت دینا ہے. جب لوگ اپنے پیروں کے عمل کو امام ابو حنیفہؒ کے فیصلوں کے درجے میں لینے لگیں تو یہ بدعت کی حد شروع ہو جائے گی.

حضورؐ کے وقت کی قائم شدہ سنتوں میں اگر کسی اضافے کی گنجائش ہے تو وہ صرف عمل راشدین ہے اور وہ بھی از خود نہیں حضرت خاتم النبیینؐ کے کہنے سے امت کے لیے حجت اور سند بنا ہے اور حضورؐ کا کہنا خود اسلام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی اضافہ نہیں. ایک فریضہ عادلہ ہے جو عمل میں سنت قائمہ کا قسیم ہے گو اس کی اصل آیت محکمہ اور سنت قائمہ میں موجود کیوں نہ ہو. عمل میں وہ ان کے برابر کا ماخذ ہے.

ان تفصیلات سے آپ کے سامنے بدعت شرعیہ کی حقیقت کچھ واضح ہو گئی ہو گی لیکن نامناسب نہ ہو گا اگر ہم اس موضوع کو ان تین مختلف عنوانوں سے بھی سمجھنے کی کوشش کریں:۔

(۱) — نعمت البدعۃ (۲) — بدعت حسنہ (۳) — بدعت شرعیہ

اس تقابل سے بدعت شرعی کی حقیقت اور کھل کر آپ کے سامنے آجائے گی. وھو المستعان وعلیہ التکلان.

(۱) نعمت البدعۃ کا مفہوم

رکی ہوئی سنتوں کو دوبارہ لانا یا زندہ کرنا —— یہ حقیقت میں کوئی اضافہ نہیں. بات وہی ہے جو پہلے کبھی موجود تھی اسے پھر سے لانا کوئی نئی چیز نہیں. یہ صرف صورۃً نئی بات ہے.

مثال: حضورؐ نے تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی اور پھر کسی مصلحت کے لیے چھوڑ دی صحابہ کرامؓ اپنے طور پر مسجد میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تراویح پڑھتے رہے. حضرت عمرؓ نے اس رکی ہوئی سنت کو (سب کا ایک جماعت سے تراویح پڑھنا) پھر سے قائم کر دیا. یہ کسی طرح بدعت نہیں. البتہ وقت کے لحاظ سے یہ ایک نئی بات ہے. اس جہت سے اسے نعمۃ البدعۃ کہہ سکتے ہیں تاہم شرعی حیثیت سے اسے سنت کہا جائے گا بدعت نہیں.

نعمت البدعۃ رکی ہوئی سنت کو دوبارہ قائم کرنے کا نام ہے. پھر اس میں بھی حضرت عمرؓ کی

احتیاط ملاحظہ ہو کہ اس پر بھی صحابہؓ سے مشورہ کیا اور جب تک سب نے اس سے اتفاق نہیں کیا آپ نے اس رکی ہوئی سنت کو پھر سے قائم نہیں کیا جب سب نے اتفاق کر لیا تو اب اسے اجماع صحابہؓ کا درجہ بھی حاصل ہو گیا جو اپنی جگہ خود حجت ہے۔

ہاں جو چیز سرے سے موجود ہی نہ ہو نہ کسی نے پہلوں میں سے اسے کیا ہو اسے وجود میں لانا واقعی ایک اضافہ ہے اور اس کامل دین میں اب کسی اضافے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

۲ بدعتِ حسنہ کا مفہوم

بدعت حسنہ بدعت سیئہ کا مقابل لفظ ہے۔ اگر کسی جگہ کوئی بدعت سیئہ قائم ہو تو اُسے ہٹا کر اس کی جگہ کسی اخف بدعت کو لے آنا بدعتِ حسنہ ہے۔ یہ اپنی ذات میں تو بدعت ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں لیکن اپنی مصلحت کے لحاظ سے یہ حسنہ ہے۔ کیونکہ اس نے ایک بڑی بُرائی کو ختم کیا ہے یا کرنا ہے۔

مثال: مصر میں فاطمی خلفاء نے اذان میں اپنے لیے سلام کا اضافہ کروایا تھا۔ مؤذن دو دفعہ کہتا۔ السلام علی الملک الظاھر لوگ اس سے مانوس ہو چکے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب ان پر فتح پائی تو اس نے اسے بدل کر السلام علی رسول اللہ کر دیا تاکہ اس جملے کے خلاف کوئی پرانے جملے کو پھر سے لانے کا خواب بھی نہ دیکھ سکے۔ سلطان نے نہ چاہا کہ اس بدعت کو یکسر ختم کر کے وہ وہاں کوئی شورش برپا کر لے۔ آنحضرت پر سلام اپنی ذات میں کوئی بُری بات نہ تھی۔ اسے اذان میں لے آنا صرف ایک وقتی مصلحت کے لیے تھا۔ ایک بدعتِ سیئہ کے خاتمہ کے لیے تھا اور جب وہ دورِ ابتلاء جاتا رہا تو پھر اذان کو ہر سلام بدعت سے خالی کر لیا گیا اور اب وہی اذان رہ گئی جو حضرت بلالؓ دیتے تھے بدعتِ حسنہ میں حسن اپنی ذات سے نہیں۔ محض اس کے تقابل کی وجہ سے آ رہا ہے ورنہ بدعت کیا اور حسن کیا۔

بزرگانِ دین کا بدعتِ حسنہ سے اجتناب

(۱) بزرگانِ دین بدعتِ حسنہ سے بھی اسی طرح بچتے ہیں جس طرح بدعتِ شرعی سے۔ یہ توصرف جہال کی رعایت کے لیے کچھ دیر چلنے دی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے کچھ لوگ بڑے اہتمام سے مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا یہ بدعت ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے پیشرو مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:۔

آپ کی اس سے مراد بدعتِ حسنہ تھی۔[۱]

اب دیکھئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کیا خود اس بدعتِ حسنہ میں شامل ہوئے؟ حضرت مجاہدؒ (۱۰۲ھ) فرماتے ہیں آپ ایک طرف حضرت ام المومنینؓ کے حجرہ کے پاس بیٹھے رہے اور نماز چاشت پڑھنے والے اپنی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کا خود اس کارِ خیر میں شامل نہ ہونا بتاتا ہے کہ اونچے درجے کے بزرگ بدعتِ حسنہ سے بھی ہمیشہ کنارہ کش رہے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں جب تک تم بدعتِ حسنہ سے بھی اسی طرح نہ بچے جیسے بدعتِ سیئہ سے بچا جاتا ہے۔ انسان کو روحانیت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی۔ پھر یہی ایک روایت نہیں جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کسی عمل کو برملا بدعت کہا ہو۔ آپ نے ایک دفعہ اذان کے بعد کسی کو لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے سنا۔ آپ نے اس تثویب کو کھلے طور پہ بدعت فرمایا۔ آپ نے حضرت مجاہدؒ سے کہا۔ مجھے یہاں سے لے چل۔ یہاں تو بدعت چل رہی ہے۔ آپ نے یوں فرمایا:۔

اخرج بنا فان هذه بدعة۔[۲]

ترجمہ۔ ہمیں یہاں سے لے چل کیونکہ یہ عمل بدعت ہے۔

اب کیا یہاں بھی بدعت سے بدعتِ حسنہ مراد ہوگی۔ ایسا بھی ہو تو کیا آپ اس بدعتِ حسنہ کے

---

[۱] دیکھئے انوار ساطعہ ص ۴۰ [۲] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۷۹

قبول کرنے والے تھے یا اس سے نفرت کرکے وہاں سے نکل جانے والے ٹھہرے ___ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جب آپ کسی چیز کو بدعت کہیں تو آپ کے نزدیک وہ بدعت قابلِ اجتناب ہوتی ہے مولانا عبدالسمیع اسے بدعتِ حسنہ ٹھہراتے رہیں تو یہ ان کے من کی بات ہے۔ اہلِ علم تو اسے ہرگز قبول نہ کریں گے۔ ہاں کوئی بات اگر تعلیماً ہو تو یاد ہونے تک وہ حسنہ ہے بعد ازاں نہیں۔

(٢) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی بدعتِ حسنہ سے اجتناب کی تلقین فرماتے ہیں آپ کہتے ہیں فقیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا۔ نہ اس میں کسی قسم کی نورانیت محسوس کرتا ہے۔ نور صرف سنت میں ہے اور بدعت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اگر کوئی کام سنت سمجھ کر کیا جائے اور وہ سنت کے پیمانے میں نہ ڈھلا ہو اور کام کرنے والا اسے ثواب کا کام سمجھ کر کر رہا ہے تو وہ یقیناً بدعت ہے۔

(٣) بدعتِ شرعیہ

یہ وہ کام ہے جسے شریعت نے بدعت ٹھہرایا ہے۔ بدعت کے بارے میں احادیث کی وارد تمام وعیدیں سب اسی بدعت پر وارد ہوئی ہیں۔ اس کی تعریف یہ ہے:-

وہ کام جو کتاب و سنت میں نہ ہو اور نہ اسے کبھی صحابہؓ نے کیا ہو اسے دین کا کام سمجھ کر کرنا اور کارِ ثواب سمجھنا یہ بدعت شرعیہ ہے۔

(١) ___ دنیوی کام اور نئی نئی دنیوی ایجادات سب اس سے نکل گئے۔ انہیں کوئی دین سمجھ کر نہیں کرتا۔

(٢) ___ مسجدوں میں گھڑی اور پنکھے لگانا ایک ضرورت ہے دین نہیں۔ یہ ذرائع ہیں مسائل نہیں۔

(٣) ___ مدارس میں نصاب کی تقسیم۔ کلاسوں کی ترتیب۔ دورۂ حدیث اور امتحانات یہ سب امور ذرائع میں سے ہیں خود دین نہیں۔

(٤) ___ وقت کے قومی ملی اور دینی تقاضوں کے لیے مجالس و اجتماعات بھی ذرائع میں سے ہیں خود دین نہیں۔ دین آج سے چودہ سو سال پہلے سے مکمل ہو چکا ہے اس میں کبھی کوئی اضافہ نہ ہو سکے گا۔

اگر کسی کام پر منع وارد ہوئی ہو تو وہ ممنوعات میں سے ہے بدعات میں سے نہیں۔ بدعات وہ ہیں جن پر جزئیات کی صورت میں کہیں منع وارد نہ ہوئی ہو اور کرنے والا انہیں دین سمجھ کر عمل میں لاتا ہو۔ اس میں کوئی دینی مصلحت بھی نہ لپٹی ہو۔ جیسے قرآن شریف پر زیر زبر پیش ڈالنا کہ اصلاً یہ کوئی تعبدی اُمور میں سے نہیں۔ مگر اس دینی مصلحت سے کہ عجمی لوگ قرآن پاک کو صحیح پڑھ سکیں۔ ہمارے ممالک میں قرآن شریف پر زیر زبر پیش لگا دی ہیں۔ سو یہ ایک وقتی مصلحت ہے کوئی بدعت شرعی نہیں۔ جسے دین سمجھ کر عمل میں لایا جا رہا ہو۔ یہ بدعت شرعیہ نہیں ہے۔ مدارس میں نصاب کی ترتیب بھی ذرائع میں سے ہے مسائل اور مقاصد میں سے نہیں ہے۔ سو اس پر بھی بدعت کا لفظ نہیں آ سکتا۔

تعبدی اُمور میں نقل موجود ہونا ضروری ہے

تعبدی امور میں نقل مل جائے تو وہ بدعت نہ رہے گی۔ جو اُمور پہلوں سے ثابت نہ ہوں تو اگر ان پر عمل کرنے والا انہیں دین سمجھ کر عمل میں لا رہا ہے تو وہ بدعت ہوں گے۔ وہ کام جنہیں دین سمجھ کر عمل میں لایا جائے اور انسان اُن پر عبادت کے پیرایہ میں عمل کرے انہیں تعبدی امور کہا جاتا ہے۔ عبادت کا پہلا تصور خدا کی ذات سے ہے۔ نماز روزہ اس کی تصدیق ہیں عبادت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔

اسلام میں اللہ تعالیٰ کے تمام نام جمیع اسماء الٰہیہ جن کا زبان پہ لانا عبادت ہے توقیفی ہیں یعنی اُوپر سے منقول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے ثابت ہیں۔ کوئی شخص اپنی طرف سے اللہ کا کوئی نام نہیں رکھ سکتا۔ جب تمام اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں تو اسلام کا تمام نظام عبادات توقیفی ہو گا۔ ایک ایک تعبدی امر ضروری ہے کہ توقیفی ہو جس کام کو بھی دین سمجھ کر کریں اس کا اُوپر سے منقول ہونا ضروری ٹھہرے گا ــــــ سو اسلام میں سب عبادات (جنہیں دین سمجھ کر کیا جاتے) توقیفی ہیں اور اپنی طرف سے نیکی سمجھ کر گھڑے گئے اعمال بدعت ہیں۔

دنیوی امور میں پہلے سے عمل ہونا ضروری نہیں

دنیوی اُمور میں اصل اباحت ہے۔ تعبدی امور میں اصل ان کا (حضورؐ اور صحابہؓ سے) منقول ہونا

ہے۔ دنیوی امور میں ہماری مرضی اور اختیار چل سکتے ہیں لیکن تعبدی امور میں توقیف شرط ہے۔ دنیوی امور میں نظر درست پر ہوتی ہے۔ تعبدی امور میں نظر ثواب پر ہوتی ہے۔ دنیوی امور جائز اور ناجائز میں دائر ہیں۔ تعبدی امور طاعات اور بدعات دونوں طرح کے ہو سکتے ہیں طاعات کے عمل میں لانے والے اہل سنت کہلائیں گے اور بدعات پر عمل کرنے والے اہل بدعت شمار ہوں گے۔

مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب

مولانا احمد رضا خاں نے بستر مرگ پر اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ شریعت کا اتباع حتی الامکان کریں مگر میرے دین و مذہب کو ہر فرض سے بڑا فرض جانیں۔ مولانا احمد رضا خاں کا وہ خاص دین و مذہب کیا تھا جس کی وہ آخر دم تک اس اہتمام سے وصیت کرتے رہے؟ وہ یہ کہ جن کاموں پر شریعت میں منع وارد نہیں (نہ ان کا حکم ہے اور نہ ان سے منع کیا گیا ہے) وہ سب کام نیکی سمجھ کر کرنے جائز ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :۔

۱. مجلس میلاد۔ ۲. قیام۔ ۳. فاتحہ۔ ۴. وغیرہ سب مسائل اسی اصل سے طے ہو جاتے ہیں[۱]

خان صاحب نے یہاں کھلے طور پر اعتراف کر لیا ہے کہ ان مسائل میں ان کے پاس صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین سے کچھ منقول نہیں ہے اور حدیث و فقہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ اب ان مسائل کے لیے ہم بریلویوں کے پاس صرف یہی ایک راہ ہے کہ ان سے کہیں منع نہیں کیا گیا۔ اب انہیں دین سمجھ کر ان پر عمل کرنا جائز ہے۔ اس اصل سے استخراج کرتے ہوئے مفتی احمد یار خاں گجراتی لکھتے ہیں :۔

بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا (اس کے) جائز ہونے کی علامت ہے[۲]

پھر آگے جا کر یہ صرف جائز کی حد و د تک نہیں کار ثواب بھی بن گیا۔ حالانکہ کسی عمل پر مستحب[۳] یا کار خیر ہونے کا حکم صرف شریعت لگا سکتی ہے ہم اپنی طرف سے کسی کام کو شریعت کا کام نہیں بنا سکتے۔ مگر دیکھئے مفتی صاحب اس میں کتنے جری ہیں اور کیسے صریح الفاظ میں اس کا کار ثواب ہونا ثابت کرتے ہیں :۔

(میلاد شریف) اس لیے (جائز) کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا اور ہر ملک کے عام

---

[۱] الامن والعلی ص ۱۵۸ [۲] جاء الحق ص ۲۳۰ [۳] رد المحتار جلد ص

مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں [۱]

بریلویوں نے بدعات کا یہ دروازہ اتنا وسیع کر دیا ہے کہ بدعات کے بڑے بڑے چھکڑے اس سے بآسانی گذر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس مذہب کو یہ عنوان دے رکھا ہے کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے گو وہ تعبدی امور ہی کیوں نہ ہوں۔ جو منع کرے اسے کہو کہ منع کی دلیل لاؤ۔ اگر وہ دلیل نہ لا سکے تو بس اس ایک اصل سے جملہ بدعات جائز ہو جائیں گی جن امور پر شرع میں کوئی منع وارد نہیں ہم انہیں دین سمجھ کر ان پر عمل کر سکتے ہیں — آیئے ہم پہلے اس اصل کی کچھ وضاحت کر دیں۔ تاکہ اس بریلوی مورچے کی پوری حقیقت آپ کے سامنے کھل سکے۔

الاصل فی الاشیاء ہی الاباحۃ

پیشتر اس کے کہ ہم اس اصول پر بحث کریں ضروری ہے کہ پہلے اباحت کا معنی اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ علامہ ابن ہمام الاسکندری اپنی اصول فقہ کی کتاب التحریر میں لکھتے ہیں:۔

الاباحۃ بمعنی عدم العقاب علی الاتیان بما لم یوجد له محرم ولا مبیح۔ [۲]

ترجمہ۔ اباحت بایں معنی ہے کہ جس چیز کے لیے (شرع میں) نہ منع وارد ہو نہ جواز۔ اس پہ عمل کرنے سے کوئی پکڑ یا مواخذہ نہ ہوگا۔

ڈوبتا تنکے کے سہارے نہ بچ سکے گا

اہل بدعت اس اصل سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ اس لیے کہ وہ ان بدعات کو نیکی اور کارِ ثواب سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں اس امید پر نہیں کہ ایسا کرنے سے انہیں کوئی پکڑ نہ ہوگی اور ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا کیا بدعات پر کئے جانے والے اتنے اخراجات اور عرسوں کے میلے محض اس خیال سے کئے جاتے ہیں کہ ایسا کرنا کوئی گناہ نہیں ہے اور آخرت میں ان پر کوئی باز پرس نہ ہوگی، کوئی

---

[۱] جاء الحق ص ۲۴۸ [۲] التحریر ص ۲۳۵ طبع مصر ۱۳۵۱ھ

مواخذہ نہ ہوگا؟ ہرگز نہیں ــــ اصل بدعت ان کاموں کو نیکیاں سمجھ کر امر کارِ ثواب سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں اس امید سے کہ آخرت میں انہیں ان کا اجر ملے گا ــــ سو یہ مسئلہ اباحت کا موضوع نہیں رہتا ــــ استحباب اور سنیت کا موضوع بن جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کا مستحب یا سنت ہونا شرع سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ اس اصل سے کہ اس پہ کوئی منع تو وارد نہیں ہوئی ــــ یاد رکھیے اس اصل کا کوئی تعلق طاعات اور عبادات سے نہیں ہے۔

اصل ہر چیز میں اباحت ہے اس کی مُراد اور منشاء

اللہ تعالیٰ نے یہاں جو چیزیں پیدا کیں اور ان میں جو دنیوی منافع رکھے ان سب میں اصل حِل اور اباحت ہے اور ان میں حرام وہی چیز ہے جسے شارع علیہ السلام نے حرام فرمایا ہو ــــ ورنہ خدا کی تمام زمین اور اس سے نکلی تمام نعمتیں بنو آدم کے لیے اصلاً حلال ہیں۔ اس موقف کے قائلین اپنے اس موقف پر قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں :۔

(۱) ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعًا۔ (پ ۱ البقرہ ع ۳)

ترجمہ۔ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ ہے زمین میں۔

(۲) وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعًا منہ۔ (پ ۲۵ الجاثیہ ع ۱)

ترجمہ۔ اور اللہ نے تمہارے کام لگا دیا جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور جو ہے زمین میں سب اسی کی طرف سے ہے۔

(۳) الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃ وباطنۃ۔ (پ ۲۱ لقمان ع ۲)

ترجمہ۔ اور اللہ نے تمہارے کام لگا دیا جو کچھ بھی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور پوری کر دیں تم پر نعمتیں کھلی اور چھپی۔

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ یہاں کی تمام چیزیں اور نعمتیں بنی نوع انسان کے لیے بنائی گئی

ہیں اور مسلمانوں کے لیے ماسوائے ان چیزوں اور منافع کے جن کو شریعت نے حرام کیا. باقی سب نعمتیں اصلاً حلال اور مباح ہیں. یہ ہے مفہوم اس اصول کا کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے.

لیکن اس سب عموم اباحت کا تعلق اشیاء و منافع اور ان کے متعلقہ افعال و تصرفات سے ہے. عبادات اور طاعات کا اس سے کوئی تعلق نہیں —— جو کام عبادت اور نیکی سمجھ کر کیے جائیں ان کے لیے شریعت سے نقل درکار ہے. الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کے قاعدہ کو کسی نے عبادات اور مسائل پر منطبق نہیں کیا. عبادات اور مسائل میں حلال و حرام کی تفصیل شریعت سے ملے گی. اس دھوکے میں نہ رہیں کہ اس پر منع تو وارد نہ ہوئی. یہ اصول میں طے ہو چکا ہے —— ان الشریعۃ لا نعرف الا بالنقل والاستنباط. (دیکھیے عقد الجید للشاہ ولی اللہ دہلویؒ)

ہر وہ چیز جس سے شریعت خاموش ہو اگر اسے طاعت اور نیکی بنا لینا جائز ہوتا تو قرآن کریم میں یہ اصولی ہدایت نہ ہوتی:۔

یا ایہا الذین اٰمنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم.

(پ ۷، المائدہ ع ۱۴)

ترجمہ. اے ایمان والو! ان چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تم پر کھول دی جائیں تو تم کو بُری لگیں.

اگر ان کا بیان نہ ہونا ہی ان کے جواز کی دلیل ہوتا تو ان مسکوت عنہا مسائل سے اس انداز میں ڈرایا نہ جاتا. معلوم ہوا مسکوت عنہا اشیاء میں سے بھی بہت سی ناجائز ہونے کی محتمل تھیں. یہ نہیں کہ جس پر منع وارد نہیں ہوئی وہ سب حلال کر کے کھاتے میں ڈال لو —— ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی نہ فرماتے:۔

فما علمتم منہ فقولوا وما جہلتم فکلوہ الیٰ عالمہ.[1]

---

[1] رواہ احمد و ابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۳۵

ترجمہ: سو جو تم اللہ کے علم سے جان لو وہ بات تو کہو اور جو تمہیں معلوم نہ ہو اسے اس کے جاننے والے کے سپرد کرو۔

مجتہد اگر استنباط سے بھی تمہیں کچھ بتلائے تو وہ خدا کی بات ہوگی۔ مجتہد احکام کا مظہر ہوتا ہے موجد نہیں ہوتا لیکن اگر تم اسے یہ کہہ کر اپناؤ گے کہ شریعت نے اس سے روکا تو نہیں۔ الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ تو پھر ایسے مسائل جاننے والوں کے سپرد کرنے کی نوبت کب آئے گی غیر منصوص مسائل تو آخر مجتہد کے سپرد کرنے پڑیں گے معلوم ہوا ان میں اصل جواز نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :-

الامر ثلثة امر بیّن رشده فاتبعه وامر بیّن غیه فاجتنبه وامر اختلف فیه فکله الی الله عز وجل۔[1]

ترجمہ: مسائل تین طرح کے ہیں۔ ۱۔ جن کا درست ہونا ظاہر ہے انہیں عمل میں لاؤ۔ ۲۔ جن کا غوایت ہونا ظاہر ہے سو ان سے بچو۔ ۳۔ جو امور مختلف فیہ ہوں (ان کا درست یا غلط ہونا ظاہر نہ ہوا ہو) انہیں اللہ کے سپرد کرو۔

معلوم ہوا ان کا منع نہ ہونا ان کے درست ہونے کی کسی طرح دلیل نہیں بن سکتی تھی۔ ان کا حکم مجتہدین ہی بتا سکتے ہیں اور انہیں مجتہد کی طرف لوٹانا حقیقت میں شریعت کی طرف ہی لوٹانا ہے۔ قرآن کریم میں ہے :-

واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردّوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم۔ (پ۵، النساء، ع۱۱)

ترجمہ: اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آئے تو اسے (بلا تحقیق) پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول پاک تک لوٹا دیتے یا اپنے بڑے لوگوں کی طرف۔ تو ان میں جو مجتہد درجے کے تھے اصل بات کو پا لیتے۔

---

[1] رواہ احمد مشکوٰۃ صد ۳۱

یہ بھی کوئی بات ہے کہ جو چیز معلوم نہ ہو اسے از خود وضع کر لو اور پھر اسے کار خیر کا درجہ بھی دے دو. بایں دعوے کہ شریعت نے اس سے منع تو نہیں کیا ــــ کیا کسی مذہب میں مسائل اس طرح بھی حل ہوئے ہیں؟ بریلویوں نے دین کو کیا بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے کہ ان سے جب کبھی ان کے کسی دینی عمل کی سند پوچھو تو یہ الٹا پوچھنے لگیں بتاؤ اس سے کہیں منع کیا گیا ہے؟

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

فہم حدیث سے یہ لوگ ویسے ہی عاری ہوتے ہیں. سوال وجواب کی جہت کو پہچاننا اُن کے بس کا روگ نہیں اور متکلم کی نیت معلوم کرنا چاہیں. یہ وہ لوگ نہیں. عجیب قوم سے پالا پڑا ہے.

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے کسی شخص کو چھینک آئی. اس نے الحمد للہ والسلام علیٰ رسول اللہ کہا. حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا میرا عقیدہ بھی یہی ہے کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو (افراد سلام بغیر درود کے منع نہیں) لیکن اس موقع پر حضورؐ نے ہمیں ایسا کہنا نہیں سکھایا. ہمیں بس یہی بتایا ہے کہ ہم اس موقع پر الحمد للہ علی کل حال ہی کہا کریں [1]

آپ کے اس منع کرنے کی علت یہ تھی کہ ایسے مسائل میں جو کچھ ماثور ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے اپنی طرف سے اس میں کچھ گھٹانا یا بڑھانا نہ چاہیئے. یہ نہیں کہ حضورؐ نے اس موقع پر اپنا ذکر کرنے سے منع کیا ہوا ہے.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روک پر غور فرمائیں. وہ کہہ رہے ہیں کہ اس موقع پر والسلام علیٰ رسول اللہ کہنا حضورؐ کی تعلیم نہیں ہے. مگر بریلوی کہتے ہیں جیسا کہ مولوی عبدالسمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس لیے منع کیا تھا کہ اس پر منع وارد ہو چکی ہے [2]

---

[1] مشکوٰۃ ص۴۰۶ عن الترمذی واسنادہ صحیح [2] درمختار کتاب الذبائح میں ایک روایت یہ دی گئی ہے موطنان لا اذکر فیھما عند العطاس وعند الذبح. دو موقعوں پر میرا ذکر نہ ہو ایک چھینک کے وقت اور دوسرے ذبح کے وقت ــــ اسے خواہ مخواہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت قرار دینا اور کہنا کہ

افسوس صد افسوس اس فہم حدیث پر شیخ چلی بھی خاموش ہوں گے۔ ورنہ دوسرا ہر شخص پوچھے گا کہ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایسا کیوں نہ کہا۔ حضرت کے جواب کا جو مطلب محدثین سمجھے ہیں وہ تو یہ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

لیس المسنون فی ھذہ الحال ھذا القول وانما الذی علمنا فیھا ان نقول الحمد للہ علی کل حال فقط من غیر زیادۃ السلام فیہ علی انہ ینبغی فی الذکر والدعاء الاقتصار علی الماثور من غیر ان یزاد او ینقص فان الزیادہ فی مثلہ نقصان فی الحقیقۃ کما لا یزاد فی الاذان بعد التھلیل محمد رسول اللہ وامثال ذلک کثیرۃ۔[1]

ترجمہ۔ ایسا کہنا اس حالت میں مسنون نہیں ہے۔ ہم نے اس موقع پر جو کچھ جانا ہے وہ بس یہی ہے کہ ہم الحمد للہ علی کل حال کہیں اور اس میں حضورؐ پر سلام کہنے کی زیادتی نہ ہو اور دعاؤں اور اذکار میں تو اسی پر اکتفا کرنا چاہیئے جو منقول ہو اور اس میں کسی قسم کی زیادتی یا کمی نہ کی جائے۔ ایسے مواقع پر زیادتی کرنا حقیقۃً نقصان ہی ہے جیسے اذان کے آخری جملے لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا اور اس بات کی مثالیں کہ ذکر و دعا میں اصل نقل و اثر ہے بہت ہیں۔

جن چیزوں کا شریعت نے حکم بیان نہیں کیا۔ ان میں معافی تو ہو سکتی ہے لیکن اسے کارِ ثواب سمجھنے پر شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے نہ اسے کسی طرح کارِ خیر سمجھا جا سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ

آپ نے اس روایت کی وجہ سے اسے رد کیا تھا خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر کتنا بڑا ظلم ہے۔ آپ نے تو اپنے منع کی علت اور بیان فرمائی ہے یہ نہیں۔ اور یہ لوگ ہیں کہ صحابیِ رسول پر بھی افترا باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خواب و خیال میں بھی یہ حدیث نہ ہو گی۔ نہ انہوں نے کہیں اس کا حوالہ دیا ہے ـــــ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ (ملفوظات حصہ ۲ ص ۱۱۸/۲۵۸)

[1] حاشیہ مشکوٰۃ عن اللمعات ص ۴۰۶

وسلم نے فرمایا :-

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا لکم[1]

ترجمہ. حلال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا اور جن چیزوں سے شریعت نے سکوت کیا ہے ان کی تمہیں معافی ہے یعنی جو صورت بھی واقع ہو اس پر معافی کی امید رکھو.

اور یہ بھی فرمایا :-

ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحد حدودًا فلا تعتدوھا وحرم اشیاء فلا تنتھکوھا وسکت عن اشیاء رحمۃ لکم من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا.[2]

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کر دیئے ہیں انہیں ضائع نہ کرنا اور حدیں مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا اور کچھ چیزیں حرام کر دی ہیں ان کی حد نہ پھاندنا. اور از راہ کرم عمدًا کچھ چیزوں سے سکوت فرمایا. سو تم ان کی بحث میں نہ پڑو.

حضرت نعمان بن بشیرؓ (۹۴ھ) کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الحلال بیّن والحرام بیّن وبینھما مشتبھات لا یعلمھا کثیر من النّاس فمن اتقی الشبھات استبراء لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام[3]

ترجمہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے. جو شخص ان مشتبہات سے کنارہ کشی کرے اس نے اپنا دین اور اپنی عزت بچالی اور جو (یہ نعرے لگاتا ہے کہ ان سے منع تو نہیں کیا)

---

[1] جامع ترمذی جلد ص [2] سنن دارقطنی جلد ص [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۳

ان میں جا پڑا۔ سمجھو وہ حرام میں ہی جا پڑا۔

اب دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ جس چیز کا حلال ہونا واضح نہ ہو اور نہ حرام ہونا واضح ہو وہ مشتبہات میں داخل ہے مگر بریلوی حضرات اسے اپنے ہاں یوں بگاڑتے ہیں۔۔

الحلال بیّن والحرام بیّن وبینہما مباحات وخیرات۔ (استغفر اللہ)

یعنی جو چیز واضح طور پر حلال ہو نہ حرام ہو، وہ سب مباحات اور کارِ خیر ہیں۔ الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ۔ اب یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ ان کا حکم کیا ہے جس چیز سے بھی سکوت ہے اس پر چڑھ دوڑو۔

علماء کہتے ہیں اس صورت میں مجتہدین کی طرف رجوع کرو وہ اس میں شریعت کی کوئی نظیر پا کر اسے اس کے تابع کر سکیں گے۔ اب اگر اس تیسری صورت حال کا حکم اجتہاداً اور استخراجاً معلوم ہوگیا تو اس پر عمل کرو اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو یہاں رکنا ہی بہتر ہوگا اور توقف کے بغیر اپنا دین بچانے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضہ (۱۸ھ) کو نصیحت فرمائی تھی کہ اگر ان پر کسی چیز میں اشکال گزرے تو جب تک اس کا حل نہ ملے اس میں توقف کرنا۔ یہ نہ فرمایا کہ امور مسکوت عنہا سب مباح ہوگئے۔ صرف یہ دیکھو کہ کہیں اس سے روکا تو نہیں گیا:

ان اشکل علیك امر فقف حتی تبینہ۔[1]

ترجمہ: اگر تم پر کچھ اشکال گزرے تو توقف کرنا یہاں تک کہ تم اس کی تحقیق پاؤ۔

احادیث کے مطابق اہل سنت کا اس موضوع پر موقف توقف کا ہے نہ کہ ہر چیز کو جائز کرتے جاؤ۔ یہ معتزلہ کی رائے تھی جسے بریلویوں نے اپنا لیا ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحۃ رای المعتزلہ۔[2]

ترجمہ: اشیاء میں اصل توقف ہے اور اباحت معتزلہ کی رائے ہے۔

---

[1] رواہ ابن ماجہ [2] درمختار جلد ا ص مع الشامی

علامہ شامیؒ پہلے اس اختلاف میں کچھ نرم سے تھے۔ لیکن البحر الرائق کے حاشیہ پہ آپ نے مذہب منصور اور قول قوی اسی کو تسلیم کیا ہے۔

اب ہمارے بریلوی دوست فرمائیں کہ جن امور کو وہ اس راہ سے دین میں لاتے ہیں کہ ان پر شریعت میں کہیں منع وارد نہیں ہوئی تو کیا وہ ان اعمال کو اس نیت سے بجالاتے ہیں کہ یہ کار ثواب ہے یا اس امید پہ وہ یہ بدعتوں کی تکلیفیں جھیلتے ہیں کہ ان پہ کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ گیارہ تاریخ کی پابندی کرنے پہ بدعتیوں کو معاف کر دیں گے۔

اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی صدا ہے

فقہاء کے نزدیک اباحت حظر (منع) کی ضد ہے اور مباح کی تعریف یہ ہے:

والمباح ما اجیز للمکلفین فعله وترکه بلا استحقاق ثواب ولا عقاب نعم یحاسب علیه حسابا یسیرا[1]

ترجمہ: اور مباح وہ چیز ہے کہ جو مکلف مخلوق کے لیے اس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں طرح سے جائز ٹھہرایا گیا ہو اور اس پہ کسی ثواب کی امید نہ رکھی جائے نہ اس پہ کسی پکڑ کا اندیشہ ہو۔ ہاں اس پر کچھ آسان سا حساب ہوگا۔

اس قاعدے سے جن امور کو مباح ٹھہرایا جائے ان کا زیادہ سے زیادہ درجہ یہ ہے کہ اس پہ اللہ تعالیٰ پکڑیں گے نہیں معاف کر دیں گے۔ لیکن ہمارے اہل بدعت دوست جن بدعات کو اس راہ سے اسلام میں داخل کرتے ہیں۔ انہیں وہ مباح کے درجے میں نہیں رکھتے۔ نیکی اور ثواب سمجھتے ہیں اور انہیں کار خیر سمجھ کر عمل میں لایا جاتا ہے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ مستحب ہو اور ظاہر ہے کہ اسکا ثبوت چاہیئے۔

گیارہویں شریف کو ہی لیجئے۔ ایصال ثواب کے لیے گیارہ تاریخ کا التزام اور اسے دوسرے ایام سے افضل جاننا شریعت محمدی میں اس کی کوئی دلیل نہ تھی نہ نظیر تھی اور آج بھی ان حضرات سے جب کبھی اس کی اصل معلوم کی جاتی ہے تو یہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کا سہارا لے کر کہہ دیتے ہیں کہ تم

---

[1] درمختار مع الطحطاوی جلد ۴ صـ۱۲۹

منع کی دلیل بتاؤ۔ جب اس سے منع نہیں کیا گیا تو یہ عمل مباح ہے گو ہم اسے نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔

اب دیکھئے یہ مباح کس ڈھب سے انداز میں مستحب بنا دیا جاتا ہے۔ حزب الاحناف لاہور کے مولانا محمود احمد صاحب رضوی لکھتے ہیں :-

> گیارہویں حضور پاک کو ایصالِ ثواب کا نام ہے۔ ایصالِ ثواب کرنا ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب۔ بلکہ جواز کے درجے میں رکھتے ہیں جو شخص حضرت غوث اعظم کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب نہیں کرتا (گیارہویں نہیں دیتا) اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو واجب یا فرض کہہ دینا گمراہی ہے۔[1]

کوئی صاحب ان سے پوچھنے والا نہیں کہ کیا گیارہویں کا یہی درجہ ہے کہ آخرت میں اس پر کوئی پکڑ نہ ہوگی مباح تو اسے ہی کہتے ہیں اور اگر آپ اسے ایک نیکی سمجھ کر کرتے ہیں تو یہ مباح نہیں بلکہ مستحب ٹھہرے گا اور مستحب تو ایک حکم شرعی ہے جس پر کوئی دلیل شرعی ہونی چاہیئے۔ آپ اباحت کا لباس پہنے کوچۂ استحباب میں کیسے آنکلے ہیں۔ کیا آپ گیارہویں کا ختم کہتے یہ اُمید باندھے ہوتے ہیں کہ خدا اس پر پکڑے گا نہیں یا آپ اسے کار خیر سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں اور آخرت میں اس کی جزا کی امید رکھتے ہیں۔ الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کا فائدہ کیا آپ حضرات نے اسی لیے زیر مشق رکھا ہے۔ دعوئے مباح کا اور نیت مستحب کی۔ حزب الاحناف والوں کی عجیب علمی شان ہے۔

عبادات اور عادات و معاملات

عادات اور معاملات انسانوں کے اپنے ماحول اور تجربات سے بنتے ہیں۔ عبادات توقیفی ہیں جن کا حکم اللہ رب العزت اور اس کے پیغمبر برحق سے ملتا ہے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کے سب درجے شریعت مقرر کرتی ہے۔ ان میں یہ نہیں سوچا جاتا ہے کہ شریعت نے کہیں اس سے منع کیا ہے بلکہ ہر ہر بات میں نقل کی تلاش ہوتی ہے۔ ہاں عادات و معاملات انسان خود ترتیب دیتے ہیں۔ ان

---

[1] رسالہ رضوان لاہور ۱۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

میں دیکھنا ہوتا ہے کہ شریعت نے کسی بات سے منع تو نہیں کیا۔ اصل ہر چیز میں اطلاق اور اباحت ہے یہ مباح اصلی کی بات کی ہے مباح شرعی کی نہیں

عادات و معاملات میں بھی اصل اطلاق و اباحت ہے یا اصل منع و خطر ہے۔ اس میں معتزلہ اور اہل سنت میں کچھ اختلاف ہے۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ عبادات میں صرف نقل درکار ہے یہ انسان کی اپنی رائے کے سپرد نہیں اور شرعی رائے جسے استنباط بھی کہتے ہیں وہ نقل کی ہی ایک تفصیل ہے اس کا غیر نہیں۔

انسانی تصرّفات کی دو قسمیں

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

ان تصرفات العباد من الاقوال و الافعال نوعان عبادات یصلح بها دینهم وعبادات یحتاجون الیها فی دنیاهم فباستقراء اصول الشریعة نعلم ان العبادات التی اوجبها الله او احبها لایثبت الامر بها الابالشرع ..... ولهذا کان احمد وغیرہ من فقهاء اهل الحدیث یقولون ان الاصل فی العبادات التوقیف فلا یشرع منها الاماشرعه الله والادخلنافی معنی قوله تعالیٰ ام لهم شرکآء شرعوا لهم من الدین مالم یاذن به الله [1]

ترجمہ: قول و فعل میں انسان کے تصرفات دو قسم کے ہیں عبادات جن سے ان کی آخرت کی اصلاح ہوتی ہیں اور عادات جن کی انہیں دنیا میں ضرورت پڑتی ہے۔ اصولِ شریعت کا استقرار کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات واجب درجے کی ہوں یا مستحب درجے کی ان کا کوئی امر بدون شریعت ثابت نہیں ہو سکتا ..... اور اسی لیے امام احمد اور دوسرے فقہاء محدثین کہتے ہیں عبادات سب توقیفی ہیں۔ شرع وہی ہے

---

[1] فتاوےٰ ابن تیمیہ جلد ص

جیسے اللہ رب العزت نے شریعت بنایا وگرنہ (اگر ہم اپنی طرف سے مسئلے بنائیں کہ شریعت نے منع تو نہیں کیا) ہم قرآن کی اس آیت کا مصداق بن جائیں گے :۔

ام لھم شرکٰٓء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ۔ (پ ۲۵ : الشوریٰ ع ۲)

ترجمہ۔ کیا کہ انہوں نے (اللہ کے) شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی اور راہ ڈال دی ہے جو اللہ نے نہیں بتائی۔

معلوم ہوا اپنی طرف سے دین کی کوئی راہ تجویز کرنا (اور صرف یہ دیکھنا کہ کہیں اس سے منع تو نہیں کیا گیا) دراصل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ طاعات اور نیکی کے کام سب توقیفی ہیں۔ کارِ خیر وہی ہے جس کے خیر ہونے کا پتہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق سے ملے ہم اپنی خواہشات اور اپنا صوابدید سے کوئی مسئلہ نہیں بنا سکتے۔ گو وہ درجہ مستحب کا ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے سب نام توقیفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کوئی راہِ عبادت مقرر کرنے یا اختیار کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

شیخ یوسف قرضاوی اصل اشیاء و منافع میں حلت اور اباحت کے قائل ہیں۔ ان کا موقف توقف کا نہیں۔ اپنے اس موقف پر انہوں نے قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اصل اشیاء میں اباحت اشیاء تک محدود نہیں۔ یہ ان افعال و تصرفات کو بھی شامل ہے جو بطور عادت عمل میں آتے ہیں۔ آپ اس اباحت کی بحث میں لکھتے ہیں :۔

بل یشمل الافعال و التصرفات التی لیست من امور العبادۃ وھی التی نسمیھا العادات او المعاملات فالاصل فیھا عدم التحریم وعدم التقیید الا ماحرمہ الشارع والزم بہ وقولہ تعالیٰ وقد فصل لکم ماحرم علیکم عام فی الاشیاء والافعال۔[1]

ترجمہ۔ بلکہ یہ اباحت افعال و تصرفات جو تعبدی امور میں سے نہیں اور یہ وہ ہیں جنہیں

---

[1] الحلال والحرام ص

ہم عادات اور معاملات کہتے ہیں کو بھی شامل ہے سو ان کا اصل حرام نہ ہونا ہے حرام وہی ہے جسے مشائخ نے حرام قرار دیا ہو اور لازم ٹھہرایا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وقد فصل لکم ما حرم علیکم افعال اور اشیاء دونوں کو عام ہے۔

آپ پھر آگے جاکر لکھتے ہیں :-

وھذا بخلاف العبادة فانھا من امر الدین المحض الذی لایؤخذ الا عن طریق الوحی وفیھا جاء الحدیث الصحیح ومن احدث فی امرنا ما لیس منه فھو رد۔[1]

ترجمہ۔ اور عبادات (جنہیں نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے) میں ایسا نہیں (کہ اصل اباحت ہو) کیونکہ یہ خالص دینی موضوع ہے جو وحی سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور اس موضوع پر صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی بات نئی نکالی، جو اصلاً اس میں سے نہ ہو تو اس کا یہ عمل مردود ہوگا۔

اور عادات ومعاملات کے بارے میں لکھتے ہیں :-

اما العادات والمعاملات فلیس الشارع منشئھا بل الناس ھم الذین انشاء واھا وتعاملوا بھا والشارع جاء مصححا لھا ومعدلا ومھذبا ومقرا فی بعض الاحیان ما خلا عن الفساد والضرر منھا۔[2]

ترجمہ۔ عادات اور معاملات سو ان کا موجد شارع نہیں لوگوں نے خود ان کی ایجاد کی ہے اور اپنے طریقے قائم کئے ہیں اور شارع نے آکر انہی طریقوں کی اصلاح وتہذیب کی ہے اور کبھی دفعہ انہی امور کو جو فساد اور ضرر سے خالی تھے قائم رکھا ہے۔

---

[1] الحلال والحرام للقرضاوی ص۲۱ طبع چہارم ۱۳۸۲ھ [2] ایضاً

عادات اور معاملات میں اباحت کا قول

اسلام میں عادات و معاملات میں حلال کا دائرہ بہت وسیع ہے اور محرمات کا دائرہ شریعت میں بہت تنگ ہے۔ جن امور میں حل و حرمت وارد نہیں ان میں اصل اباحت ہے یا توقف۔ اس میں فقہاء احناف کا موقف توقف کا ہے۔ اباحت عامہ معتزلہ کا عقیدہ ہے جیسا کہ ہم درمختار سے نقل کر آئے ہیں۔ الاصل فی الاشیاء التوقف۔ اصل اشیاء میں توقف ہے۔

ان الصحیح من مذہب اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحۃ رای المعتزلۃ لان العصمۃ من جملہ الاحکام المشروعۃ۔[1]

ترجمہ۔ اہل سنت میں صحیح بات یہی ہے کہ اشیاء میں اصل توقف کا قول ہے اور اصل اباحت کو ٹھہرانا یہ معتزلہ کی رائے ہے شریعت کے کاموں میں عصمت شرط ہے۔

اب ظاہر ہے کہ عصمت عام بندوں کے افعال و تصرفات میں نہیں۔ یہ تو صرف انبیاء کی شان ہے۔ سو فقہاء احناف نے اسے ہی مذہب منصور قرار دیا ہے۔ افعال میں بھی بہت سے حضرات اصل تحریم کو قرار دیتے ہیں حضرت امام احمد بھی اسی کے قائل تھے۔ ملا جیون شیخ احمد (۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں

ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کما ہو مذہب طائفۃ بخلاف الجمہور فان عندہم الاصل ہو الحرمۃ.... وعند الشافعی الاصل ہو الحرمۃ فی کل حال۔[2]

ترجمہ۔ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یہ ایک گروہ کا خیال ہے لیکن جمہور (اہلسنت) کے ہاں اصل حرمت ہے اور امام شافعیؒ ہر حال میں اصل خطر کو ہی سمجھتے ہیں (نہ کہ اباحت کو)

اباحت اصل ہے یا حرمت اصل۔ اس کا عملی اثر کیا ہوگا

ایک شخص نے دوسرے کو دھمکی دی کہ اگر تو شراب نہ پیئے یا مُردار نہ کھائے تو میں تجھے قتل کرتا

---

[1] درمختار مع الطحطاوی جلد ۲ صفحہ ۴۵۵ [2] تفسیرات احمدیہ صفحہ ۶

ہوں. اس نے شراب نہ پی اور قتل ہو گیا مبادا گناہ نہ ہو. اب اگر شراب یا مردار میں اصل اباحت تھی اور شرع نے ان کو حرام کیا تھا تو وہ شخص جو مارا گیا گناہگار ہو گا کیونکہ اس خاص صورتِ حال میں حرمت جاتی رہی اور اباحت اپنی اصل پر لوٹ آئی. اور اگر ان چیزوں میں اصل حرمت ہو اور اباحت صرف وقتی طور پر عارض ہوئی تو وہ انہیں نہ کھانے پینے سے قتل ہونے پر گناہگار نہ ہو گا. امام محمدؒ کے نزدیک وہ گناہگار ہو گا. علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :-

والیہ اشار محمد فمن حدد بالقتل علی اکل المیتۃ او شرب الخمر فلم یفعل حتی قتل بقولہ خفت ان یکون آثما لان اکل المیتۃ وشرب الخمر لم یحرما الا بالنھی عنھما فجعل الاباحۃ اصلًا والحرمۃ بعارض النھی[1]

ترجمہ: امام محمدؒ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے. جس شخص کو مردار نہ کھانے یا شراب نہ پینے پر قتل کی دھمکی دی گئی اس نے ایسا نہ کیا اور قتل ہو گیا تو وہ گناہگار ٹھہرے گا. کیونکہ یہ دونوں چیزیں صرف شریعت کے منع کرنے سے ممنوع ہوئی تھیں. سو آپ نے اباحت کو اصل ٹھہرایا ہے.

یہ مثال ہم نے صرف فرق واضح کرنے کے لیے دی ہے کہ اختلاف کی دونوں صورتوں کا عملی اثر کیا ہو گا. ورنہ فقہ حنفی کا مسلک مختار اور قول منصور ہم پہلے نقل کر آئے ہیں.

اب اس مثال کے اس نہایت اہم پہلو پر بھی نظر رکھیں :-

اگر وہ شخص اس خاص صورت عمل میں شراب پی لے یا مردار کھا لے تو کیا وہ اسے نیکی اور اجر وثواب کا کام سمجھتے ہوئے ایسا کرے یا محض اس خیال سے ایسا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس پر (اس خاص صورتِ حال کے باعث) مواخذہ نہ فرمائیں گے —— فتفکر ولا تکن من الغافلین —— بدعات مباح سمجھ کر کی جاتی ہیں یا کارِ خیر

ہمارے بریلوی دوست جو الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کی راہ سے اپنی تمام بدعات کو

---

[1] رد المحتار شامی جلد ۱ ص ۱۰۵

سند جواز دینا چاہتے ہیں. اب خود ہی بتائیں کہ کیا وہ اپنے ان "نیکی کے کاموں" کو مجبوری مردار خوری اور شراب خوری کے درجہ میں سمجھتے ہیں یا وہ انہیں کار خیر اور اجر و ثواب کے کام سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں — یہ فیصلہ ہم انہی پر چھوڑتے ہیں — جہاں تک ہم دیکھتے اور سنتے ہیں وہ ان کاموں کو نیکی اور کار خیر سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں.

فیصلہ کن حکم موجود نہ ہو تو اب جو چاہے کرو؟ استغفر اللہ

جن مسائل میں امر یا منع وارد نہیں تو اگر انسان ان میں آزاد ہے کہ اب جو چاہے کرے سب مباح ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ مجتہد اپنی ہر رائے میں مصیب ہو کیونکہ وہ اجتہاد وہیں کرے گا جہاں نص (امر کی یا منع کی) موجود نہ ہو. اب اس نے جو رائے قائم کی ہے وہ دائرہ اباحت میں آکر کی ہے. سو اس کے مخطی ہونے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی اور یہ تصور حدیث کے بالکل خلاف ہے حدیث میں صریح طور پر مجتہد کو کبھی مصیب اور کبھی مخطی ٹھہرایا گیا ہے یہ مذہب معتزلہ کا ہے کہ مجتہد ہر صورت میں مصیب ہے کیونکہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے.

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

ان المجتهد فی العقلیات والشرعیات الاصلیة والفرعیة قد یخطئ وقد یصیب وذهب بعض الاشاعرة والمعتزلة الی ان کل مجتهد فی المسائل الشرعیة الفرعیة التی لا قاطع فیها مصیب[1]

ترجمہ. مجتہد عقلیات میں اور شرعی مسائل میں وہ اصولی ہوں یا فروعی کبھی خطا کرتا ہے اور کبھی وہ درست بات پالیتا ہے اور بعض اشاعرہ اور معتزلہ اس پر ہیں کہ ہر مجتہد مسائل شرعیہ فرعیہ میں مصیب ہے اور اپنی جگہ درست ہے.

یعنی وہ جو بات کہہ رہا ہے دائرہ اباحت میں اتر کر کہہ رہا ہے. یہاں جب ہر چیز مباح ہے

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۲۲

تو خطا کیسی؟ نص ویسے ہی ان مسائل میں موجود نہ تھی۔ اب جو منع کرے وہ منع کی دلیل لائے۔ ورنہ سب صحیح ہے۔ معاذ اللہ

آگے آپ نے احکام اور ضرورت کی چار انواع بیان کی ہیں اور آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے:

والمختار ان الحکم معین وعلیہ دلیل ظنی ان وجدہ المجتہد اصاب و ان فقدہ اخطاء۔

صحیح قول مختار یہ ہے کہ شریعت میں کوئی موضوع آوارہ نہیں چھوڑا گیا۔ اس میں ہر مسئلے کا حکم موجود ہے۔ وہ مسئلہ منصوص ہو یا کسی نص کی گہرائی میں لپٹا ہو جسے مجتہد پالے اس پر کوئی نہ کوئی دلیل ظنی ضرور موجود ہوتی ہے اسے مجتہد پالے تو وہ مصیب ہے کہ صحیح بات کو وہ پہنچ گیا نہ پا سکے تو وہ مجتہد مخطی ہے جسے صرف ایک اجر ملے گا ـــــ یہ نہیں کہ جہاں نص موجود نہ ہو نہ امر کی نہ منع کی، تو وہاں انسان اپنے آپ کو بالکل آزاد سمجھے اور الاصل فی الاشیاء ھی الاباحۃ کا نعرہ لگاتا ہوا ایسے موضوع کو مباح اور درست سمجھ لے ـــــ یہ تو معتزلہ کی رائے تھی۔ افسوس کہ بریلوی بھی اس دلدل میں جا گرے جہاں معتزلہ آج سے بارہ سو سال پہلے گرے تھے۔

سنّت کی آفاقیّت

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آفاقی اور ابدی ہے اور زماناً اور مکاناً اس کی انتہا نہیں۔ اسی طرح بدعت نہ زماناً ابدی ہے نہ مکاناً آفاقی ہے۔ بدعتوں کے دیئے کچھ دیر جلتے ہیں اور پھر بجھ جاتے ہیں، یہ سنّت کی تابانی ہے جس کی روشنی ابدالآباد تک پھیلتی ہے۔

سنّت بین الاقوامی ہے اور بدعت علاقائی ـــــ ہر علاقے کی اپنی اپنی رسوم اور بدعات ہیں اللہ رب العزت اسے آفاقی نہیں بننے دیتے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آفاقیت بخشی ہے اور آپ کا ذکر مبارک بلند فرمایا ہے۔

ورفعنا لک ذکرک میں سنّت کا ترفع و اعلاء ہے۔ بدعت نہ آپ کا عمل ہے نہ آپ کے صحابہؓ کا۔ اس میں ترفع و اعلاء کہاں سے آئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بدعت سے اجتناب کرنے کے اعتقادی فوائد

تشریع کا قوی ترین ماخذ نبوت ہے اور ادنیٰ ترین درجہ بدعت ہے۔ بدعت سے بھی وہ چیز دین بنائی جاتی ہے جو دین نہیں ہوتی ـــــ نبوت سے دین کا قیام اور کتاب وسنت سے اس کا استحکام ہوتا ہے کتاب وسنت سے جو استنباط ہوتا ہے وہ بھی انہی کے حکم میں ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ کتاب وسنت میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا اور اجتہاد و استنباط میں یہ ہوتا ہے۔ تاہم مجتہد مخطی کو بھی ایک اجر کا مستحق سمجھنا چاہیئے۔

تشریع کا کمزور ترین درجہ بدعت ہے اور اس کے ذریعہ کسی چیز کو شرعاً دین بنانا ممنوع ہے اور یہ عمل شرعاً مردود ہوگا۔ اس سے حضورؐ نے بہت اظہار ناراضگی کیا ہے ـــــ اس کا عادی اور داعی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی نحوست سے اس کا کوئی نیک عمل قبول ہونے نہیں پاتا۔ بدعت سے پرہیز کرنے اور اجتناب کرنے کے بہت سے فوائد ہیں۔ ان میں سے پانچ یہاں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی ضمانت

حضور خاتم النبیینؐ کے بعد جب ذرا بدعت کی بھی گنجائش نہیں تو نئی نبوت کی کس طرح گنجائش ہوگی جو شخص حضرت خاتم النبیین کی نبوت کا اس طرح وفادار ہوگا کہ دین میں کسی نئی چیز کو برداشت نہ کرے وہ کسی نبوت کو کیسے برداشت کرلے گا ـــــ کبھی نہیں۔

حضرت خاتم النبیین کے بعد اگر کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش ہوتی تو جس طرح شریعت میں سنت اور بدعت کی بحثیں چلتی ہیں اور علمائے محدثین نے ان کی بڑی تحقیق فرمائی ہے ساتھ کہیں یہ بحث بھی چلی ہوتی کہ اسلام میں بدعت تو نہیں مگر نئی نبوت ہے اور یہ مباحث اس ترتیب سے چلے ہوتے:۔

سنت ـــــ بدعت ـــــ نئی نبوت

سو جو شخص بدعت کو بھی ساتھ پھٹکنے نہ دے گا وہ کبھی نئی نبوت کے جال میں نہ پھنسے گا۔ یاد رکھیئے بدعت سے کلی اجتناب عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی پوری ضمانت ہے۔

② شیعی اثرات سے بچنے کی کلی حفاظت

شیعہ مذہب کے دو حصے ہیں:۔

۱۔ عقائد اور ۲۔ اعمال

عقائد صرف علماء کو معلوم ہوتے ہیں۔ عوام ان کے اعمال سے ان کو پہچانتے ہیں۔ اعمال میں شیعہ مذہب کی بناء ہی خلاف سنت پر ہے۔ ان کے ہاں سنت کا لفظ اہل سنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شیعہ مذہب میں بڑے دن محرم کے دس دن ہیں جس طرح عیسائیوں کے بڑے دن دسمبر کے ایام ہیں۔ جلوس عزاداری، دلدل گھوڑا نکالنا۔ کٹے ہوئے پنجے اٹھانا، چہلم ۲۲، رجب کے کونڈے، تابوتوں کی برآمد، سیاہ لباس۔ یہ وہ اعمال ہیں جو دین محمدی میں کبھی نہ تھے۔ اب جس شخص کے دل میں بدعت سے نفرت ہو گی وہ بھلا ان سیاہ اعمال کے قریب بھی کبھی نہ بھٹک سکے گا۔ سو پھر کبھی نہ ہو گا کہ وہ دلدل سے ان کے عقائد کی دلدل میں جا پہنچے۔ یقین کیجئے بدعت سے اجتناب شیعہ اثرات سے بچنے کی ایک قوی ضرورت ہے۔

③ تسلسل امت میں رہنے کی ضمانت

بدعت سے بچنے والا نہ صرف دین کے نام پر کیئے جانے والے نئے اعمال سے پرہیز کرے گا بلکہ وہ کسی نئے مسلک کا خریدار یا امیدوار بھی نہ بنے گا۔ امت کا یہ قافلہ چودہ سو سال سے ایک تسلسل سے چلا آرہا ہے۔ تابعینؒ نے صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر ——— اور اب تک دین کا یہ قافلہ اپنے اعتماد سے چلا آرہا ہے۔

ہندوستان میں یکایک ترکِ تقلید کی ہوا چلی اور دیکھتے دیکھتے نیچری، ذکری، چکڑالوی اور مختلف عنوانوں کے غیر مقلد اپنے نئے فرقوں کو لے کر سامنے آ گئے۔

عام لوگوں کے بس میں نہ تھا ان کے علمی مباحث سے عہدہ برآ ہوں۔ سو جو لوگ ان نئے فرقوں میں آنے سے بچے رہے۔ وہ وہی تھے جو دین میں تسلسل امت کے قائل اور سلف پر اعتماد کرنیوالے تھے اور سنت نے انہیں یہ مقام بخشا تھا کہ وہ سبیلِ مومنین سے باہر نہ نکلیں — بدعت صرف اعمال میں ہی بُری نہیں فرقہ بندی میں بھی بُری ہے۔ فرعی اختلافات پہ جماعت بندی کرنا بدعت ہے۔ صحابہؓ کا یہ طریق نہ تھا۔

④ صحابہ پر تنقید کرنے سے کلّی حفاظت

خیر القرون کے آخر میں اہل حق میں یہ مسئلہ طے پا گیا تھا کہ صحابہؓ پر تنقید کرنا جائز نہیں۔ ان میں آپس میں جو اختلافات (مشاجرات) ہوئے اُن سے زبان بند رکھنی چاہیئے اور قلم کو روکنا چاہیئے۔ یہی مذہب اہل سنّت تھا۔

اب محض شیعہ کو خوش کرنے کے لیے یا غیر جانبدار بننے کے لیے یا عام ووٹ حاصل کرنے کے لیے صحابہؓ پر تنقید کا دروازہ کھولنا اور کھُلے بندوں اس غلط عقیدے کی تبلیغ کرنا کہ دین کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ صحابہؓ کی غلطی کو غلطی نہ کہا جائے۔ یقیناً ایک اعتقادی بدعت ہے۔ یوں سمجھیے کہ اس آخر دور میں خوارج پھر سے اُبھرے ہیں۔

اب جو شخص عام اعمال میں بدعت سے پرہیز کرے گا وہ عقائد کے باب میں اتنی کھُلی بدعتوں کا کبھی شکار نہ ہو سکے گا۔

⑤ خاندانِ رسالت سے عقیدت و محبت

اہل السنۃ والجماعۃ کی تقریباً تمام کتب حدیث میں حضرت عباسؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرات

حسنین کریمینؓ کے فضائل ومناقب کے باب بندھے ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر دم تک مقرب ومحبوب رہے۔

بعد کے ہونے والے سیاسی واقعات اور امت کے اختلافات میں واقعات کا جو رخ بھی ہو انہیں حلقہ رسالت کے اعتماد اور قرب رسالت کے امتیاز سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور اسی پر اب تک اہل السنۃ والجماعۃ کا اعتقاد رہا ہے۔

اب ان مذکورہ اختلافات کی اس طرح شرح کرنا جس سے ان حضرات کے دامن تقدس پہ دھبے نظر آنے لگیں۔ یقیناً فہم سلف سے ایک بغاوت ہوگی اور تاریخ امت میں یہ بھی ایک بدعت ہے۔

آل رسول کی تعظیم ومحبت کا مسئلہ

یہ پہلوں کی تعظیم اسی لیے ہے کہ آئندہ آنیوالے انہیں اپنا پیشرو جانیں اور خود اپنے لیے نئی راہیں نہ تراشیں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں یہ بات بھی واضح کر دیں کہ اہلبیت سے محبت گروہ بندی سے نہ کی جائے۔

اہل بیت سے محبت ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے۔ یہ کتاب وسنت اور سیرت صحابہ کی مجموعی آواز ہے اسے گروہی تعصب میں رکھنا خود اہل بیت سے انصاف نہیں۔ اہل سنت جس طرح صحابہ کے عقیدت مند ہیں اسی طرح حضورؐ کی ذریت طاہرہ سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں ان میں تفریق پیدا کرنا بدعت ہے جو نہ صحابہؓ سے چلی نہ حسنین کریمینؓ سے۔ سو جو شخص ان دونوں میں گروہ بندی کرے گا وہ ہرگز کتاب وسنت پر عمل پیرا نہ سمجھا جائے گا۔ دونوں طبقوں سے عقیدت اور محبت راہ سنت ہے اور ان میں گروہ بندی راہ بدعت۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان کا جزو لازم ہے۔ آپ کے صحابہ اور اہلبیت سے بھی عقیدت ومحبت لازم ہے۔ یہ آسمان ہدایت کے ستارے اور باغ رسالت کے پھول ہیں۔ مومن کو یہ عقیدت ومحبت ایمان کی لائن میں رکھے گی اور مومنین کرام ان کی پیروی میں اپنے میں ایک روحانی سکون محسوس کریں گے۔ کوئی مومن ان سے آگے بڑھنے کا دعویدار نہ ہوگا۔ بدعت کیا ہے؟ سنت سے آگے بڑھنا اور اس چیز کو دین میں داخل کرنا جو صحابہ اور اہل بیت کرام کے ہاں دین میں نہ تھی

9
6

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس مسئلہ میں علماء دیوبند کا نقطۂ نظر بھی پیش کر دیں۔ دیوبند کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رح فرماتے ہیں :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزو ایمان بلکہ مدار ایمان ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کی تعظیم و محبت بھی اسی پیمانے سے واجب و لازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی صلبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبت قرب حاصل ہے اس لیے ان کی محبت بلاشبہ جزو ایمان ہے۔ ... خلاصہ یہ کہ حب اہلبیت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا۔ باجماع و اتفاق ان کی محبت و عظمت لازم ہے اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمت پر حملہ کیا جاتا ہے ورنہ آلِ رسول کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلہ نسب کتنا ہی بعید بھی ہو ان کی عظمت و محبت عین سعادت و اجر و ثواب ہے (معارف القرآن جلد ۷ ص ۶۹۱)

نہایت افسوس ہے کہ بعض لوگ اپنے نئے تاریخی مطالعہ سے اچانک کسی وادیٔ حیرت میں جا کودتے ہیں اور وہ بعض اکابر اہل بیت کے بارے میں بھی بے ادبی سے نہیں چوکتے۔ ناصبیت کے اس جال میں زیادہ وہی لوگ آتے ہیں جو نئی راہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے علماء اس تحقیق کو نہیں چھو سکے جو یہ نئے خلف کر پائے ہیں یہ بھی ایک اعتقادی بدعت ہے۔

ناصبیّت کے اس جال میں زیادہ تر وہی لوگ آتے ہیں جو نئی راہ اختیار کرنے میں کوئی باک نہ سمجھتے تھے۔ یہ لوگ برملا کہتے ہیں کہ پہلے علماء اس تحقیق کو نہیں چھو سکے جو یہ نئے خلف کر پاتے ہیں سو یہ ایک اعتقادی بدعت ہے جو ان دنوں خاندانِ رسالت کے خلاف اٹھ رہی ہے۔

جو شخص سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت کرے گا اللہ رب العزت اسے قافلۂ امت میں سلف صالحین کے ساتھ رکھیں گے اور یہ وہ دولت ہے جس پہ بدعت کی تمام رونقوں کو قربان کیا جا سکتا ہے۔

ایجادِ بدعت افترا علی الرسول کا دوسرا نام ہے

شریعت صرف نقل و استنباط سے پہچانی جاتی ہے اور شریعت کا منبع پیغمبر کی ذات ہے جس سے اللہ رب العزت کی مرضیات اور عدم مرضیات کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر کوئی دین میں کوئی ایسی چیز داخل کرتا ہے جو اصلاً اور استنباطاً دین کی نہیں تو وہ حقیقت میں افترا علی الرسول کا مجرم ہے کہ بات تو دین میں کہیں موجود نہیں۔ نہ کتاب وسنت میں نہ مجتہد کے اجتہاد میں مگر وہ اسے دین بنا رہا ہے۔

بدعت کو اچھا جاننا رسالت پر خیانت کا الزام ہے

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمداً صلی اللہ علیه وسلم خان الرسالة لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا فما لم یکن یومئذ دیناً فلا یکون الیوم دینا[1]

ترجمہ جس نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی اور وہ اسے نیکی سمجھنے لگا تو گویا اس نے گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے احکام پہنچانے میں (معاذ اللہ) خیانت کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین چن لیا۔ سو جو چیز اس دن دین نہ تھی آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

بدعتی کو سُنّی کہنے کا گناہ

اب یہ جانتے ہوئے کہ فلاں فلاں اعمال بدعت ہیں اور ان کے کرنے والے بدعتی ہیں پھر

---

[1] الاعتصام للشاطبی جلد ۱ ص ۴۹

اگر کوئی انہیں سنی کہتا ہے تو کیا اس نے ان تمام بدعات کو سنت نہ کہا اور یہ کہنا کیا افتراء علی الرسول نہیں؟ ــــ افسوس کہ جو لوگ اصلاً بدعتی نہ تھے وہ ان بدعتیوں کو سنی کہہ کر خود اس الزام کے ملزم ہو گئے جو مولانا احمد رضا خاں پر سالہا سال سے چلا آرہا تھا ــــ یاد رکھیئے بدعتی کو سنی کہنا سخت گناہ ہے۔

بدعت بہ نسبت گناہ کفر کے زیادہ قریب ہے

سلسلہ چشتیہ کے خواجہ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ) فرماتے ہیں:

بدعت از معصیت بالاتر است و کفر از بدعت بالاتر۔ بدعت بکفر نزدیک است[۱]

ترجمہ: بدعت گناہ سے کہیں زیادہ خطرناک چیز ہے اور کفر بدعت سے بھی کہیں آگے ہے۔ بدعت کفر کے بہت قریب ہے۔

بدعتی اور کافر میں کس کی صحبت اہلسنت کے لیے زیادہ خطرناک ہے

مومن اور کافر میں فاصلے قطعی ہیں۔ مومن آسانی سے کفر میں نہیں پہنچتا بخلاف سنی اور بدعتی کے کہ ان میں فاصلے ظنی ہیں۔ دونوں ایک اصل سے وابستگی کے مدعی ہیں اور ان میں اشتباہ بہت جلد راہ پا جاتا ہے۔ بھٹی کے پاس سے گزرنے والا گو قصداً بھٹی کے پاس نہیں آرہا مگر اس کے سفید کپڑوں میں اگر دھوئیں کا کوئی عکس دکھائی دے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نفوس میں جتنا فاصلہ کم ہوگا اتنا جلدی وہ ایک دوسرے کا اثر قبول کریں گے۔ اب یہ نہیں کہ بدعتی پر سنت کے آثار پھیلیں سنی پر کچھ بدعت کے اندھیرے ضرور پھیلیں گے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

ضرر فساد مبتدع زیادہ از فساد صحبت کافر است[۲]

ترجمہ بدعتی کی صحبت کافر کی صحبت سے زیادہ برے اثرات رکھتی ہے۔

[۱] فوائد الفواد ص۱۰۱ [۲] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۴

بدعت جہالت کے سائے میں پلتی ہے

کفر کبھی علم کے سایہ میں ٹیڑھی راہ چلتا ہے. قادیانیت اور اعتقادِ امامت اسی کفر کی پیداوار ہیں لیکن بدعت ہمیشہ جہالت کے سائے میں پلتی ہے اسے کبھی علم کا سہارا نہیں ملتا.

بدعت کو عالم مثال میں دیکھئے

یہاں وہ چیزیں جو محض حقائق اور معانی ہیں حسیات میں نہیں آتیں. اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں انہیں ان کے مناسب شکلیں دے رکھی ہیں علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا گیا ہے. قرآن کو حوضِ کوثر کی شکل میں دیکھا جا سکے گا. اسلام کو حضرت عمرؓ کی شکل میں جلوہ گر کیا جائے گا. اس طرح بدعات کو جن بزرگوں نے کسی مثالی صورت میں دیکھا انہیں ظلمات اور اندھیروں کے سوا کچھ نہیں پایا. سو بدعت میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور سنت میں روشنی ہی روشنی ہے. سنت کے مطابق کیے گئے اعمال کا نور ساتھ ساتھ چلے گا اور بدعت کے اندھیروں میں چلنے والے پل صراط سے کامیاب پار نہ ہو سکیں گے.

پل صراط پر چڑھنے سے پہلے مومنین کے ساتھ اُن کا نور ایمان ہوگا. یہ ایک تیز روشنی ہوگی ایمان ایک معنوی چیز ہے یہ روشنی کی صورت میں جلوہ گر ہوگا. مومن کے نیک اعمال اسکی داہنی طرف جمع ہوتے رہے وہ بھی ایک نور کی صورت پائیں گے. شیخ الاسلام لکھتے ہیں.

میدان حشر سے جس وقت پل صراط پر جائیں گے سخت اندھیرا ہوگا تب اپنے ایمان اور عمل صالح کی روشنی ساتھ ہوگی شاید ایمان کی روشنی جس کا محل قلب ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنے. کیونکہ نیک اعمال داہنی طرف جمع ہوتے ہیں [١]

یوم تری المومنین والمومنات یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم بشراکم الیوم جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ذلک الفوز العظیم [١٢] الحدید

(ترجمہ) جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو اُن کے آگے آگے روشنی دوڑتی چلے گی اور اُن کے داہنے . . . یہ ہے بڑی مراد ملنی.

معلوم ہوا کہ ایمان جو ایک معنوی چیز ہے اور اعمال جو اعراض ہیں انہیں اس دن ایک حسی صورت دی جائے گی اس دن معانی بھی اجسام پائیں گے۔

بدعت عالم مثال میں کیا ہوگی؟ ایک اندھیرا۔ اور بدعتیوں کے لیے اندھیروں پر اندھیرے ہوں گے۔ حضرت امام ربانی نے بدعت کو عالم مثال میں کیا دیکھا؟ ایک اندھیرا۔ اسے ان کے اپنے الفاظ میں دیکھیے :-

> یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا اور ان میں اندھیرے اور کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔
>
> (مکتوبات شریف دفتر اول صا۲۱)

کیا اب کسی نقشبندی مجددی سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بدعت کو بدعت حسنہ کہہ کر اس کے اندر کسی حسن اور نورانیت کا دعوے کرے۔ بدعت عالم مثال میں ایک اندھیرے کے سوا کچھ نہیں اور بدعات بدعتی بے نصیب پر اندھیروں کے اوپر اندھیرے چڑھے ہیں، یہاں گو اسے ان کا خطرہ محسوس نہ ہو لیکن پل صراط پر آتے ہی اسے پتہ چل جائے گا کہ علمائے دیوبند اس کے کتنے خیر خواہ تھے جو اسے دنیا میں بدعات سے روکتے تھے سنت وہ شاہراہِ نور ہے جو خوش قسمت لوگوں کو پل صراط عبور کرتے ملے گی۔

بدعت کی اہل بدعت کے لیے اضافی آفات

ایک شخص خود کسی بدعت پر عمل نہیں کرتا لیکن اس کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہے اور ان میں کئی بدعتیں بھی ہیں کبھی وہ اس کے پاس آتے بھی ہوں گے وہ ان کو اپنے ہاں بٹھانے سے بھی اس لعنت میں آگیا جو اس بدعت پیدا کرنے والے پر اتر رہی ہوتی ہے۔

① بدعتی کو پناہ دینے کی آفت

حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس نے مدینہ منورہ میں کوئی بدعت ایجاد کی یا اس نے وہاں کسی بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور صالحین امت کی لعنت اُترتی ہے۔

فمن احدث فیہا حدثًا او اٰوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین[1]

ترجمہ۔ جس نے مدینہ میں کوئی نئی چیز پیدا کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی سو اس پر اللہ کی لعنت تمام فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

مدینہ منورہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ جب اتنے اشرف مقام میں بھی بدعتی لعنت سے نہیں بچ سکا تو اور جگہوں میں جہاں پہلے بھی بڑی ظلمتیں ہوں وہاں بدعتی کس طرح بحرظلمات میں ڈوبنے سے بچ سکے گا۔ حافظ ابن بطال لکھتے ہیں :-

خصت المدینۃ بالذکر لشرفہا لکون مھبط الوحی و موطن الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام و منہا انتشر الدین فی اقطار الارض[2]

ترجمہ۔ مدینہ کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ وہ جگہ وحی کی فرودگاہ رہی اور موطنِ رسولؐ رہی اور وہیں سے تمام اطرافِ عالم میں دین پھیلا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۴ [2] فتح الباری جلد ۲۸ صفحہ ۴۴

② بدعتی کی کوئی دوسری نیکی بھی قبولیت نہیں پاتی

بدعت کی اضافی آفات میں یہ آفت سب سے بڑی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے دوسرے نیک اعمال بھی اللہ کے ہاں قبولیت نہیں پاتے۔ ایک بدعت کی وجہ سے زندگی کے سارے سرمایہ اعمال کو ضائع کر لینا اس سے زیادہ نقصان کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لا یقبل اللہ منہ صرفاً ولا عدلاً رواہ البخاری۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض اور نفل قبول نہیں فرماتے۔

حضرت حذیفہ رض کہتے ہیں حضور نے فرمایا :-

لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوماً ولا صلوٰۃً ولا صدقۃً ولا حجاً ولا عمرۃ ولا جہاداً ولا صرفاً ولا عدلاً۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتے ہیں نہ نماز نہ زکوٰۃ نہ حج نہ عمرہ اور نہ جہاد اور نہ اس کی کوئی فرضی عبادت اور نہ کوئی نفلی عبادت۔

بدعتی تو ایک طرف رہا اس سے دوستی رکھنے والے کے بھی نیک اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض (۱۸۷ھ) فرماتے ہیں :-

---

[1] سنن ابن ماجہ صہ ۔ [2] غنیہ صہ ۱۸۶

③ بدعتی کے اکرام سے توہین اسلام کا جُرم بنتا ہے

ایک شخص بدعتی نہیں لیکن جب اس کے بدعتی دوست اس کے پاس آتے ہیں وہ ان کا اکرام کرتا ہے انہیں عزت سے اپنے پاس بٹھاتا ہے اب یہ خود توہین اسلام کا مرتکب ہوگیا اس نے اسلام کی کھڑی دیوار گرانے میں اس بدعتی کی مدد کی اور اعانت جرم میں وہ بھی مجرم ہوگیا۔ حضرت ابراہیم بن میسرہؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام۔[۱]

ترجمہ: جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔

علامہ طیبی (۷۴۳ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

وذلك لان المبتدع مخالف للسنة ومائل عن الاستقامة لان معاونة نقيض الشئ معاونة لدفع ذلك الشئ وكان من حق الظاهر ان يقال من وقر المبتدع فقد استخف السنة ...... فاذا كان حال الموقر هذا فما بال حال المبتدع

علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) بھی لکھتے ہیں:-

ان الشرع يامر بزجره واهانته واذلاله بما هو اشد من هذا كالضرب والقتل فصار توقيره صدودًا عن العمل بشرع الاسلام واقبالًا على مايضاده وينافيه[۲]

ترجمہ: بیشک شریعت اسے جھڑکنے کا حکم دیتی ہے اس کی توہین اور تذلیل اس سے زیادہ چاہتی ہے اس کی پٹائی ہو یا اسے جان سے مارا جائے پس اس کی توقیر شرع اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ بنے گی یہ وہ کام ہے جو شریعت کی ضد ہوگا اور اسکے خلاف ہوگا۔

---

[۱] شرح الطیبی، جلد ۱ ص ۳۸ [۲] کتاب الاعتصام جلد ۱ ص ...

⑦ بدعتی کے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ

انسان پر موت کے وقت عجیب وغریب واردات ہوتی ہیں ابھی روح قبض نہیں ہوتی کہ اگلے جہان کے کچھ پردے اُٹھ جاتے ہیں. بدعتی اپنے جن نظریات وعقائد کو سرمایہ نجات سمجھتا رہا پردہ اُٹھنے سے وہ اسے اپنے سیاہ اعمال دکھائی دیتے اتنے میں شیطان نے اپنی واردات کی کہ آگے تجھے پتہ چلے گا کہ تو توحید ورسالت کے اقرار میں بھی غلطی پر ہی رہا___ ذہن پہلے شکست خوردہ تھا اب اسے اپنی قطعیات میں بھی شک ہوگیا. بدعات کے سیاہ سائے اس کے عقائد اسلام کو بھی لے ڈوبے. اتنے میں ملک الموت نے روح قبض کرلی. یہ اس بدعتی کا سوءِ خاتمہ کیوں ہوا. بدعات میں زندگی گزارنے کے باعث بدعات اسے خاتمہ بالخیر سے بھی محروم کر گئیں.

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں:۔

واما انّه يخاف على صاحبها سوء الخاتمة والعياذ بالله فلان صاحبها مرتكب اثماً وعاصٍ لله تعالى حتماً.... ومن مات مصرًا على المعصية فيخاف عليه فربما اذا كشف الغطاء وعاين علامات الآخرة استفزه الشيطان وغلبه على قلبه حتى يموت على التغيير والتبديل.[1]

ترجمہ. بدعتی کے سوءِ خاتمہ کا کھٹکا لگا رہتا ہے اللہ اس سے بچائے بدعتی بیشک بدعت سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور حتمی طور پر اللہ کا نافرمان ہے.... اور جو شخص گناہ پر مصر رہتے مرا سو اس پر سوءِ خاتمہ کا ڈر ہے کیا دفع ہو سکتا ہے کہ جب آخرت کا پردہ اُٹھے اور وہ آخرت کی علامات دیکھے شیطان اسے آلے اور اس کے دل پر غلبہ پالے یہاں تک کہ وہ اسی تغییر اور تبدیل (عقائد) پر دم دے.

---

[1] کتاب الاعتصام صد ۹۴

معتقداً فی المعصیۃ انہا طاعۃ حیث حسن ما قبحہ الشارع ..... فہو قد قبح ماحسنہ الشارع ومن کان ھکذا فحقیق بالقرب من سوء الخاتمۃ الا ما شاء اللہ وقد قال اللہ تعالیٰ فی جملۃ من ذم افأمنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون۔ (پ۹ الاعراف ۹۹)

ترجمہ۔ وہ شخص گناہ کو سمجھ رہا ہے کہ یہ نیکی ہے وہ اس چیز میں حسن دیکھ رہا ہے جسکو شارع علیہ السلام نے قبیح جانا سو اس نے اسے قبیح جانا جسے شارع نے اچھا کہا تھا۔ پس جس شخص کا یہ حال ہو وہ سوء خاتمہ (برے انجام) کے بہت قریب آلگا مگر وہ جسے خدا بچا لے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں جن کی مذمت کی گئی فرمایا کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف ہو چکے ہیں اس داؤ سے وہی بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں۔

۵ بدعات پر جو عالم خاموشی اختیار کرے اس کا انجام

حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا حدث فی امتی البدع وشتم اصحابی فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔[1]

ترجمہ جب میری امت میں بدعتیں اٹھیں اور میرے صحابہؓ کو برا کہا جانے لگے تو عالم کو اپنا علم سامنے لانا چاہیے جو ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی۔

اس حدیث میں صحابہؓ کا ذکر بتلاتا ہے کہ یہ انجام بدعت فی العقائد کے مجرموں کا بتایا جارہا ہے لیکن حضورؐ کی دوسری حدیث من احدث فی امرنا ھذا عام ہے جو بدعت فی العقائد اور بدعت فی الاعمال دونوں طرح کی بدعات کو شامل ہے اور اس روایت کا پہلا جزو اذا حدث فی امتی البدع بھی ہر دو طرح کی بدعات کو شامل ہے۔

---

[1] کتاب الاعتصام جلد۱ صـ۵۸

یہاں بدعات کو سب صحابہؓ سے جوڑ کر بیان کیا گیا ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ اہل بدعت اپنے اعمال بدعت میں صحابہؓ سے دور منحرف ہوں گے۔ اگر وہ صحابہؓ کو اپنے لیے معیار سمجھتے تو کبھی بدعات کے گڑھے میں نہ گرتے۔ خارجی ہوں یا رافضی یا عام بدعتی کسی کو حوض کوثر پر پہنچنا نصیب نہ ہوگا۔ حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

کل من احدث فی الدین فھو من المطرودین عن الحوض کالخوارج والروافض وسائر اھل الاھواء۔[۱]

⑥ بدعتی حوض کوثر سے محروم واپس جائیں گے

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:۔

اتدرون ما الکوثر؟ فقلنا اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ نھر وعدنیہ ربی عز وجل علیہ خیر کثیر وھو حوض ترد علیہ امتی یوم القیمۃ انیتہ عدد النجوم فیختلج العبد منھم فاقول رب انہ من امتی فیقال ما تدری ما احدثوا بعدک۔[۲]

ترجمہ: تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے (اس لیے اسے کوثر کہا گیا) اور وہ ایک حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن وارد ہوگی اس کے آبخورے ستاروں کی گنتی کے ہوں گے ان لوگوں میں کچھ لوگ پیچھے دھکیلے جائیں گے میں کہوں گا یہ تو میرے امتی ہیں مجھے کہا جائے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔

نوٹ: جن روایات میں امتی کی بجائے اصحابی کا لفظ آتا ہے وہاں بھی مراد امتی ہی ہوں گے نہ کہ حضورؐ کے عہد کے لوگ۔ یہ روایت اس روایت کی وضاحت کر دیتی ہے۔

---

[۱] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ [۲] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷۲

⑦ بدعتیوں کا آخرت میں مسخ اشکال

بدعتی جس طرح دین کا حلیہ بگاڑتے ہیں کہ دین کی وہ شکل باقی نہیں رہتی جو صحابہؓ اور ائمہؒ کے دور میں اس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں ان کی شکلیں آخرت میں بدل دیں گے ان کا مسخ اشکال جانوروں کی صورت میں ہوگا جہنم کی سزا تو ان کو ان کی بدعات پر ملے گی لیکن ان کی شکلیں دین کی شکل کو بگاڑنے کی وجہ سے بگڑیں گی۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :۔

بد مذہب کتا ہے یا نہیں ؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتے سے بھی بدتر اور ناپاک تر ہے کتا فاسق نہیں ہے اور یہ اصل دین و مذہب میں فاسق ہے کتے پر عذاب نہیں اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے۔ میری نہ مانو سید المرسلین کی حدیث مانو۔ ابو حاتم خزاعی حضرت ابو امامہ باہلی سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اصحاب البدع کلاب اھل النار۔ بدعتی دوزخیوں کے کتے ہیں[1]

⑧ ایک بدعت اور کئی بدعتوں کو کھینچتی ہے

مٹھائی پر ایک مکھی کا آنا ایک مکھی کا آنا نہیں بس سمجھ لیجئے کہ اب اور بھی مکھیاں آئیں گی۔ جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے ایک بدی دوسری بدی کو کھینچتی ہے نیکی صرف نیکی ہی کے لیے نہیں کی جاتی کبھی استقامت قائم رکھنے کے لیے بھی کی جاتی ہے یہ ایک اپنی غرض ہے کہ میری نیکیاں اپنی جگہ قائم رہیں کہیں ضائع نہ ہو جائیں اور اس میں اللہ کی رضا کی بھی طلب ہوتی ہے :۔

ومثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ وتثبیتاً من انفسھم کمثل جنۃ بربوۃ اصابھا وابل۔ (پ۳ البقرہ ۲۶۵)

① جو اپنے اموال اللہ کی رضا کے لیے اور ② اپنے دلوں کو مضبوط کیے خرچ کرتے ہیں۔
بدعتی کو بدعت کا یہ وبال ملتا ہے کہ اسے استقامت نصیب نہیں ہوتی وہ تثبیت سے محروم رہتا ہے۔

---

[1] فتاویٰ افریقہ ص۱۴۴ یہ حدیث جامع صغیر جلد ۱ ص۱۷ میں موجود ہے۔

⑨ ہر بدعت اپنے ساتھ کچھ سُنّتوں کو مٹاتی ہے

بدعتی پر بدعت کا یہ وبال آتا ہے کہ وہ سنتیں جن پر وہ پہلے عمل پیرا تھا وہ بھی ایک ایک کر کے اس سے چھین لی جاتی ہیں.

اعلیٰ اور ادنیٰ کے اختلاط میں نتیجہ ہمیشہ ادنیٰ کے تابع ہوتا ہے. ایک شربت پورا میٹھا ہو اور دوسرا کم میٹھا (پھیکے کے قریب قریب) تو جب دونوں کو ملا دیں تو مجموع پھیکے پن کی طرف جائے گا. جو شخص اپنے آپ کو سُنّی کہے اور پھر بدعات میں پڑے تو اس اختلاط سے نورِ سنّت اٹھتا جائے گا اور سنتیں ایک ایک کر کے اس سے چھنتی جائیں گی.

⑩ دین سراپا اتّباع ہے بدعت اس کے خلاف ایک بغاوت ہے

دین سراپا اتباع اور پیروی کا نام ہے بدعت اسی فکر کے خلاف ایک بغاوت ہے جو بریلویوں نے محبت کے عنوان سے بپا کر رکھی ہے. سوال یہ ہے کہ کیا بغاوت محبت کے عنوان سے بھی بپا ہو سکتی ہے؟ کہتے ہیں کیوں نہیں. کیا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی عقیدت اور وافر محبت میں ان کے اصل دین سے بغاوت نہیں کر رکھی؟ اور کیا اثنا عشریوں نے اہل بیت کی عقیدت اور محبت کے گمان میں حضرت علی المرتضیٰ حسن مجتبیٰ سے عملی بغاوت نہیں کی؟ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کفر جس طرح کبھی عداوت کی راہ سے آتا ہے کبھی محبت کی راہ سے بھی آتا ہے. بریلویوں کی بدعات کچھ اسی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں جنہوں نے بریلویوں کو راہِ سنت سے بہت دور کفر کی سرحد کے قریب لا کھڑا کیا ہے. اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کو شرک کی دلدل سے نکالے گو ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہیں اس دلدل سے کبھی سلامتی سے نکلنا نصیب ہوا. مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:-

> نصرانی اور یہودی کافر دونوں ہیں کہ ایک محبوبانِ خدا کی محبت میں اور دوسرے عداوت میں. قرآن عظیم میں یہودیوں کو مغضوب علیہم اور نصاریٰ کو ضالین فرمایا.

یہی وجہ ہے کہ آج روئے زمین پر کوئی یہودی ایک گاؤں کا بھی حاکم نہیں بخلاف نصاریٰ کے کہ ان کی سلطنت ظاہر ہے اور بعینہ یہی مثال روافض و وہابیہ کی ہے کہ روافض مثل نصاریٰ کے محبت میں کافر ہوئے اور وہابیہ مثل یہود کے عداوت میں چنانچہ روافض کی حکومت ایران کا تخت موجود ہے اور وہابیہ کی کہیں ایک ٹپریہ بھی نہیں[1]

بریلوی عام لوگوں میں یہی تاثر دیتے ہیں کہ انہیں محبوبان خدا سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس محبت سے یہ ضروری نہیں کہ وہ کفار و مشرکین سے کچھ زیادہ فاصلے پر ہوں۔ حق کی میزان کتاب وسنت ہیں۔ بریلویوں کی اولیاء کرام سے کتنی محبت کیوں نہ ہو قرآن کریم قطعی بیان ہے کہ مشرک کبھی بخشا نہ جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تبھی لائق تسلیم ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی محبت دل و دماغ میں پیوست ہو اور بدعات سے اس طرح نفرت ہو جیسے نفیس طبائع کے لوگ مکھی کے کھانے پر بیٹھنے سے طبعاً نفور ہوتے ہیں ان کے لیے شریعت طبیعت بنی ہوئی ہے۔

بدعت کے یہ نقصانات جو ہم نے عرض کیے اُن نقصانات کے علاوہ ہیں جو بدعتی کو آخرت میں دیکھنے پڑیں گے۔ بدعتی کا خاتمہ ایمان پہ ہونا خطرے سے خالی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی یہ دوسری بدنصیبی ہے۔ جس سے بدعتی آخرت میں دوچار ہوگا اور حوض کوثر سے اسے پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔

رہی یہ بات کہ مولانا احمد رضا خاں کی یہ پیشگوئی کہ وہابیہ کی کہیں ایک ٹپریہ بھی نہیں ہو سکتی یہ غلط نکلی۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ مرزا غلام احمد کی پیشگوئیاں تو اس سے بھی زیادہ جھوٹی نکلیں۔ وہ مدعیِ نبوت تھا اور یہ تو ابھی مجدد ہی بنے تھے۔

ھ دکم حسراتٍ فی بطونِ المقابر

---

[1] احکام شریعت حصہ ۲ صفحہ ۲۲۳

برصغیر پاک و ہند میں آپ دیکھیں گے جہاں جہالت کے سائے زیادہ ہیں وہاں بہت سی بدعات آپ کو راہ پاتے ملیں گی اور دیہات اور پسماندہ بستیوں میں جہاں جہالت کے دبیز پردے پڑے ہیں وہاں ملنگوں اور بریلویوں کی بھیڑ زیادہ نظر آئے گی۔ افراد اصولوں پر جمیں تو بیشک ایک قوم ہیں۔ مگر بریلوی جہاں بھی ہوں گے ایک قوم نہیں ایک بھیڑ ہوں گے اور اگر کبھی مقابلے کی نوبت آجائے تو بھیڑ ہوں گے۔

چونکہ دیہات کی آبادی شہروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس پر انہوں نے عوامی اکثریت کا دعوے کر رکھا ہے۔ ورنہ علمی پیرایہ میں یہ ایسی اقلیت میں ہیں کہ شاید ہی جہالت میں کبھی کسی کا گراف آتنا نیچا ہوا ہو۔

بدعت سے بچانے کے لیے علماء حق کی کوششیں

جب کسی علاقے میں بدعت کے اندھیرے پھیلے۔ علمائے حق نے وہاں پوری تندہی سے سنت کے چراغ جلائے اور بدعت کی ظلمت کو کہیں بڑھنے نہیں دیا۔ قرون وسطی میں امام ابن تیمیہؒ حنبلی (۷۲۸ھ) علامہ شاطبی مالکیؒ (۷۹۰ھ) نے تحفظِ سنت اور رد بدعت پر بنیادی کام کیا ہے۔ حنفیہ کرام میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) اور حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے بعد اس میدان کے بطلِ جلیل حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ہوئے ہیں۔ آپ کے بعد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تحفظ سنت پر بڑی محنت فرمائی ہے۔ تاہم حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے براہینِ قاطعہ لکھ کر اہلِ بدعت پر وہ حجت تمام کی کہ اب تک اس کے اثر سے اہلِ بدعت کی نبضیں خاموش ہیں اور حضرت مولانا مرحوم پر الزام تراشی کے سوا اب تک ان سے ان کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

پھر اس لائن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنی شاہجہانپوری اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے بنیادی کام کیا۔ پھر ان کے بعد استاد المکرم حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر نے اقامتِ سنت اور اہانتِ بدعت پر قلم اٹھایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب چراغِ سنت اور مولانا سرفراز خاں کی کتاب راہِ سنت اس ظلمت کدہ میں سنت کے واقعی دو روشن چراغ ہیں۔

بدعت کے وبال سے نکلنے کی ایک راہ

کسی شخص کو کسی درجے میں بدعت میں گھرا دیکھیں تو سوال اُبھرتا ہے کہ اب اس کی کسی طرح بخشش ہو سکے گی؟ اس کے جواب میں آپ کو اس بدعت کی تاریخ معلوم کرنی چاہیے۔ اس کا قائل اگر مجتہد درجے کا ہے گو اس کے اجتہاد کو امت نے قبول نہ کیا ہو اور اس نے کسی تاویل سے اس بدعت کی راہ کھولی ہو تو ہو سکتا ہے ازراہِ تاویل اس مجتہد کو آخرت میں معافی مل جائے اور اس طرح اس شخص کو بھی جو اس کی تقلید میں اس راہ پر چلا ہو ــــ خطاء مجتہد اور تقلید کے سوا بدعت کے وبال سے بچ نکلنے کی اور کوئی راہ نہیں ہے۔ بدعت کے وبال سے نکلنے کی صرف ایک ہی راہ ہے ــــ وہ یہ کہ بدعتی مجتہد درجے کا ہو اور کسی تاویل سے اس نے اس بدعت کو استناد مہیا کیا ہو یا وہ بدعتی کسی مجتہد کی تقلید سے بدعت میں مبتلا ہو۔

یہ راہِ تقلید ایسی نعمت ہے کہ شاید اس بدعتی کو بدعت کے وبال سے بچا لے اور آخرت میں اس کی بخشش ہو جائے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

ولا ریب ان من فعل البدع متاولاً مجتهداً او مقلداً کان له اجر علی حسن قصده وعلی عمله من حیث ما فیه من المشروع وکان ما فیه من المبتدع مغفوراً له اذا کان فی اجتهاده او تقلیده من المعذورین۔[1]

ترجمہ۔ اور اس میں شک نہیں کہ جس شخص نے بدعات پر تاویل کی راہ سے عمل کیا اور وہ اس میں مجتہد کا مقام رکھتا ہو یا وہ (کسی ایسے مجتہد کا) مقلد ہو (جس نے بدعت کی وہ راہ نکالی) تو اسے اپنی نیت اور عمل کے مطابق اپنے ان اعمال (بدعت) کے حصہ مشروع پر اجر ملے گا اور حصہ بدعت پر اس کی مغفرت ہو سکے گی بشرطیکہ وہ اپنے اجتہاد یا تقلید میں معذورین میں سے ہو۔

10
6

[1] طریق الوصول الی العلم المامول صفحہ ۱۳۶ طبع مصر

یہ اسی طرح ہے جیسے دوسرے اجتہادی مسائل میں غلطی اور خطا۔ کے وبال سے بچنے کی راہ صرف یہ ہے کہ کسی مجتہد کی پیروی میں اس نادرست فیصلے پر عمل پیرا ہو ورنہ اس کے غلطی کے اس وبال سے بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں۔ آخرت میں یہ لوگ حسرت سے کہیں گے ——— لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ (پ ۲۹ : الملک آیت ۱۰)

بدعتی اگر مجتہد متاول یا مقلد ہونے کی راہ سے ان بدعات پر آیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان بدعات کو برا نہ سمجھا جائے یا اس سے لوگوں کو روکا نہ جائے یا اسے امر مشروع سے نہ بدلا جائے ——— یہ رعایت جو حافظ ابن تیمیہؒ نے بیان کی ہے وہ بدعتی کے حق میں ہے بدعت کے حق میں نہیں اور بدعتی کے حق میں بھی صرف اس بحث میں کہ اس کی مغفرت ہو سکے گی یا نہ؟ یہ نہیں کہ اب اس کا شمار بدعتیوں میں سے نہیں۔

پچھلے لوگوں میں سے کسی سے اگر کوئی بدعت صادر ہوئی تو اسے اس راہ میں معذور سمجھنا چاہیے یہ نہیں کہ اس کے اس عمل کو بہانہ بنا کر ان کی اس بدعت کو سند جواز مہیا کی جائے جو لوگ اپنے پیروں کے عمل کو سند بنا کر بدعات کا دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ان پہ سخت نکیر فرمائی ہے۔

افسوس کہ ہمارے بریلوی عوام امام ابن تیمیہؒ کی بیان کردہ اس راہ سے بھی آخرت میں بدعت کے وبال سے نہ بچ سکیں گے کیونکہ وہ بقولِ خویش حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں کسی ملنگ یا بدعتی امام کے نہیں ——— اور وہ بریلوی جو امام ابو حنیفہؒ کی بجائے مولانا احمد رضا خاں کو امام مانتے ہیں انہیں بھی اس راہ سے جو حافظ ابن تیمیہؒ نے بتائی ہے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ کیونکہ مولانا احمد رضا خاں مجتہد کے درجے کے نہ تھے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن نے علم کے میدان میں انہیں بلا ہا پچھاڑا تھا اور وہ کبھی ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے تھے۔ مولانا معین الدین اجمیریؒ نے ان کے خلاف القول الازہر لکھ کر ان کی علمیت کو طشت از بام کر دیا تھا۔

بدعت سے نفرت پیدا کرنے کی راہ

بدعت سے نفرت پیدا کرنے کے لیے سنتوں سے محبت ضروری ہے اور سنت سے محبت کی راہ آپ کو بزرگوں کی صحبت سے ملے گی نہ کہ گیارہویں کی مجالس سے۔

بندۂ مومن کو چاہیئے کہ بزرگانِ دین نے بدعتوں کی آفتوں کا جو ذکر کیا ہے اسے بار بار پڑھے اور ان بزرگوں کی نسبت سے اپنے دل میں سنت کا نور اتارے۔ یہ وہ راہ ہے جس سے ہر ولی کو گزرنا پڑا ہے۔ اور اس مجاہدے کے بغیر کوئی ساحلِ ولایت پر نہیں اُترتا۔

حضورؐ کی محبت کو سنتوں کی محبت لازم ہے

محب کی نظر میں محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے اپنی اُدا اور کنار جس چیز نے بھی اس سے نسبت پائی ہو وہ محب کی نظر میں محبوب ہو گی۔ اس امت کے لیے حضورؐ کے صحابہؓ اور اہلبیتؓ سے محبت کیوں ضروری ہے؟ یہ اس لیے کہ وہ حضورؐ کی نسبت پائے ہوتے ہیں۔ اب ان کی ادائیں بھی محبوب کی اداؤں کے ساتھ محب کے لیے جاذبِ نظر ہوں گی۔

اسلام میں حضورؐ کی محبت سب بنی نوعِ انسان کی محبت سے اقدم و اولیٰ ہے۔ دل کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں ظاہر میں صرف وہ شخص آپ سے محبت کرنے والا سمجھا جا سکتا ہے جسے آپ کی سنتوں سے پیار ہو۔ اسے صحابہؓ اور اہلبیت کی سنتوں سے پیار ہو اور ان کے طریقوں کے ماسوا دین کے نام پہ کیا جانے والا ہر عمل اسے بدعت نظر آئے۔ بدعت سے پیار کرنے والا کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محب نہیں ہو سکتا۔ جھوٹ اور دھوکا دوسری بات ہے۔

انگلینڈ میں عام آنے والے دین سے بے خبر تھے

یہاں (انگلینڈ میں) جو مسلمان ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش سے آئے ہیں ان میں زیادہ تر

مزدور طبقہ کے لوگ ہیں جو فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں اور جن لوگوں نے یہاں کاروبار اور تجارت کی راہیں اختیار کی ہیں ان میں بھی غالب اکثریت دین سے ناواقف لوگوں کی ہے۔ بایں ناخواندگی اور درماندگی ان لوگوں کے پاس جو دولت ہے اس نے ان کو اپنے معاشرے میں بڑا بنا رکھا ہے ورنہ وہ جو ہیں کسی سے مخفی نہیں علم دین سے دلچسپی رکھنے والے لوگ یہاں بہت کم ہیں یہ لوگ اس لیے بڑے نہیں کہ وہ واقعی بڑے ہیں بلکہ صرف اس لیے کہ ان کے پاس دولت ہے۔ گو انہوں نے آگ لگا کر بنائی ہو۔

ان لوگوں نے اپنی دینی ضرورات پوری کرنے کے لیے (جیسے امامت، نکاح خوانی ختم خوانی اور جنازہ وغیرہ) زیادہ تر بریلوی علماء منگائے۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ مذہب کے نام پر ان کی یہ چند رسمیں باقی رہیں۔ دینی شعور نہ انہیں خود تھا اور نہ انہیں ایسے علماء کی ضرورت تھی جو انہیں یہ ذوقِ آگہی دے سکیں۔

دعوت کی کامیاب دینی محنت

تبلیغی جماعت نے یہاں الحمدللہ کچھ دینی شعور قائم کیا ہے اور آج مسجدوں میں جہاں نمازی ملیں گے وہاں اس محنت کا بنیادی دخل ہوگا تاہم یہاں بھی ایک دعوت عمل ہے۔ دین کو علمی راہ سے جاننے اور سنت و بدعت کے فرق کو پہچاننے میں ان حلقوں میں بھی علمی محنت کی ضرورت ہے یہاں جو دینی مدارس اور دار العلوم کھلے ہیں ان میں بھی صرف نصابی کتابوں پر محنت کی جاتی ہے۔ ذہن سازی ان طلبہ کی بھی نہیں ہوتی۔ مگر امتحان میں پاس ہونے پر انہیں سند دے دی جاتی ہے۔

ان حالات میں انگلینڈ، سکاٹ لینڈ، آئرلینڈ اور ویلز کی ایشیائی آبادیاں پاکستان سے آنے والے بدعتی پیروں اور پیشہ ور مولویوں کا لقمہ تر بنی ہوئی ہیں جن کی دولت پر شرعی غنڈے اس طرح پڑتے ہیں جس طرح گدھ مردار پر پڑتے ہیں مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنا اور جہاں پہلے سے اختلاف ہے اسے بڑھانا ۔ بے حیائی کے اس ماحول میں تعویذات کا کاروبار اور جنات نکالنے کے بہانے کمزور عقیدہ مریدوں کے گھروں پر واردات یہ وہ اسباب ہیں جنہوں نے ان مسلمانوں کو علم دین

کے گرد جمع ہونے کے بہت کم مواقع دیتے ہیں۔

ان حالات میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مطالعۂ بریلویت میں کچھ ان اہم بدعات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے جو بریلویت کے امتیازی خطوط سمجھی جاتی ہیں اور وہ انہی سے پہچانے جاتے ہیں اہلسنت کو عملاً ان نئے اختیار کردہ اعمال نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

گجرات (ہند) کے اہلسنت علماء دیوبند نے اپنے حلقوں میں بے شک کچھ دینی محنتیں کیں اور ان کے ہاں تبلیغی نصاب بے شک پڑھا جاتا رہا لیکن پاکستان کے عام لوگ زیادہ تر بریلوی رسموں کا شکار رہے اور انہیں سنت اور بدعت میں فرق معلوم کرنے کے لیے مناسب وقت نہ مل سکا۔ اور نہ ان کے بریلوی علماء کو ان پر کچھ رحم آیا۔

عقائد کا اختلاف بے شک اب بہت سرد پڑ چکا ہے یہاں کے سنجیدہ طبقوں کا اب اب عام تاثر یہ ہے کہ یہ مولانا احمد رضا خاں کے جھوٹے الزامات تھے جو انہوں نے علمائے دیوبند پر لگائے تھے اور انہیں درود و سلام کا منکر اور بزرگوں کا بے ادب کہا گیا تھا شکوک و شبہات کے بادل بہت حد تک چھٹ چکے ہیں۔ اب یہ صرف چند عملی بدعات ہیں جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

عام جاہل لوگ بھی اب اتنا دینی شعور پا چکے ہیں کہ طبائع سلیمہ ان شرکیہ عقائد کو قبول نہیں کرتیں جنہیں ہم جلد پنجم میں شرکیہ عنوان سے آپ کے سامنے لا چکے ہیں۔ بہت کم بریلوی ہوں گے جو آج اپنی دنیوی حاجات قبروں سے مانگتے ہوں گے۔

ویسے تو ان لوگوں کے ہاں بدعات کی ایک لمبی فلم ہے جو سنیت کے نام سے چل رہی ہے تاہم وہ بدعات جنہیں ان لوگوں نے اپنے علیحدہ فرقہ ہونے کا سنگ میل ٹھہرا رکھا ہے دس کے قریب ہیں ہم یہاں ان پر علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے ان میں بھی ہمارا مقصد صرف مطالعہ بریلویت ہے ردِ بریلویت نہیں حقیقتِ حال خدا اور کھلنے دیں پھر پتہ چلے گا کہ یہ حضرات اس دورِ اختلاف میں کہاں سے کہاں پہنچ رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات۔

مختصر نقشہ بدعات

جن کے تحت پچاس بدعات کی ایک لمبی فلم چل رہی ہے

① کلمہ شریف کے گرد لائی گئیں بدعات

② اذان و اقامت کے گرد کی بدعات

③ نماز کے گرد لائی گئیں بدعات

④ صلوٰۃ وسلام کے گرد لائی گئیں بدعات

⑤ قبروں کے گرد لائی گئیں بدعات

⑥ ایصالِ ثواب کے گرد لائی گئیں بدعات

⑦ گیارہویں کے لیے تاریخ اور کھانوں کے التزامات

⑧ بارہویں کے سالانہ جلوس کے انتظامات

⑨ دو عیدوں کے ساتھ تیسری عید کا اضافہ۔ عید میلاد النبی

⑩ مساجد میں محافل نعت اور عورتوں کی آمد اور خوشامد

ان دس اصولِ بدعات کے گرد ان کی متعدد فروع ہیں۔ پچاس بدعات کی ایک لمبی فلم دیکھنے سے مطالعہ بریلویت کا یہ باب مکمل ہو جائے گا۔ واللہ ہو الموفق لما یحبہ ویرضیٰ بہ۔

بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد :-

بدعات سنن نبوت کے گرد کانٹوں کی ایک باڑ ہے اور دین محمدی میں ایک اضافہ ـــــ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے کلمہ. نماز. زکوٰۃ. روزہ اور حج ـــ شیطان تحریفِ دین کے لیے زیادہ انہی کے گرد گھومتا ہے.

۱.کلمہ پڑھنا ایک بڑی عبادت ہے کچھ بدعات اس کے گرد جمع کردیں. ۲. نماز دین کا ستون ہے کچھ بدعات اذان اور نماز میں ڈال دیں. ۳. صدقات وخیرات کو تیجے دسویں اور چالیسویں سے داغدار کیا گیا. ماہانہ گیارہویں اور سالانہ بڑی گیارہویں کو عوام میں زکوٰۃ سے زیادہ اہم بنا دیا گیا ۴. رمضان کے آخری عشرہ میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کرنا اور نفل نمازیں تداعی سے پڑھنا اعمال اسلام قرار دیئے گئے. ۵. حج کے موقعہ پر ائمہ حرمین کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جمعہ کے دن ظہر پڑھنا اپنا نشان بنادیا.

عید میلاد کے نام سے ایک تیسری عید کا اضافہ ـــ عرسوں کے نام سے قبروں کے میلے ـــــ بہشتی دروازوں سے گزرنے کے ریلے اور امام جعفر صادقؒ کے نام سے ۲۲ رجب کے کونڈے اور ان جیسی اور کئی بدعات ان کے علاوہ ہیں جنہیں جاہل مسلمان نیکی اور عبادت سمجھ کر بجالاتے ہیں.

اہل سنت مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان اعمال کو فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھیں. علمائے اہل بدعت اپنے اس نئے مذہب کو فقہ حنفی سے کبھی پیش نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں وہ صرف عمومات قرآن اور تفسیر بالرای سے کام لیتے ہیں. احادیث وہ پیش کرتے ہیں جو سرے سے موجود نہیں ہوتیں یا ضعیف ہوتی ہیں جو عقائد کے باب میں قابل قبول نہیں ہوتیں. اگر یہ لوگ فقہ حنفی کی روشنی میں کتاب وسنت میں اترتے تو یہاں انہیں کسی بدعت کی گنجائش نہ ملتی.

اے مالک حقیقی ان بے علم مسلمانوں کی ان ظالم علماء سے حفاظت فرما. انہیں ہدایت دے یہ جانتے نہیں اور وہ دائماً ان کے درپئے ایمان ہیں.

مؤلف عفا اللہ عنہ

افتتاحیہ

بحر الظلمات من امواج البدعات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد فقد قال اللہ تعالیٰ او کظلمات فی بحر لجی یغشٰہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضہا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا ومن لم یجعل اللہ لہ نورًا فمالہ من نور وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری جلد ۱ ص۳۷۱

بدعات کا حملہ بے علم مسلمانوں پر زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی بے علمی کے باعث اندھیروں میں ہیں پڑے علماء سے دور رہنے کی انہیں کئی طریقوں سے تربیت دی جاتی ہے۔ مجال ہے کہ کتاب و سنت کی کوئی خوشبو تک انہیں نصیب ہو۔ ان کے مولوی تو شاید اپنے لیے کوئی تاویل کر لیتے ہوں گے کہ وہ ان اعمال کو صرف ایک عمل مباح ہی جانتے ہیں نہ کہ کوئی عمل خیر ۔ وہ اسے سنت یا واجب نہیں سمجھتے۔ لیکن ان کے عوام بدعات کے بحر ظلمات میں ایسے گھرے ہیں کہ جب کوئی شخص اس سے ذرا بھی کھینچنے کی کوشش کرے تو ان کے مولوی پھر اسے واپس گھسیٹ لاتے ہیں۔ عوام کا کوئی علمی پس منظر نہیں ہوتا۔ نہ وہ اپنے مولویوں کی کچھ جانچ پڑتال کر سکتے ہیں نہ ان کی عورتیں گھروں میں بیٹھی کبھی ان مسائل کو جاننے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان حالات میں دنیا پرست شکم پرور مولویوں پر یہ بات بہت آسان ہو جاتی ہے کہ جب چاہیں کسی عمل کو جذبات کا رنگ دے دیں اور اپنے پیروؤں کو ہمیشہ کے لیے طرح طرح کے کھانوں پر لگا دیں۔ کبھی کوئی کھانا پکے اور کبھی کوئی۔ بزرگوں کے نام پر مختلف ذائقوں کو شہرت دے کر انہوں نے اپنے لیے ہر روز نئی بہار پیدا کر رکھی ہے ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی مسجد ایسی نہ رہے جس میں سالانہ بڑی گیارہویں نہ ہوتی ہو۔

عوام بے چارے ان عملی بدعات میں اتنے گھرے جا ڈوبے ہیں کہ ان کو کسی طرح ان دلدلوں سے نکلنا نصیب نہیں ہوتا یہاں تک کہ پھر ان میں اور ان رسموں کے نہ ماننے والوں میں اتنا مذہبی فاصلہ قائم ہو جاتا ہے کہ یہ بے چارے عوام اپنا کلمہ اپنی اذان اپنی نماز اور اپنی مسجدوں تک کو دوسروں سے جدا کر لیتے ہیں. انگریزوں کی ہندوستان میں سیاسی پالیسی تھی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں میں تقسیم عمل میں لاؤ اور اپنی حکومت کے دن بڑھاتے چلے جاؤ. اسی پالیسی سے وہ سوا سو سال تک حکومت کر گئے۔

انگریزوں کی اس سیاسی پالیسی کے نتیجہ میں ہندوستان کے سوادِ اعظم اہل سنت دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوئے. ان کی اجتماعی حیثیت جاتی رہی. شیعہ اپنی جگہ خوش ہوئے کہ چلو اہل سنت میں بھی ہمارے کچھ ساتھی پیدا ہو گئے. یہاں تک روزنامہ زمیندار نے خبر دی ۔

شیعہ بریلوی سے گلے مل رہا ہے آج لکھنؤ میں ہے دونوں کا قارورہ مل گیا
کندھا دیا جنازۂ ملت کو ایک نے اور ایک جا کے قبر پہ پتھر کی سل گیا

سمجھدار مسلمان اور تعلیم یافتہ لوگ ان مولویوں پر فرقہ بندی کا الزام دھرتے رہے اور یہ مولوی اندر ہی اندر خوش ہوتے رہے کہ چلو کچھ بھی ہو عوام کے گھروں سے ان کی پورے سال کی روٹیوں کا سامان ہو گیا ہے اور اس دوران میں کچھ اور لوگ بھی تو مریں گے ان کے تیجے دسویں اور چالیسویں جب اپنی باری میں آئیں گے اور پھر کوئی اور بھی تو مرے گا تو یہ کھانوں اور ختموں کا تسلسل کبھی نہ ٹوٹے گا.

جو لوگ ان کے ساتھ شامل نہ ہوں ان کی کیا گت بنتی ہے یہ ان لوگوں سے پوچھو جو اہل بدعت کی مسجدوں کے قریب رہتے ہیں اور ان کے مولویوں سے شب و روز سنتے ہیں کہ یہ ایمان نعمت اور حلووں کے جلوے ان بدنصیبوں کی قسمت میں کہاں ــــ یہ گیارہویں کو نہیں مانتے ــــ پھر ان کی مسجدوں میں ندائے لغیر اللہ کے نعرے گونجتے ہیں اور پولیس رپورٹر انگریز ڈپٹی کمشنر کو اطلاع دیتا ہے کہ مولانا فضل رسول کو گیارہ روپے یومیہ کا دیا گیا وظیفہ ضائع نہیں گیا.

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمے پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے نہایت عمدہ اور لذیذ کھانوں کی ایک طویل فہرست مرتب فرمائی۔ یہ اعلیٰ حضرت کا زندگی کا آخری زمانہ تھا: اس کی رو سے ان کے مولویوں کے لیے سال بھر کے کھانوں کی ایک لائن لگ گئی۔ مولانا احمد رضا خاں نے تو ہفتے میں صرف دو تین بار ان کھانوں کی طلب کی تھی لیکن اہل بدعت کے یہ مولوی صاحبان ہیں کہ ان کا تسلسل کہیں نہیں ٹوٹتا۔

ہمارے معاشرے کے مسلمان بدعات کے اتنے رسیا ہو چکے ہیں کہ کھانے پینے کی محفلوں اور ختموں کی مجلسوں کے سوا انہیں کہیں رونق نظر نہیں آتی۔ اور مسجدیں بھی وہی بارونق سمجھی جاتی ہیں جہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے علماء بدعت کو آپ جہاں دیکھ پائیں آپ کو دور سے ہی علماء حق اور علماء بدعت میں واضح فرق معلوم ہو جائے گا۔ سنت کا نور بدعت کی ظلمت میں کہیں گم نہیں ہوتا۔

ان حالات میں ہم نے ضروری سمجھا کہ اس گروہ کی کچھ اہم بدعات بطور تقابلی مطالعہ علوم کے سامنے لائی جائیں، ہو سکتا ہے کہ ان اہل بدعت میں ہماری اس کوشش اور خلوص سے کچھ لوگوں پر سنت کا نور پھر سے آچمکے اور وہ اس مختصر علمی شعور سے پھر سے اہل سنت کے دائرہ میں آجائیں جس کی دعوت برصغیر پاک و ہند میں علماء دیوبند ایک مدت سے دیتے چلے آرہے ہیں۔

بدعت پر تفصیلی علمی بحث اور اس کے خطرناک نتائج آپ پیچھے مقدمہ میں پڑھ آئے ہیں۔ اب ایک نظر مطالعہ بدعات پر بھی کر لیجیے۔ یہ ایک گہرا بحر ظلمات ہے جس کا مطالعہ کرنا بھی نفیس طبائع پر ایک بجر گراں ہے لیکن مرض کی تشخیص کے لیے معالج کو بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔ کتاب و سنت سے صرف نسخہ شفا ملتا ہے لیکن آیات شفا کو کہاں منطبق کرنا ہے اس میں قارئین کرام کو خود عزم و ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہے

ظلمات بعضہا فوق بعض کی یہ دلسوز داستان یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ دنیا کے مختلف ممالک

میں اہلِ بدعت کی اپنی اپنی بدعات ہیں۔ ہم یہاں صرف ان بدعات پر گفتگو کریں گے جو برصغیر پاک و ہند میں انگریزی عملداری کے دوران میں عمل میں آئیں۔ بدعت ہمیشہ علاقائی رہتی ہے۔ یہ صرف سنت ہے جو آفاقی ہے۔ اللہ تعالیٰ بدعت کو کبھی آفاقی درجہ میں آنے نہیں دیتے۔ اس کی لہر جہاں اٹھتی ہے وہیں بیٹھتی ہے۔ جب یہ ہاتھ نکالے تو نہیں لگتا کہ وہ اسے خود دیکھ پائے اور جسے اللہ ہی روشنی نہ دے کون ہے اسے روشنی دینے والا۔

او کظلمات فی بحر لجی یغشٰہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضہا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نورًا فمالہ من نور۔ (پ۱۸ النور ۴۰)

ترجمہ۔ یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں۔ چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر۔ اس پر ایک اور لہر۔ اس کے اوپر بادل۔ اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ وہ اسے سوجھے۔ اور جسے اللہ نے ہی نہ دی روشنی اس کے واسطے کہیں روشنی نہیں ہے۔

بدعات سنن نبوت کے گرد کانٹوں کی ایک باڑ ہے اور دین محمدی میں ایک اضافہ ـــ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پہ ہے کلمہ، نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج ـــ شیطان تحریف دین کے لیے زیادہ انہی کے گرد گھومتا ہے

۱۔ کلمہ پڑھنا ایک بڑی نعمت ہے۔ بریلویوں نے کچھ بدعات اس کے گرد جمع کر دیں ۲۔ نماز دین کا ستون ہے۔ انہوں نے کچھ بدعات اذان اور نماز میں ڈال دیں۔ ۳۔ زکوٰۃ صدقات وخیرات کو تیجے دسویں اور چالیسویں سے داغدار کیا گیا۔ ماہانہ گیارھویں اور سالانہ بڑی گیارھویں کو اپنے جلوس میں زکوٰۃ سے زیادہ اہم بنا دیا۔ ۴۔ رمضان کے آخری عشرہ میں ضرورت سے زیادہ چراغاں کیا اور نفل نمازیں تداعی سے زیادہ پڑھنا شروع کر دیں اور انہیں اعمال اسلام بنا دیا۔ ۵۔ حج کے موقعہ پر ائمہ حرمین کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور جمعہ کے دن ظہر پڑھنا اپنا جماعتی نشان بنا دیا۔

عیدمیلاد کے نام سے دو عیدوں میں ایک تیسری عید کا اضافہ کیا۔ عرسوں کے نام سے قبروں پر میلے لگائے۔ بہشتی دروازوں سے گزرنے کے رستے نکالے۔ اور امام جعفر صادقؓ کے نام سے ۲۲ رجب کے کونڈے آسمان کے فرشتوں سے بچ بچ کر ڈھونڈے۔ ان جیسی اور کئی بدعات ان کے علاوہ ہیں جنہیں جاہل مسلمان نیکی اور عبادت سمجھ کر بجا لاتے ہیں اور انہیں اپنے ہاں کار خیر کہتے ہیں۔

اہل سنت مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان اعمال کو فقہ حنفی کی روشنی میں دیکھیں۔ علمائے اہل بدعت اپنے اس نئے مذہب کو فقہ حنفی سے کبھی پیش نہیں کرتے نہ کر سکتے ہیں۔ وہ صرف عمومات قرآن اور تفسیر بالرای سے کام لیتے ہوئے وہ ان پر وہ احادیث پیش کرتے ہیں جو سرے سے موجود نہیں ہوتیں یا ضعیف ہوتی ہیں جو عقائد کے باب میں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ اگر یہ لوگ فقہ حنفی کی روشنی میں کتاب و سنت میں اترتے تو یہاں انہیں کسی بدعت کی گنجائش نہ ملتی۔

برصغیر پاک و ہند کا شجرۂ بدعات کلمہ کے گرد چند اندھیرے چھوڑتا ہے اور پھر ہر بدعت کو چھوتے ہوئے ایصال ثواب کے گرد چند گہرے اندھیرے چھوڑ کر گم ہو جاتا ہے ہم اسے اسی ترتیب سے ذکر کریں گے۔

۱. کلمہ پڑھنے میں بدعت کی راہیں	۶. اہل میت کے ہاں کھانوں کی دعوتیں
۲. اذان واقامت میں لائی گئیں بدعات	۷. نذر لغیر اللہ برائے طلب حاجات
۳. نمازوں میں لائی گئیں بدعات	۸. ایصال ثواب میں تاریخوں کا التزام
۴. درود شریف کے گرد لائی گئی بدعات	۹. غیر مسلموں کے تہواروں کا کھانا اگلے دن
۵. قبروں پر کی جانے والی بدعات	۱۰. میلاد النبی کی تقریب بصورت عید

وہ کون سی عبادت ہے جہاں بدعات کا اندھیرا نہیں پہنچا۔ آپ اسے عنوان بہ عنوان دیکھتے جائیں اور اس قوم کی قسمت پر آنسو بہاتے جائیں جس نے نہ صرف تقسیم امت کا جرم کیا ہے بلکہ درمیان میں تکفیر کی بہت اونچی دیوار کھڑی کر دی ہے اور یہ لوگ بحر ظلمات میں اس قدر کھو کر رہ گئے کہ کوئی کنارے پر آتا دکھائی نہیں دیتا۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ

وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

یہ بدعات چونکہ آپس میں مربوط ہیں اس لیے بسا اوقات آپ کو ایک بدعت کی ظلمت دوسری میں بھی دکھائی دے گی وہاں ہم پھر علم کی روشنی لائیں گے جسے ہم پہلے اندھیروں میں دکھلا چکے۔ اس لیے بعض مقامات پر تکرار حوالجات ضروری معلوم ہوا۔ محدثین کے مسلک پر ایک حدیث بعض اوقات کئی کئی ابواب میں لانی پڑتی ہے۔ ہم اس پر اپنے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں۔

اب آپ اس شجرہ بدعات پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ایک ایک بدعت کے سوتے آگے کہاں کہاں جا کر پھوٹتے ہیں۔ نیکی نیکی کو جنم دیتی ہے۔ جیسے فرمایا۔ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر اور بدی اپنے گرد چاروں طرف سے اندھیروں کی باڑ بنتی ہے جس پر بریلوی مولویوں کے سوا کوئی بھی مسکراتا نہیں دیکھا گیا آئیے اس بحر ظلمات میں اتریں اور بدعات کی ان پچاس موجوں پر بریلوی مولویوں کی تلاطم خیز موجیں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرۂ بدعات

شجرۂ بدعات

1- کلمے میں بدعت کی راہیں

پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے چلنا

فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

نکاح کے کلمے پڑھانے کی رسم

جنازہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے جانا

اپنی طرف توجہ دلانے کیلئے کلمے کا استعمال

2- اذان و اقامت میں لائی گئی بدعتیں

اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ

اذان میں حضور ﷺ کے نام پر انگوٹھے چومنا

جمعہ میں اذان ثانی مسجد میں نہ ہونے کی تجویز

قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے پر اصرار کرنا

وبا اور قحط دور کرنے کیلئے اذان دینا

3- نماز میں لائی گئی بدعتیں

مزارات پر نمازیں پڑھنے میں فضیلت کا اعتقاد

تشہد میں حضور ﷺ کی طرف صرف ہمت کرنا

آئمہ حرمین کے پیچھے نماز نہ پڑھنا

نماز جنازہ کے فوراً بعد اجتماعی دعا کرنا

نمازوں میں نماز غوثیہ کا اضافہ کرنا

4- درود شریف کے گرد لائی گئی بدعات

درود وسلام بآواز بلند پڑھنا

درود سے حضرت ابراہیم کا نام نکالنا

درود وسلام میں افراد کو مکروہ کہنا

درود وسلام کھڑے ہو کر پڑھنا

لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے درود پڑھنا

5- قبروں پر کی جانے والی بدعات

مزاروں کی سالانہ عید (عید قبور)

مزاروں کا سالانہ غسل

قبروں پر پھولوں کے گلدستے

قبروں پر نذریں ماننا

قبروں کی نذر مرغے اور بکرے

قبروں پر لڑکیوں کے چڑھاوے

قبروں پر عورتوں کی حاضری

قبروں کا طواف اور دیوار بوسی

قبروں پر اذان دینے کی بدعت

قبروں کو پختہ بنانا اور وہاں کھانے لانا

قبروں پر سجادہ نشینوں کے اڈے

قبروں پر غلط قسم کے کاروبار

مرید عورتیں پیروں کی باندیاں

جنازہ دیکھتے کھڑے ہو جانا

قبروں پر چراغاں کرنا

6- ختم پڑھنے کی رسوم

ایصال ثواب کے لئے تاریخوں کا التزام

ایصال ثواب کیلئے کھانوں کا تعین

اہل میت کے ہاں دعوتیں اڑانا

ایصال ثواب کا کھانا امیروں کو کھلانا

ہندو کا کھانا اگلے دن کھانا

7- گیارہویں شریف

گیارہ روپے روزانہ سرکاری وظیفہ

گیارہویں میں عوام وخواص کے دو مسلک

جرمنی میں پاگلوں کی عید کا ایک منظر

پاکستان میں میلے سارا سال

سرکار بغداد کی نظریں

8- میلاد النبی بصورت عید منانا

حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کی تصوری یاد

ولادت منانے کی رسم پہلے سے دو قوموں میں

عیدیں صرف دو ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ

مساجد میں محافل نعت

قیام تعظیم

بدعات بظاہر چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں اور بظاہر یہ ایک معمولی جرأت معلوم ہوتی ہے لیکن اس حقیقت سے کبھی صرفِ نظر نہ کی جائے کہ بدعت معصیت سے اتنی قریب نہیں جتنی یہ کفر کے قریب ہے ـــــ بدعات کا یہ طوفان اگر اکٹھا کسی قوم پر اُمڈ آئے تو اس گروہ کے ایک ایک فرد کا ایمان پر خاتمہ ہونا نہایت خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

سو اہل بدعت کا یہ طبقہ لائق نفرت نہیں لائق خیر خواہی ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے نفرت مرض سے کی جائے مریض سے نہیں اس سے جتنی ہمدردی کی جائے کم ہے ہم ان لوگوں سے نہیں جو مریض سے نفرت کرتے ہیں اور اختلاف کو اور بڑھاتے ہیں۔ باہمی اختلاف میں نفرتیں بڑھانے والے نادان عوام کو اور زیادہ اندھیروں میں دھکیلتے ہیں۔

اے مالکِ حقیقی ان بے علم مسلمانوں کی ان ظالم علماء سے حفاظت فرما ـــ انہیں ہدایت دے یہ نہیں جانتے اور یہ علماء ہیں جو دائماً ان کے درپے ایمان ہیں اور ان پر ذرا رحم نہیں کھاتے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے اہلحدیث دوست (باصطلاح جدید) شرک و بدعت کے اس طوفان میں ہمارا ساتھ نہیں دے رہے۔ ان کی ساری توانائیاں اس پر لگ رہی ہیں کہ فروعی مسائل جو صحابہؓ میں بھی اختلافی رہے ان میں حق و باطل کے فاصلے کھڑے کر دیں۔ محدثین نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔ اہل سنت کے ہاں اہلحدیث کی یہ کوشش ایک دبی شیعیت ہے۔ اہل سنت صحابہؓ کے کسی طبقے کو باطل پر نہیں کہہ سکتے۔ گو وہ اس میں ان کی پیروی نہ کریں۔

ساتھ دینا تو درکنار یہ لوگ اُلٹا شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو کوستے ہیں کہ انہوں نے شرک و بدعت کے خلاف کیوں یہ عہد ساز کام کیا۔ مشہور اہلحدیث عالم علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:۔

> ہمارے بعض متاخرین نے شرک کے معاملہ میں بڑا تشدد اختیار کر رکھا ہے اور اسلام کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے کہ امور مکروہہ یا محرمہ کو بھی شرک قرار دے دیا ہے۔ [1]

---

[1] ہدیۃ المہدی صـ۲۷

اسلام کے دائرے کو اس طرح وسیع کرنا کہ اس میں کسی درجہ کا مشرک بھی سمو جائے اس کی ہمیں کتاب و سنت سے کوئی راہ نہیں ملتی کاش کہ ہمارے اہلحدیث دوست شیخ محمد بن عبدالوہابؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی اس طرح مخالفت نہ کرتے اور انہیں متشدد قرار نہ دیتے۔

اہل بدعت کی یہ ظلمتیں آپ کو ان کے کلمہ پڑھنے کے گرد بھی ہر طرف چھائی ملیں گی۔ ان کی نمازوں پر بھی آپ کو ہر طرف بدعتوں کے اندھیرے نظر آئیں گے ۔۔۔ حرمین شریفین میں داخل ہو کر بھی ان کے دلوں کی ظلمتیں نہیں ڈھلتیں اور وہ ڈھلیں بھی کیونکر جب یہ وہاں جا کر بھی جمعہ نہیں پڑھتے اور برملا کہتے ہیں کہ ائمہ حرمین کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔

ہم ان کی کل بدعات کا احاطہ تو نہیں کر سکیں گے۔ تاہم ان کی عام اختیار کردہ چالیس کے قریب بدعات کا ہم تنقیدی جائزہ لیں گے۔ امید ہے مطالعہ بریلویت کی چھٹی جلد بریلویوں کی ان بدعات کو کسی حد تک ضرور بے نقاب کرے گی۔ جس طرح اس کی پانچویں جلد نے ان کے عقائد خمسہ کو ضروری حد تک خوب کھول دیا ہے۔

مطالعہ بدعات میں ہم نے ان کی کتابوں کو جو انہوں نے اپنے نظریات کی حمایت میں لکھی ہیں بہ نظر غائر دیکھا ہے اور ان کے دلائل کو بھی غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے مگر افسوس کہ ہمیں ان کتابوں میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں ملا ۔۔۔ تاہم بعض کتابوں کے نام یہاں بھی لکھ دیتے ہیں۔ قارئین کرام کی نظر میں بدعات کی حمایت میں ان سے بہتر کوئی کتاب گزری ہو تو ہمیں اس سے مطلع کر کے ممنون فرمائیں۔ تاکہ ہم اسے بھی دیکھ پائیں۔

بدعات کی حمایت میں جو کتابیں بریلویوں نے تفریق امت کے لیے لکھیں

۱۔ سیف الجبار علی اعداء الابرار ۲۔ بوارق المحمدیہ علی الطائفۃ الشیطانیۃ النجدیہ

۳۔ تصحیح المسائل۔ یہ حضرت شیخ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے رد میں لکھی گئی۔

۴۔ نصر المسلمین ۵۔ حق الیقین

۶. سیف الاسلام
۷. غایت المرام
۸. اشباع الکلام
۹. اماطۃ الاذیٰ
۱۰. الانوار الساطعہ
۱۱. سبحان السبوح
۱۲. الکوکبۃ الشہابیہ
۱۳. حسام الحرمین
۱۴. خالص الاعتقاد
۱۵. احکام شریعت
۱۶. عرفانِ شریعت
۱۷. تمہید ایمان
۱۸. الحروف الحسن علی الکتابۃ علی الکفن
۱۹. الدولۃ المکیۃ
۲۰. بذل الجوائز علی الدعاء بعد الجنائز
۲۱. ایذان الاجر فی اذان القبر
۲۲. ازہار الانوار من صلوٰۃ الاسرار
۲۳. الحجۃ الفائحۃ لطیب التعیین والفاتحہ
۲۴. ازالۃ العار
۲۵. اجلی انوار الرضا
۲۶. ابناء المصطفٰے
۲۷. نور العرفان حاشیہ قرآن
۲۸. شان حبیب الرحمٰن
۲۹. جاء الحق ہر دو حصہ
۳۰. مقیاسِ حنفیت
۳۱. مقیاس النور
۳۲. سلطنت مصطفٰے
۳۳. المیزان (احمد رضا نمبر)
۳۴. انوار الرضا
۳۵. انوارِ شریعت
۳۶. فتاوٰے مظہری
۳۷. فتاوٰے رضویہ
۳۸. فتاوٰے افریقہ
۳۹. مواعظِ نعیمیہ
۴۰. ملفوظاتِ احمد رضا
۴۱. دوام العیش
۴۲. الحجۃ الواہرہ
۴۳. قہر القادر علی الکفار اللیاڈر
۴۴. تجانبِ اہل السنّۃ

علمائے اہلسنت کی کاروائی

علمائے اہل بدعت کی کتاب وسنت کی اس تحریف کے خلاف اکابر علمائے اہلسنت اُٹھے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ اور شیخ الحدیث مولانا عبد الغنی شاہجہانپوریؒ مؤلف الجنۃ لاہل السنۃ. مولانا محمد منظور نعمانیؒ (مؤلف سیف یمانی بر مکائد فرقہ رضاخانی اور فتح بریلی کا دلکش نظارہ) مولانا سید فردوس شاہ قصوری مؤلف چراغ سنت اور شیخ الحدیث مولانا سرفراز احمد خاں صفدر مؤلف راہ سنت نے توحید و سنت کی حمایت میں اتنا کام کیا کہ علماء اہل بدعت کا کہیں کوئی علمی وزن محسوس نہ کیا گیا اور نہ یہ اس قابل تھے.

ہم اہل بدعت کی انگریزی حکومت کی سیاسی خدمات ــــ ان کے علمائے حق اہل سنت و جماعت پر افترآت ــــ ان پر ہندو مذہب اور شیعت کے اثرات پر پہلے بہت کچھ لکھ آئے ہیں یہاں ہم صرف ان کی عملی بدعات پر کچھ تنقیدی تبصرہ کریں گے. یہ مطالعہ بریلویت ہے رد بریلویت نہیں ــــ تاہم یہ حقیقت از خود واضح ہو جائے گی کہ یہ لوگ کس طرح اہل سنت سے نکل کر مذاہب کی دنیا میں اپنا ایک علیحدہ خیمہ لگا چکے ہیں.

اہل بدعت کے علماء ہیں. ۱. مولانا فضل رسول بدایوتی (ھ) ۲. مولانا عبد السمیع رامپوری (ھ) ۳. قاضی فضل احمد گورداسپوری (ھ) اور ۴. مولانا احمد رضاخاں بریلوی (ھ) ان کے ائمہ اربعہ ہیں. بدعات کو علمی استشہاد مہیا کرنے اور علمائے دیوبند سے فاصلہ تکفیر اختیار کرنے میں مولانا احمد رضاخاں نے تاریخی کردار ادا کیا ہے اور وہی اس نئے مذہب کے بانی سمجھے جاتے ہیں. انہوں نے اپنی وصیت میں اپنے مذہب پہ چلنے کی تلقین کی ہے اور اسی جہت سے انہیں بریلویوں کا اعلیٰ حضرت کہا جاتا ہے. مولانا عبد السمیع رامپوری شرکیہ عقائد کی حمایت میں اتنے آگے نہیں گئے جتنے وہ بدعات میں آگے بڑھے ہیں. انوار ساطعہ انہی کی تالیف ہے. مولانا احمد رضا خاں انہیں اپنا بڑا بھائی لکھتے ہیں. ان کا علمائے دیوبند سے تکفیر کی حد تک اختلاف

نہ تھا ــــ ان کے دوسرے دور کے ائمہ اربعہ میں پہلے مولانا نعیم الدین مراد آبادی ہیں۔ دوسرے مولانا حشمت علی لکھنوی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں مولانا احمد رضا خاں کی روح عود کر آئی تھی انہیں یہ لوگ مظہرِ اعلیحضرت کہتے ہیں۔ ان کے تیسرے امام مفتی احمد یار خاں گجراتی رہے اور چوتھے مولانا محمد عمر اچھروی ہوئے۔ ان کے ان دو آخری اماموں نے بدعات کی حمایت میں جاء الحق اور مقیاس حنفیت جیسی کتابیں لکھ کر بدعات کی گرتی ہوئی دیواروں کو سہارا دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ سارا سمندر کا جھاگ اسی طرح بہہ گیا جس طرح یہ انگریز کے دور میں اٹھا تھا۔ اما الزبد فیذھب جفاء۔

ان لوگوں کی تالیفات میں ان کے غصے گالیوں الزامات علمی تحریفات اور عقائد کے اختلافات کو چھوڑ کر ہم یہاں صرف ان کی انہی عملی بدعات کی نشاندہی کریں گے جن کو انہوں نے اپنا جماعتی نشان بنا رکھا ہے۔ آپ انہیں کسی علمی میزان میں رکھیں تو ان میں آپ کو ایک اوپر اوپر کی جھاگ کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ پھر بھی ہم نے ان کی کتابوں پر ایک تنقیدی نظر کی ہے اور صحیح ہے کہ ہمیں ان سے مطالعہ بریلویت میں کافی مدد ملی ہے۔

بدعات کی ان سیاہ گھٹاؤں کے باوجود ہمیں ان کے عوام سے پوری ہمدردی ہے وہ بیچارے جانتے نہیں اور ان کے یہ ائمہ ان پر کسی طرح کا رحم نہیں کھاتے۔ ان کی پوری تحریک ان کو شرک و بدعت میں دھکیلنے میں چل رہی ہے۔

اے مالکِ حقیقی ان بے علم مسلمانوں کی ان ظالم علماء سے حفاظت فرما اور اپنی طرف سے ان کے دلوں میں توحید و سنّت کا نور اتار دے تاکہ ہم سب ایک ہو کر رہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے عنوان سے دنیا میں ایک باوقار قومی سطح پر جمع ہو سکیں ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے　　　نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مؤلف عفا اللہ عنہ

بدعات کا بحرِ ظلمات

سُنّت سے بھٹکے کہاں جا اٹکے

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ امّا بعد :

اسلام کے ارکانِ پنجگانہ میں کلمہ پہلا رکن ہے اہل بدعت نے اسے بھی مصفیٰ اور شفاف نہیں رہنے دیا نہ اسے وہ کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ دَور جا چکا جب دنیا میں کلمہ گو ایک اسلامی اصطلاح تھی اور کلمے کا ہر حلقہ اسلامی میں ایک احترام تھا۔ اختلافات کے اس نئے دور میں اہلِ بدعت نے اپنے ماحول میں کلمے کی یہ آبرو بھی رہنے نہیں دی کلمہ گو مسلمانوں پر بھی کفر کے تیر اس بے دردی سے پھینکے کہ شرافت اور دیانت سر بہ تیغ کردہ گئیں یہاں پہلے ہم کلمہ کے مضمون اور حقوق پر چند سطور لکھتے ہیں۔ ازاں بعد ہم ان کانٹوں کی نشاندہی کریں گے جو اہلِ بدعت نے کلمہ کے گرد پھیلا رکھے ہیں۔

کلمہ شریف پاک کلمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اور صرف اس ایک کے لائق عبادت ہونے کا اظہار ہے ــ مکہ میں قریش میں پیدا ہونے والے ــ عبد المطلب کے پوتے ــ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار اور اس دور میں آپ کی ہی رسالت کے کافی اور وافی ہونے کا عقیدہ لپٹا ہوا ہے ــ جس مسلمان کا آخری کلام یہ کلمہ ہوا وہ خوش نصیب جنّت میں جانے کے لائق ہو جاتا ہے۔

اس کلمے کے اقرار پر بشرطیکہ اس سے اس اقرار کے خلاف کوئی بات صادر نہ ہو، دنیا کے بھی بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں جیسے نکاح۔ داخلہ حرم۔ وراثت اور نماز جنازہ کا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہونا وغیرہ اور آخرت میں بھی انسان اس کلمہ کی بدولت اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں داخلہ ہوتا ہے۔

اس کلمہ کو اقرار شہادتین بھی کہتے ہیں یہ عقیدہ لا الٰہ الّا اللہ محمدٌ رسول اللہ کے الفاظ سے بھی اور کلمہ شہادت کے الفاظ سے بھی بیان ہو جاتا ہے۔ اس اقرار میں آنے والے کو مومن اور

مسلم کسی لفظ سے بھی ذکر کیا جا سکتا ہے. یہ دنیا ظاہر پر مبنی ہے. اس میں کسی کے اندر سے بحث نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے اندر کی بات اس اقرار کے خلاف اس سے خود ظاہر نہ ہو جائے. سو یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص مسلم تو ہے مگر مومن نہیں ہے یا مومن تو ہے مگر مسلم نہیں — دین کامل ہونے کے بعد اب ان میں کوئی فرق نہ کیا جائے گا. ہاں ایمان اور اسلام کی تعریف علیحدہ علیحدہ کی جائے تو ایمان میں عقائد اور اسلام میں اعمال کا پہلو غالب ہوگا. تاہم یہ بات صاف چلے گی کہ اعمال خیر کا وجود بدوں ایمان تقوم نہیں پاتا.

عربی میں جس طرح سبحان اللہ کہنے کو تسبیح کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کو تہلیل کہتے ہیں اور اللہ اکبر کہنے کو تکبیر کہتے ہیں تسبیح ہو یا تہلیل یا تکبیر یہ سب اذکار ہیں اور اعمال ہیں اور ان کے پیچھے اللہ رب العزت کے پاک ہونے لائق عبادت ہونے اور ذاتِ کبریا ہونے کا عقیدہ کارفرما رہتا ہے.

کلمہ اسلام میں کتنی روشن اور شفاف سچائی ہے مگر افسوس کہ لوگوں نے اس میں بھی بہت سی بدعات کی راہیں نکال رکھی ہیں. ہم یہاں ان میں سے بعض کی نشاندہی کیے دیتے ہیں یہ بے علم مسلمانوں کی عملی بدعات ہیں اور ان کے پیچھے اہلِ بدعت کے وہ عقائد خمسہ ہیں جنکی نشاندہی ہم جلد پنجم میں کر آئے ہیں.

کلمہ میں بدعت کی راہیں

کلمہ میں اقرار شہادتین ہے :-

۱. ایک صرف ایک معبود کی شہادت ہے

۲. اور دوسری اس دور کے صرف ایک رسول کی بات ہے.

اس میں کسی تیسری شہادت کا ذکر نہیں نہ اصول اسلام کی روشنی میں ہمیں کسی اور شہادت کی ضرورت ہے. بدعت فی العقائد کے مجرم اُٹھے اور انہوں نے کلمہ میں ایک تیسری شہادت اس

طرح داخل کر دی۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔

ہماری اذان میں بھی دو ہی شہادتیں ہیں :۔

۱۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ۔

۲۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں یہ دو ہی شہادتیں تھیں عراق میں کچھ لوگ اُٹھے اور انہوں نے ایک تیسری شہادت بھی اذان میں داخل کر دی۔

۳۔ اشھد ان علیاً ولی اللہ۔

آگے اذان کی بحث میں ہم اس پر ان شاء اللہ کچھ حوالے پیش کر سکیں گے۔

کلمہ ایک نہایت پاک کلمہ ہے اس میں اپنے عقیدے کا اظہار ہے ہم اسے کسی وقت بھی پڑھ سکتے ہیں یہ افضل ترین ذکر ہے کتاب و سنت میں اسے مطلق رکھا گیا ہے اسے اپنی طرف سے کسی خاص وقت، کسی خاص ہیئت، یا کسی دوسرے عمل کے ساتھ خاص کرنا یہ دین میں ایک زیادتی ہے اس زیادتی کو بدعت کہتے ہیں شرع کے احکام کی حدود و قیود بھی شرع سے ہی ملنی چاہیئے۔ ہمیں اپنی طرف سے کسی مطلق کو مقید کرنے کا حق نہیں، کلمہ پڑھنے کو چند اوقات سے خاص کر لینا اس پر شرعی دلیل درکار ہے :۔

۱۔ فرض نمازوں کے بعد سب نمازیوں کا بلند آواز سے کلمہ پڑھنا۔

۲۔ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا اور کلمہ شہادت کلمہ شہادت کی آوازیں لگانا۔

۳۔ نکاح کے وقت دلہن اور دولہا سے کلمے پڑھانا۔

۴۔ غسل کرنے کے بعد کلمہ پڑھنا۔

ان سب تخصیصات کے لیے دلیل درکار ہے۔

جب بریلوی علماء ان سب تخصیصات پر دلیل پیش کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو وہ

اباحت عام کا سہارا لیتے ہیں کہ کتاب وسنت میں ہمیں کہیں اس سے منع نہیں کیا گیا اور وہ نہیں جانتے کہ وہ اس استدلال سے اہل سنّت کی لائن سے نکل کر معتزلہ کی صف میں جا چکے ہیں۔

کوئی عمل اپنی اصل میں مسنون ہی کیوں نہ ہو کتاب وسنّت میں وہ برابر مزبور رہو لیکن اس کی بھی جب ہیئت بدلے اس میں تکلفات آشامل ہوں تو وہ مسنون نہیں بدعت ہو جائے گا تو کلمہ گو اپنی ذات میں کتنا پاک اور طیب ہو اسے اپنی تخصیصات سے خاص کرنا کیوں اسے بدعت کے درجہ میں نہ لے آئے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کشفاً اطلاع ہوئی کہ جعفرؓ بن ابی طالب غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے ہیں تو آپ نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ جعفرؓ کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ (وہ ایسے حال میں ہیں کہ ان میں پکانے کی ہمت نہیں) اب ظاہر ہے کہ اہل میت کے ہاں ایسے حال میں کھانا پہنچانا مسنون ہے لیکن لوگوں نے جب اس سنّت کو بھی فخر ومباہات اور دکھلاوے میں ڈھال لیا اور لوگ اسے بطریق دعوت کھانے لگے نہ گھر والوں کی تخصیص رہی نہ احساس ضرورت باقی رہا تو پھر علماء نے اسے مسنون کہنے کی بجائے بدعت کا نام دیا۔ اس سے پتہ چلا کہ بدعت کسی نئی چیز کو ذاتاً پیدا کرنے میں محدود نہیں جو چیز ذاتاً پہلے موجود ہے اسے وصفاً نئی ہیئت دینی کسی وقت کی تخصیص دینی یا اسے اس کے درجہ سے اٹھانا مباح کو واجب تک لے جانا۔ یہ اوصاف عمل بھی اسے مندوب وسنّت سے نکال کر بدعات میں داخل کر دیتے ہیں۔

مذکورہ واقعہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد تھا۔

ان اٰل جعفر قد شغلوا بشان میّتهم فاصنعوا لهم طعاماً

محدثین نے اسے اس وقت تک سنّت جانا جب تک اس عمل کی پہلی ہیئت قائم رہی۔ جب لوگ اپنے رواج میں اسے ایک نئی ہیئت پر لے آئے محدثین نے اسے برملا بدعت کہا کہ اب یہ عمل وصفاً ایک نئی ہیئت میں آگیا ہے۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی (۲۷۳ھ) سنن میں مندرجہ بالا حدیث روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

قال ابو عبد اللہ فما زالت سنة حتی کان حدیثاً فترک۔[1]

ترجمہ۔ یہ عمل برابر سنت سمجھا جاتا رہا یہاں تک کہ یہ ایک نئی شکل میں آگیا پس یہ ترک کر دیا گیا۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ بدعت یہی نہیں کہ دین میں کوئی نیا عمل لایا جائے پہلے سے جو عمل دین میں موجود تھا اسے بھی اگر وضعاً نئی صورت دی جائے تو وہ عمل اپنی اصل کی بنا پر باقی نہ رکھا جائے گا اسے بدعت کہہ دیا جائے گا محدثین نے یہ قاعدہ اپنی طرف سے نہیں گھڑا صحابہؓ کی سوچ بھی یہی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا نماز ضحیٰ کو بدعت کہنا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے گھر میں پڑھنا ثابت ہے اسی قاعدہ سے تھا۔ امام نووی ؒ کا درج ذیل بیان ہم پہلے درج کر آئے ہیں لکھتے ہیں:۔

واما ما صح عن ابن عمر انہ قال فی الضحیٰ ھی بدعة فمحمول علی ان صلوتہا فی المسجد والتظاھر بہا کما کانوا یفعلونہ بدعة لا ان اصلہا فی البیوت ونحوھا مذموم او یقال قولہ بدعة ای المواظبة علیہا لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یواظب علیہا خشیة ان تفرض۔[2]

ترجمہ۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے نماز چاشت کے بارے میں جو صحیح طور پر ثابت ہے کہ وہ اسے بدعت کہتے تھے سو اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے مسجد میں پڑھا جائے اور کھلے طور پر پڑھا جائے جیسا کہ لوگ اس زمانہ میں کرنے لگے تھے یہ بدعت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کا گھروں میں پڑھنا بھی مذموم ٹھہرے یا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے اسے بدعت کہنے کو اس کی مواظبت (ہمیشہ کی پابندی) پر محمول کیا جائے اس کی مواظبت اس لیے نہ کی تھی کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔

کلمہ کے گرد کن راہوں سے بدعات کے کانٹے بکھیرے گئے ہیں ان میں یہ چند اعمال بطور نمونہ ہدیہ قارئین ہیں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ صہ ۱۱٦ [2] شرح صحیح مسلم جلد ا صہ ۲۴۹ د ۲۰۹

① پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا

② فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے التزاماً کلمہ پڑھنا

③ نکاح کے وقت دولہا اور دلہن کو کلمے پڑھانا۔

④ جنازے کے پیچھے کلمے کا ورد کرتے ہوئے چلنا۔

⑤ اپنی طرف توجہ دلانے کے لیے کلمے کا استعمال۔

اب یہاں ہم ان کی کچھ تفصیل کیے دیتے ہیں اس کے ضمن میں اور بھی بہت سے مسائل سمجھ میں آجائیں گے۔

کلمہ پڑھنے میں بدعت کی راہیں

کلمہ شریف نہایت پاک کلمہ ہے جس مسلمان کا آخری کلام یہ کلمہ ہو۔ وہ یقیناً جنتی ہے۔ یہ وہ پاک اقرار ہے جس پر دنیا کے بھی بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں اور آخرت میں انسان اس سے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتا ہے۔

لیکن کلمہ پڑھنے کو کسی خاص وقت یا کسی خاص ہیئت یا کسی خاص عمل سے خاص کرلینا یہ اپنی طرف سے ایجادِ بندہ ہے۔ شرع کے احکام کی حدود و قیود بھی شرع سے ہی ملنی چاہئیں نہ کہ انسان ان اعمال میں سے کسی عمل کو اپنی مرضی سے کسی وقت کے ساتھ خاص کرلے۔ اس تخصیص وقت پر بھی شرعی دلیل درکار ہے۔

① پیروں کے پیچھے مریدوں کا کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا

بریلوی پیر باہر نکلیں گے یا بازار میں چلیں گے تو صاف پہچانے جاتے ہیں کہ یہ بریلوی ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کوئی اور مخلوق آسمان سے نکل آئی ہے۔ سر پر سفید دوپٹہ ہوتا ہے۔ راستہ چلتے حضرت کی وزدیدہ نگاہی ساتھ ساتھ چلنے والے مریدوں کی فدایانہ ادا اور کلمے کی دھیمی دھیمی صدا!

مجال ہے کوئی کسی سے اپنی بات کہہ سکے۔ روزنامہ جنگ لندن میں ایک پیر صاحب جنہیں بعد میں گیارہ سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ جج ان کے چلنے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے:۔

اپنی گرفتاری سے قبل ان کا شمار برطانیہ میں رہنے والے ان پیروں و مشائخ میں ہوتا تھا جو اپنے درجنوں مریدوں کے ساتھ چلتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور لوگ عقیدت و احترام کا اظہار ان کے ہاتھ چوم کر اور پاؤں کو چھو کر کرتے ہیں۔[۱]

برصغیر پاک و ہند میں یہ رسم سکھوں سے چلی تھی وہ اپنی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں تو اس طرح کہ آگے آگے گرنتھ بردار چلتے ہیں اور ان کے پیچھے دوسرے سکھ اشلوک پڑھتے چلتے ہیں۔ بریلویوں نے بھی اچھے خاصے پیر کو گرنتھ بنایا ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے کلمہ پڑھتے جاتے ہیں۔ یہ مقدس ہستی کہاں سے کہاں جا رہی ہے اور آج کن مریدوں کے ہاں واردات ہونے والی ہے یہ بات پیر صاحب کے سری علوم میں داخل ہوتی ہے۔ تاہم مسلمان کی اسلامی غیرت اسے کچھ اچھا نہیں سمجھتی کہ آگے آگے آدمی ہو اور اس کے پیچھے پاک کلمات پڑھے جا رہے ہیں۔ قرآن کریم میں پاک کلمات کو پشت کے پیچھے رکھنا یہودیوں کا عمل بتایا گیا ہے:۔

نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظهورهم کانهم لا یعلمون واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان۔ (پ۱ البقرہ ۱۰۱)

ترجمہ۔ اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے رکھا گویا کہ انہیں کچھ پتہ نہیں۔ اور وہ ہو لیے اس چیز کے پیچھے (سفلی کلمات کے) جو شیاطین حضرت سلیمانؑ کی بادشاہی میں پڑھتے تھے۔

بریلویوں کا ایک جواب

بریلوی اپنے اس عمل کی حمایت میں کہتے ہیں کہ نماز میں بھی تو مقتدی امام کے پس پشت تسبیحات اور درود پڑھتا ہے تو اگر ہم پیروں کے پیچھے کلمے کا ورد کرتے چلتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے ؟

ہم جواباً کہیں گے کہ اس میں مقتدیوں کی نسبت امام کی طرف منہ کرنے کی نہیں ہوتی کعبہ کی طرف منہ کرنے کی ہوتی ہے. صف لمبی ہو تو اس صف کے دائیں طرف اور بائیں طرف کے نمازی امام کے پس پشت نہیں ہوتے وہ سیدھے کعبہ کی طرف رُخ کیے ہوتے ہیں بلکہ امام بھی کعبہ کی طرف رُخ کیے ہوتا ہے اس میں اصل محل توجہ کعبہ ہے نہ کہ امام ـ مقتدی اگر صرف ایک ہو تو وہ امام کے برابر کھڑا ہوتا ہے. سو اس صورتِ حال میں یہ پاک کلمات کی بے ادبی نہیں کہ انہیں ایک انسان کے پیچھے جگہ دی گئی ہے بخلاف ایک بریلوی پیر کے کہ وہ سمتِ کعبہ کے الٹ بھی بازار میں چل رہا ہو تو مرید اس کے پیچھے کلمہ پڑھتے جاتے ہیں اور یہ پاک کلمات کو پیٹھ پیچھے رکھنے کا نہایت کریہہ منظر ہے بریلوی پیروں کا ایسی چال سے مقصد جاہل مریدوں کے دلوں میں یہ بات ڈالنا ہے کہ گویا وہ کوئی اور مخلوق ہے جو ان کے لیے زمین پر اتاری گئی ہے عورتیں بھی ان کے پاس آتی ہیں تو یہ ان کے روحانی معالج ہونے کے ناطے ان کو پردے سے باہر آنے کا اشارہ دے دیتے ہیں.

کبرت کلمة تخرج من افواههم.

(۲) فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

بریلویوں نے فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ پڑھنے یا درود پڑھنے کی بدعت اختیار کر رکھی ہے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہ کرامؓ کبھی فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمہ نہ پڑھتے تھے نہ درود شریف. اس خاص ہئیت میں جس طرح آجکل بریلوی مسجدوں میں نماز کے ختم پہ باآواز بلند کلمہ پڑھا جاتا ہے. یہ عمل خیر القرون میں کہیں نہ تھا.

البتہ اللہ اکبر کہنا اور وہ بھی بار بار نہیں۔ بعض روایات میں ثابت ہے مگر وہ روایات حنفیہ کے اصول کے مطابق پر لائق احتجاج نہیں۔ ان کے راوی عمرو بن دینار نے خود اس روایت کا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اپنے استاد ابومعبد سے انکار نقل کیا ہے۔ حضرت ابومعبد نے عمرو سے کہا کہ میں نے تو اسے روایت نہیں کیا۔ وہ روایت یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں ہم حضورؐ کی نماز ختم ہونا آپ کے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے پہچانتے تھے۔ اس روایت کے بارے میں استاد نے شاگرد سے روایت کرنے کی نفی کی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے :-

قال عمرو فذكرت ذٰلك لابي معبد فانكره وقال لم احدثك بهٰذا۔[1]

ترجمہ۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں میں نے اپنے استاد ابومعبد سے اس روایت کا ذکر کیا اور کہا میں نے تو تمہارے پاس یہ روایت بیان نہیں کی۔

سوال : یہ روایت صحیح مسلم میں ہی نہیں صحیح بخاری میں بھی ہے بریلوی اسے وہاں سے پیش کرتے ہیں ؟

جواب : صحیح بخاری میں بھی اسے عمرو بن دینار ابومعبد سے روایت کرتے ہیں تو صحیح مسلم کی اس تفصیل سے صحیح بخاری کی یہ روایت بھی حنفیہ کے اصول پر لائق احتجاج نہیں رہتی۔

سوال : صحابہؓ کے عہد میں بعض مسجدوں میں یہ اجتماعی صورت میں کلمہ اور درود پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا ؟

جواب : صحابہؓ اس عمل میں ہرگز شریک نہ ہوتے تھے اور جہاں ان کا بس چلے وہاں وہ ان بدعتیوں کو مسجد سے نکال دیتے تھے۔ حنفیوں کی معتبر کتاب شامی میں ہے :-

صح عن ابن مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلّون على النبي صلى الله عليه وسلم جهرًا وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين۔[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ [2] شامی جلد ۲ صفحہ ۳۵۰

یہ عمل ائمہ اربعہ میں سے کسی کے ہاں بھی پسندیدہ نہیں چاروں مذاہب کے لوگ اس کے عدم استحباب پر متفق ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) نقل کرتے ہیں:۔

المذاهب الاربعه على عدم استحبابه۔[1]

امام نوویؒ بھی لکھتے ہیں:۔

ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم رفع الصوت بالذكر والتكبير۔[2]

ترجمہ۔ بیشک وہ تمام مذاہب جن کی اس امت میں پیروی جاری ہوئی اور ان کے علاوہ اور بھی سب اس پہ متفق ہیں کہ ذکر اور تکبیر میں آواز اونچی نہ کرنی چاہیئے۔

اور امام ابوحنیفہؒ تو کھل کر کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر (مسجد میں) بلند آواز سے کرنا بدعت ہے اور قرآن کے خلاف ہے۔

حنفیوں کے جلیل القدر عالم علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں:۔

ولابي حنيفة ان رفع الصوت بالذكر بدعة مخالف للامر في قوله تعالى ادعوا ربكم تضرعًا وخفية۔[3]

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ آواز اونچی کرنا بدعت ہے اور قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے کہ اپنے رب کو زاری سے اور آہستہ آواز سے یاد کرو۔

جو لوگ جماعت میں بعد میں شامل ہوئے اور انہیں مسبوق کی حیثیت سے اپنی نماز پوری کرنی ہے۔ ان کے لیے بریلویوں کا یہ عمل کس قدر تشویشناک ہوتا ہے اس کا احساس انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جن کو یہ شور بار بار نماز بھلا دیتا ہے لیکن یہ بدعتی ہیں کہ لوگوں کو مسجدوں میں پُرامن طور پر نماز پڑھنے ہی نہیں دیتے۔

اگر کوئی شخص کسی سبب سے دیر سے مسجد میں پہنچا اور اب وہ اپنی باقی نماز بطور مسبوق

---

[1] البدایہ جلد ۱۰ صت ۲۷ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صت ۲۱۷ [3] کبیری صت ۵۶۶

مکمل کرنا چاہتا ہے تو یہ کیا اس کا حق نہیں کہ وہ اپنی نماز مسجد میں مکمل کر سکے۔ بریلویوں کا اس پر یوں جو نسنا کہ تو دیر سے کیوں آیا ہے۔ اس پورے نظام کو بدلنا ہے جس کے لیے مسجدیں بنائی گئی ہیں

مشائخ علی پور کا بریلویوں سے اختلاف

علی پور ضلع سیالکوٹ میں دو بزرگ پیر جماعت علی شاہ نام کے ہوئے ہیں بڑے پیر صاحب کے جانشین مولانا محمد حسین علی پوری ہوئے جنہوں نے دورۂ حدیث حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی سے پڑھا تھا اور علی پور کے دوسرے پیر جماعت علی شاہ ثانی صاحب کے نام سے معروف ہوتے اب اوّل و ثانی دونوں بزرگوں کے حلقے بریلوی سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں بزرگوں نے جو حضرت بابا فقیر محمد نقشبندی کے خلیفہ تھے کبھی مولانا احمد رضا خاں کو اپنا امام یا مجدد مأتہ چہاردہم نہ مانا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں ذہنی طور پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کو اپنا بزرگ نہ مانتے تھے اور یہ حضرات حضرت مجدد الف ثانیؒ پر جان دیتے تھے۔ بڑے پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اپنے آخری دنوں میں علمائے دیوبند سے مصالحت کر لی تھی۔ یہ مصالحت لاہور میں ۰ کو ہوئی۔ علمائے دیوبند کی طرف سے اس میں سرخیل شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔ اس صلح کی شہادت تاریخ میں محفوظ ہے۔[1]

پیر جماعت علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کی طرح مکفر المسلمین نہ تھے۔ نہ وہ اس بات کے حامی تھے کہ ہندوستان میں اہل السنۃ و الجماعۃ کو دو دھڑوں میں تقسیم کر کے شیعوں کو قوت فراہم کی جائے۔ ان کا یہ فتوٰے نہ تھا کہ دیوبندیوں سے السلام علیکم کہنا اور ان سے ہاتھ ملانا حرام ہے۔ اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کی تعزیت میں جانا بھی حرام ہے۔ آپ مشترکہ امور میں علمائے دیوبند کے ساتھ عام اُٹھتے بیٹھتے تھے۔

امرتسر کے مشہور علمائے دیوبند میں حضرت مولانا بہاؤ الحق قاسمی (م ھ) کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ پاکستان کے مشہور صحافی جناب عطاء الحق قاسمی کے والد مرحوم تھے۔ مولانا بہاؤ الحق

---

[1] دیکھئے سیرت امیر ملت ص ۱۴۴

قاسمی کے والد مولانا علامہ غلام مصطفیٰ علماء کشمیر میں نہایت جلیل القدر اور عمیق العلم فاضل گزرے ہیں. آپ مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاد تھے.

ایک صدی پہلے کی بات ہے حضرت مولانا غلام مصطفیٰ نے ۱۳۱۴ھ میں مسئلہ وسیلہ پر عربی میں ایک رسالہ لکھا. اس کا اردو ترجمہ امرتسر کے مطبع چشمۂ نور نے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا. اس کے آخر میں جہاں فاضل جلیل حضرت مولانا نور احمد پسروریؒ کے دستخط ہیں پیر جماعت علی شاہ کے دستخط بھی ساتھ ہیں. اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیر جماعت علی شاہ صاحب نے کبھی اپنے آپ کو مولانا احمد رضا خاں کے درجہ میں آنے نہ دیا تھا. آپ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی طرح تفریق بین المسلمین کے قائل نہ تھے.

علی پور کے پیر جماعت علی شاہ ثانی ان سے بھی زیادہ اعتدال پسند تھے. علی پور سیداں کے ان حضرات نے جب بریلویوں کی اس روش کو دیکھا کہ مسجدوں میں فرض نمازوں کے بعد باوجودیکہ مسبوق حضرات اپنی باقی ماندہ نماز پوری کر رہے ہوتے تھے بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں تو انہوں نے اس پر بریلویوں سے کھلے بندوں اختلاف فرمایا. مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں کے صدر مدرس مولانا غلام رسول نے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو اس پر فتوے صادر فرمایا. بلکہ آپ نے یہ بھی کہا کہ یہ اس اختراع پر عمل کرنے والے اس میں مولانا احمد رضا خاں کے موقف پر بھی نہیں ہیں. مولانا غلام رسول صاحب نے فتاویٰ رضویہ ص۵۹۶ سے مولانا احمد رضا خاں کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے:-

بے شک ایسی صورت میں اس کو جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے.

پھر ص۵۹۷ سے نقل کرتے ہیں:-

جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ باآواز پڑھنے سے اس کی نیند میں خلل آئے گا وہاں

۱؎ آپ مولانا محمد سلیمان (مالک نور کمپنی انارکلی لاہور) سابق خطیب جامع مسجد مدینہ پرانی انارکلی لاہور کے والد مرحوم تھے. آپ نے امرتسر میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات شریف پر بہت محنت کی اور انہیں نو حصوں میں بڑی آب و تاب سے شائع فرمایا. آپ بھی بانی مدرسہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت رح کے استاد تھے.

قرآن مجید اور وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے۔

اور آخر میں مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۲۲۳ طبع قدیم سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

وفیہ نظر من وجوہ منہا نسبۃ نفی مطلق الکراھۃ الی الامام الاعظم وھو افتراء علیہ اذ مذھبہ کراھۃ رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حیث لم یتشوش علی المصلین اولم یکن ھناک مصلون۔

ترجمہ۔ اور اس میں کئی وجہ سے اعتراض ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مطلق کراہت کی نفی کی نسبت امام اعظم کی طرف ہے وہ آپ پر بہتان ہے۔ کیونکہ آپ کا مذہب ہے کہ بلند آواز مسجد میں مکروہ ہے اگرچہ ذکر ہی کیوں نہ ہو خواہ وہاں نمازیوں کو تشویش ہو یا نہ ہو یا نمازی ہوں ہی نہ

مولانا غلام رسول صاحب صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں پھر اپنے سارے فتویٰ کی تلخیص ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں:۔

"تلخیص کلام یہ ہے کہ اکثر احناف بلکہ جمیع فقہاء کرام بلند آواز سے ذکر کرنے کو منع کرتے ہیں جب کہ نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کی نیند وغیرہ میں خلل پیدا کرے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کراہت کی نفی کی جو نسبت کی گئی ہے اس کے متعلق رئیس الحنفیہ ملا علی قاریؒ تردید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ یہ امام اعظمؒ پر افتراء اور بہتان ہے۔ کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہی یہ ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر ممنوع اور مکروہ ہے اگرچہ وہاں نمازی نہ ہوں۔ صاحب ہدایہ جو کہ احناف کے عظیم فقیہ ہونے کے علاوہ فقہائے کرام کے پانچویں طبقہ اصحاب ترجیح سے ہیں۔ اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ذکر جہراً بدعت ہے۔ پھر جہاں پر صرف ذکر جہراً مکروہ کہا گیا ہے وہاں مکروہ تحریمی مراد ہے۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جہاں پر مطلق کراہت ہو وہاں کراہت تحریمی مراد ہے۔ صاحب کبیری نے کراہت

تحریمی پر نص کردی ہے اور کہا ہے کہ یہ ائمہ کرام کا مختار اور مفتی بہ قول ہے۔ پھر اس طرح کا ذکر جو کہ صورتِ مسئولہ میں استفسار کیا ہے۔ ایک اختراعی اور وضعی اور جعلی صورت ہے جس کا ثبوت دور تک نہیں ملتا۔ جب کہ طریقۂ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اور تشریعی صورت اور سلفِ صالحین کے خلاف ہے۔ پھر فقہاء کرام کا مسئلہ ذکر بالجہر کو مکروہاتِ صلوٰۃ کے عنوان کے تحت ذکر کرنا ہیئتِ کذائیہ کی ناپسندیدگی کی واضح دلیل ہے کہ ایسا ذکر مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی نور اللہ مرقدہ نے تو ایسے ذکر (صورتِ مسئولہ) کو نہی عن المنکر کا فرد اور جزئی قرار دے کر ممنوع قرار دیا ہے تاکہ ایسے ذکر کی صورتِ جواز باقی نہ رہے۔ کیونکہ ایسے ذکر سے منع نہی عن المنکر ہے اور ذکر کی ہیئت کذائیہ مذکورہ مسئولہ منکر ہے اور اس سے مانع امر بالمعروف کا مصداق ہے۔

حررہ : غلام رسول

صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف ضلع سیالکوٹ

علامہ غلام رسول نے اس میں صریح طور پر اس عمل کو جو آج کل بریلویوں کی مسجدوں میں رائج ہے بدعت کہا ہے۔ اب یہ تو مولانا محمود احمد رضوی ان سے پوچھیں کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے تم منع کی دلیل لاؤ۔ قرآن و حدیث نے کہاں اس سے منع کیا ہے۔ ہم اس وقت اس اختلاف میں نہیں الجھتے کہ علی پور سیداں والوں نے اسے کیوں بدعت قرار دیا اور مولانا احمد رضا خاں نے اس سے منع کیا۔

نوٹ : مولانا غلام رسول صاحب نے پھر فتاویٰ نظامیہ جلد ۲ ص ۳۳ کو بھی اپنی تائید میں پیش کیا ہے ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بے علم مسلمانوں میں جو بدعات راہ پا چکی ہیں، ان میں یہ عمل بھی ایک بدعت ہے اور مکروہ تحریمی ہے۔

اب مولانا غلام رسول کے اس فتوے پر سجادہ نشین علی پور سیداں جناب سید اختر حسین شاہ صاحب کی یہ تقریظ بھی ملاحظہ فرمائیں :-

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

مفتی غلام رسول صاحب صدر مدرس مدرسہ نقشبندیہ علی پور سیداں نے نہایت محققانہ عالمانہ تحقیق کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ فرض نماز پڑھنے والوں کے پاس کسی قسم کا کوئی ورد وظیفہ تلاوت قرآن مجید یا ذکر اذکار جو نمازی کی فرض نماز میں خلل انداز ہوں اور اس کو بھلا دیں اور اس کے خیال کو بہکا دیں یا کسی بیمار یا دنیاوی کام کاج میں مشغول یا نائم یعنی سونے والا ہو تو اس کو بیزار کر دیں اور وہ اس کے سننے کے لیے فارغ نہ ہوں۔ ایسے مواقع میں قرآن پاک کا پڑھنا منع ہے بلکہ نہ سننے والے کا گناہ بھی پڑھنے والے کے ذمہ ہے میں نے دیکھا ہے مفتی صاحب مذکور نے نہایت عمدہ طریقہ سے فقہ کے جزئیات بمعہ حوالہ جات نقل کئے ہیں۔

حنفی المذہب ان کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔ فقہ کے تمام دلائل دیکھنے اور سننے کے باوجود اگر کوئی حنفی المذہب انکار کرے تو یہ اس کی دیدہ دلیری ہے اور پھر وہی رٹ لگائے اور اس پر عمل کرے تو وہ حنفی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ اہل حدیث یا وہابی کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ وہ تمام فقہ کا انکار کر رہا ہے اور امام کے فرمان اور فقہائے کرام کے جزئیات کو ٹھکرا رہا ہے۔ بلکہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑا ہوا ہے اور اپنے پوچ دلائل کو اور من گھڑت باتوں بلکہ قصہ کہانیوں سے اپنے مدعا کو ثابت کر رہا ہے۔ مقلدین کے پاس اپنے امام کے اقوال سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

اندریں حالات تمام احناف سے ادب کے ساتھ گذارش ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر عمل پیرا ہو جائیں یا پھر حنفی کہلانا چھوڑ دیں۔ خاص طور پر اتنا ضرور کریں کہ خالص حنفی المذہب صحیح مقلدین پر بہتان طرازی سے باز آجائیں۔ وما علینا الا البلاغ

سید اختر حسین جماعتی علی پوری ضلع سیالکوٹ۔

پھر اس پر مولانا محمد اسماعیل صاحب جماعتی علی پوری اور جناب سید افضل حسین شاہ جماعتی علی پوری اور حافظ نواب دین صاحب علی پوری کے بھی تصدیقی دستخط ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے علی پور کے رسالہ انوار صوفیہ کے ۱۹۰۹ء کا جنوری فروری کا شمارہ صہ ۲۸ سے صہ ۲۲ تک ملاحظہ فرمائیں۔

بریلوی علمائے احناف کے مقابلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی جس حدیث کو لیے پھرتے ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کی نماز کا اختتام ذکر بالجہر سے پہچانتے تھے وہ حنفیہ کے اصول پر لائق استدلال نہیں ہے معلوم نہیں بریلوی ضرورت کے موقع پر کیوں اہل حدیث ہو جاتے ہیں۔

استاد جب انکار کر دے کہ میں نے یہ حدیث روایت نہیں کی تو شاید کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو اس کی روایت کمزور پڑ جائے گی اور یہی حال حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا ہے۔ گو اسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے روایت کیا ہے۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) اس حدیث پر لکھتے ہیں :-

فی احتجاج مسلم بھذا الحدیث دلیل علیٰ ذھابہ الی صحۃ الحدیث الذی یروی علیٰ ھذا الوجہ مع انکار المحدث لہ اذا حدث بہ عنہ ثقۃ .....
وخالفھم الکرخی من اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ عنھما فقال لا یحتج بہ۔[1]

ترجمہ۔ امام مسلم کا اس حدیث سے حجت پکڑنا بتلاتا ہے کہ آپ اس حدیث کی صحت کے قائل تھے جو اس طرح مروی ہو کہ استاد انکار کرے اور اس سے کوئی ثقہ روایت کر رہا ہو.... اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں امام کرخی نے اللہ ان دونوں سے راضی ہو اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے۔

نوٹ : اصول حنفیہ پر یہ پچلا راوی صرف اسی روایت میں ساقط الاعتبار ہوگا نہ کہ ان تمام روایات میں بھی جن میں شیخ روایت کا کہیں انکار نہ ہو۔

لا یقدح ذٰلک فی باقی احادیث الراوی کما صرح بہ المحدثون۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۲۱۷

حدیث ابن عباسؓ کی سند میں راوی کا اختلاف

یہ بات آپ پڑھ آئے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں استاد اپنے شاگرد پر انکار کرتا ہے کہ میں نے یہ حدیث تجھ سے بیان نہیں کی۔

امام نوویؒ اس صورت پیش آمدہ پر کہ استاد شاگرد سے اپنی روایت کا انکار کرے احناف کا یہ موقف لکھتے ہیں اس صورت میں حنفیہ کے اصول پر یہ حدیث قابل استدلال نہیں رہتی اس حدیث کا سند میں ہی انکار ہو چکا ہے۔ امام نووی رح لکھتے ہیں:۔

خالفهم الكرخي من اصحاب ابي حنيفة رضى الله عنهما فقال لا يحتج به۔[1]

ترجمہ۔ امام کرخی (۳۴۰ھ) جو امام ابوحنیفہ کے مکتب فکر کے ہیں انہوں نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث سے احتجاج نہ کیا جائے۔

اب آیئے شافعیہ کے طریق پر بھی اس حدیث پر غور کریں۔ حافظ ابن حجر الشافعی لکھتے ہیں:۔

حمل الشافعي هذا الحديث على انهم جهروا به وقتا يسيرا لاجل تعليم صفة الذكر لا انهم داوموا على الجهر به والمختار ان الامام والماموم يخفيان الذكر الا ان احتيج الى التعليم۔[2]

ترجمہ۔ امام شافعی نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ ان کا یہ جہر تعلیم ذکر کے لیے تھوڑا سا عرصہ رہا یہ نہیں کہ وہ جہر پر دائماً عمل پیرا رہے۔ فیصلہ یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں۔ تعلیم کے لیے جہر کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

محدث جلیل ملا علی قاریؒ نے امام شافعی رح کے اس فیصلے کی اصل قرآن کریم سے دریافت

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱ [2] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۶۹

کرلی اور امام بیہقی رح سے جو شافعیہ میں بڑا مقام رکھتے ہیں اس حدیث کا معارضہ صحیحین کی ہی ایک دوسری حدیث سے کیا ہے :۔

وحمل الشافعی جهره هذا علی انه کان لاجل تعلم المامومین لقوله تعالیٰ ولا تجهر بصلوٰتك ولا تخافت بها.... الآیة. نزلت فی الدعاء کما فی الصحیحین واستدلال البیهقی وغیره لطلب الاسرار بخبر الصحیحین انه علیه السلام امرهم بترك ما کانوا علیه من رفع الصوت بالتهلیل و التکبیر وقال انکم لا تدعون اصم ولا غائباً انه معکم انه سمیع قریب۔[1]

ترجمہ. اور امام شافعی رح نے اس جہر کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ مقتدیوں کی تعلیم کے لیے تھا. یہ قرآن کریم کے اس حکم کی رو سے ہے کہ آپ اپنی نماز نہ جہر سے پڑھیں نہ بالکل آہستگی سے بلکہ اس کے درمیان چلیں. یہ آیت جیسا کہ صحیحین میں ہے دعا کے بارے میں اُتری تھی. امام بیہقی اور دوسرے ائمہ نے ذکر کے آہستہ ہونے پر صحیحین کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے انہیں بلند آواز سے کلمہ پڑھنے اور اللہ اکبر کہنے سے روکا اور فرمایا کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے جس کو تم پکارنے ہو وہ سمیع قریب ہے۔

حنفیوں اور شافعیوں کا موقف تو کھل کر آپ کے سامنے آچکا اور اس پر کتاب وسنت کی شہادت بھی ہو چکی. اب حضرت امام مالک رح کا فیصلہ بھی سُن لیں. حافظ ابن حجر رح نے اسے طبری کے حوالے سے نقل کیا ہے ۔

قال ابن بطال وفی العتیبة عن مالك ان ذلك مُحدَث.[2]

ترجمہ. امام مالک سے مروی ہے آپ نے فرمایا نمازوں کے بعد یہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۔ ص ۔ ونحوه فی العینی علی البخاری جلد ۶ ص ۱۲۶ [2] فتح الباری جلد ۲ ص ۲۶۹

چاروں مذاہبِ فقہی کا اجماعی فتویٰ

ابن لبطال کہتے ہیں چاروں مذاہب میں یہی ہے کہ یہ ذکر بالجہر جائز نہیں صرف ابن حزم ظاہری نے اس سے اختلاف کیا ہے اور وہ صرف حدیث ابن عباس رض کے ظاہر پر نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کی اجازت دیتے ہیں تاہم واجب اسے وہ بھی نہیں ٹھہراتے جیساکہ بریلویوں نے اسے آج اپنے ہاں واجب کیا ہوا ہے۔ ابن لبطال کہتے ہیں:

اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت والتكبير والذكر حاشا ابن حزم۔ [1]

ترجمہ: جن مذاہب کی پیروی مسلمانوں میں جاری ہوئی اس پر سب متفق ہیں کہ اللہ اکبر کہنے اور بلند آواز سے ذکر کرنا ہرگز مستحب نہیں ابن حزم اس سے مختلف رہے۔

پس بریلوی اپنے اس عمل کے اصرار سے حنفی کہلانے کے کسی طرح مستحق نہیں وہ ظاہری اور غیر مقلد ہو چکے۔ علی پور سیداں کے پیر اختر حسین جماعتی کے یہ الفاظ بھی یہاں یاد رکھیں۔

"دلائل دیکھنے اور سننے کے باوجود اگر کوئی حنفی المذہب انکار کرے تو یہ اس کی دیدہ دلیری ہے اور پھر وہی رٹ لگائے اور اسی پر عمل کرے تو وہ حنفی کہلانے کا مستحق نہیں ہے البتہ اہلحدیث یا وہابی کہلانے کا مستحق ہے"

حافظ ابن لبطال نے یہاں (حدیث ابن عباس رض کے بارے میں) ایک لطیف نکتہ یہ بھی اُٹھایا ہے کہ جب آپ (حضرت ابن عباس رض) یہ حدیث اس طرح بیان کر رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ لوگ نماز کا پورا ہونا اس ذکر بالجہر سے پہچانتے تھے اس سے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ اس وقت جب حضرت ابن عباس رض یہ حدیث روایت کر رہے تھے ایسا نہ ہوتا تھا

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۶ صفحہ ۱۲۶ نووی جلد صـ

اور حضرت ابن عباسؓ ایک پہلے دور کی یہ بات نقل کر رہے تھے اگر یہ عمل خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی قائم ہوتا تو آپ اسے ماضی کی ایک خبر کے طور پر بیان نہ کرتے. علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ بات اس طرح نقل کی ہے:۔

وقول ابن عباس کان علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم.... الحدیث فیه دلالة علی انه لم یکن یفعل حین حدث به لانه لو کان یفعل لم یکن لقوله معنی فکان التکبیر فی اثر الصلوات لم یواظب الرسول علیه الصلوٰة والسلام علیه طول حیاته و فهم اصحابه ان ذلك لیس بلازم فترکوه خشیة ان یظن انه مما لا یتم الصلوٰة الا به فلذلك کره من کرهه من الفقهاء[1]

ترجمہ. اور حضرت ابن عباسؓ کا یہ کہنا کہ حضورؐ کے عہد میں ایسا ہوتا تھا بتا رہا ہے کہ اس وقت جب ابن عباسؓ یہ حدیث روایت کر رہے ہیں ایسا نہ ہوتا تھا اگر اس وقت بھی ایسا ہوتا ہو تو پھر اس حدیث کے کوئی معنی نہیں رہتے. سو نماز وں کے بعد بطرح تکبیر کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسا نہیں کیا اور صحابہؓ نے بھی اسے ایسا نہ سمجھا انہوں نے اسے اس لیے بھی ترک کیا یہ گمان نہ کیا جائے کہ نماز اس کے بغیر نہیں ہوتی اس لیے فقہاء نے اسے مکروہ جانا ہے۔

کیا یہ ذکر بالجہر صرف ناجائز ہے یا اس پر منع اس سے بڑھ کر ہے

اس پر منع اس سے بڑھ کر ہے امام دار الہجرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا اسے بدعت قرار دینا کوئی معمولی بات نہیں. حافظ بدرالدین عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں عبیدہ نے بھی اسے بدعت کہا ہے:۔

وعن عبیدة انه بدعة.[2]

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۶ صـ۱۲۶ [2] ایضاً جلد ۳ صـ۱۹۴

حدیث ابن عباسؓ کے بارے میں ابن حبیب کی رائے

حافظ ابن حجر نے ابن حبیب سے اس حدیث کی ایک یہ توجیہ بھی نقل کی ہے کہ یہ ذکر بالجہر جس کا حضرت ابن عباسؓ ذکر کر رہے ہیں صرف ایک فوجی کارروائی تھی دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے یہ مسلمانوں کی ایک اجتماعی آواز تھی۔ آپ لکھتے ہیں :-

انهم كانوا يستحبون التكبير في العساكر عقب صلوٰة الصبح والعشاء تكبيرًا عاليًا ثلاثًا قال هو القديم من شان الناس۔[1]

ترجمہ: صحابہؓ فوجوں میں نماز صبح اور نماز عشاء کے بعد تین دفعہ بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا پسند کرتے تھے۔ لوگوں میں جنگ کے موقع پر یہ طریق قدیم سے چلا آرہا ہے۔

پھر صحابہؓ جنگ سے واپس لوٹتے جب ذکر بالجہر کرنے لگتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کر دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن حبیب کی شرح حدیث جو انہوں نے الواضحہ میں بیان کی ہے اپنی جگہ وزن رکھتی ہے جب حضورؐ نے فرمایا اپنے اوپر نرمی کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تو اس وقت صحابہؓ جنگ سے واپس لوٹ کر مدینہ جا رہے تھے۔

بیان کرتے ہیں :-

اونچی آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے بہت مختصر کہنے میں اختلاف نہیں جہاں یقینی طور پر ثبوت موجود ہے وہاں زیادہ کہنے میں اختلاف ہے اس کے جواز کا یقین نہ کیا جائے

سو بریلویوں کی یہ تاویل کہ حضورؐ نے صحابہؓ کو جو ذکر بالجہر سے روکا تھا اس لیے تھا کہ دشمن کو یہاں مسلمان فوج کی موجودگی کا پتہ نہ چل جائے بالکل غلط نکلا یہ جنگ پر جانے کا موقع نہ تھا واپس لوٹنے کی بات تھی۔

---

[1] فتح الباری جلد ۲ صہ ۲۶۲

پھر حدیث ابن عباسؓ کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ایام تشریق کی بات ہو. اگر یہ عام دنوں کی بات ہوتی تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ فقہ کے چاروں مذاہب بالاتفاق فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کا کھلا انکار کرتے۔

رفع صوت بالذکر حافظ ابوبکر الرازی کی رائے

حافظ ابوبکر جصاص رازی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یرفع الرجل صوتہ بالقرآن قبل العشاء وبعدھا یغلط اصحابہ فی الصلوٰۃ۔ [۱]

ترجمہ. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا کہ کوئی شخص عشاء سے پہلے یا بعد قرآن پڑھتے اپنی آواز بلند کرے اور دوسرے مسلمانوں کو نماز میں مغالطہ دے۔

جب کسی مسلمان کو سونے پر بھی ذکر بالجہر سے پریشان نہیں کیا جاسکتا تو جو مسبوق ابھی نماز مکمل کر رہے ہیں انہیں نماز میں کیسے کسی مغالطے میں ڈالا جاسکتا ہے. یہ حکم صرف قرأتِ قرآن کے لیے نہیں عام ہے اور تمام اذکار کو شامل ہے۔

(واذکر ربک فی نفسک) ھو عام فی الاذکار من قرأۃ القرآن والدعاء والتسبیح والتہلیل وغیر ذلک. [۲]

ترجمہ. (اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں) یہ حکم عام ہے تمام اذکار میں. قرأت قرآن ہو یا دعا. تسبیح ہو یا لا الٰہ الا اللہ یا اس کے علاوہ کوئی اور ذکر۔

حافظ بدر الدین العینی البدایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں :۔

---

[۱] احکام القرآن جلد ۵ ص۳۸ [۲] مدارک جلد ۱ ص۵۷۲

قال مشائخنا التکبیر جہراً فی غیر ایام التشریق والاضحیٰ لا یسن الا بازاء العدو واللصوص وکذا فی الحریق والمخاوف کلھا۔[1]

ترجمہ: ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ ایام تشریق اور عید الاضحیٰ کے سوا کہیں جہراً تکبیر نہیں سوائے دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں۔ ہاں کہیں آگ لگ جائے یا کوئی خطرناک مواقع پیدا ہو جائیں تو بلند آواز سے اللہ اکبر کی آوازیں دی جا سکتی ہیں۔

ان مختلف توجیہات کو اگر اس حدیث میں جگہ نہ دی جائے تو پھر کھلے لفظوں میں اس حدیث کو منسوخ قرار دیا جائے گا۔ یہ حدیث اگر باقی رکھی جا سکتی ہے تو اسی صورت میں کہ چاروں فقہی مذاہب سے اس کا کوئی ٹکراؤ نہ رہے۔

علماء نے ذکر بالجہر کی حدیث کو منسوخ قرار دیا ہے

امداد الاحکام میں ہے :۔

صحیحین میں دوسری حدیث ابن عباسؓ کی اس حدیث کے لیے ناسخ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ ذکر اور تکبیر میں آواز بلند کرتے تھے اور حضورؐ نے ان کو اس سے منع فرمایا پس صورت موجودہ پر حدیث ابن عباسؓ سے استدلال ہرگز صحیح نہیں۔[2]

ذکر بالجہر کے عدم جواز پر چار سوالات

۱۔ جب ذکر بالجہر مطلقاً منع ہے تو جہاد کے موقع پر دشمنوں کے مقابل اللہ اکبر کے نعرے لگانا کیوں جائز ہے؟

---

[1] البنایہ جلد صـ [2] امداد الاحکام جلد ۱ صـ ۲۱۹

٢. ایامِ تشریق میں مسجدوں میں تکبیراتِ تشریق کیوں جہر سے کہی جاتی ہیں؟

٣. حج اور عمرہ کے احرام پر تلبیہ (لبیک پکارنا) باآواز بلند کیوں کہا جاتا ہے؟

٤. تراویح میں چار رکعت کے بعد تسبیح بذکر بالجہر کیا یہ جائز ہے؟

الجواب

① ذکر بالجہر مطلقاً منع نہیں کہ کہیں جائز نہ ہو۔ جہاد میں دشمن کے مقابلہ میں تکبیر بلند آواز سے کہنا شرع میں ثابت ہے۔ اس لیے جہاد میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے ذکر بالجہر جائز ہوگا۔ نمازوں کے بعد بلا تعلیم اور بلا تشریق اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ قرآن کریم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کی تیاری کریں اپنی دھاک بٹھا دیں اور اس سے مرعوب کر دیں اور یہ بھی حکم ہوا کہ مقابلے کے وقت کثرت سے ذکر کریں۔

١. اعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم۔ (پ الانفال ٦٠)

ترجمہ۔ اور تم ان کے مقابل تیار کرو جو قوت تم تیار کر سکتے ہو اور جتنے گھوڑے باندھ سکتے ہو ان کے دلوں میں دھاک بٹھا دو جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔

٢. اذا لقيتم فئة فاثبتوا واذكروا الله كثيرا۔ (پ الانفال ٤٥)

ترجمہ۔ جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو یاد کرو بہت۔

لڑائی ایک چال ہے۔ الحرب خدعة۔ اگر جنگ میں بلند آواز سے نعرے لگیں اور اللہ کا ذکر پورے رعب سے ہو تو دشمنوں کے دل دہل جائیں گے۔ اس سے یہ جائز نہیں کیا جا سکتا کہ نمازوں کے بعد بھی بلند آواز سے ذکر کریں۔ پہلے زمانہ میں لشکر والے صبح اور عشاء کے بعد زور سے تین بار اللہ اکبر کہتے تھے۔ امام مالکؒ نے اسے بھی بہیئت کذائی جائز قرار نہیں۔

حافظ جصاص رازی (ھ) کہتے ہیں ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ ایام تشریق اور عید الاضحیٰ

کے سوا کہیں جہراً تکبیر نہیں سوائے دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں اور آگ لگنے اور دوسرے خطرناک مواقع کے

② تکبیراتِ تشریق کے لیے کسی اجتہاد کی ضرورت نہیں یہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہیں اور خلافِ قیاس پر کسی دوسری صورت کو قیاس کرنا صحیح نہیں. حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے عید الفطر کی رستے کی تکبیرات کو عید الاضحیٰ کی تکبیرات پر قیاس کیا ہے اور عید الاضحیٰ پر یہ جہر (بالتکبیرات) نص سے ثابت ہے. امام ابو حنیفہؒ یہاں بھی جہر کے قائل نہیں.

امام ابن ہمام لکھتے ہیں :-

لان الجهر بالتكبير بدعة ولا خلاف فى الاقل فيجهر به فيما ثبت يقيناً و الاكثر مختلف فيه فلا يتيقن بجوازه وكون الجهر بالتكبير بدعة متيقن و الاخذ بالمتيقن اولى وقال الله تعالى واذكر ربك فى نفسك تضرعاً و خيفة ودون الجهر ورأى النبى اقواماً يرفعون اصواتهم عند الدعاء فقال انكم لن تدعوا اصم ولا غائباً۔ ؎۱

ترجمہ:

اونچی آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے، بہت مختصر کہنے میں اختلاف نہیں جہاں یقینی طور پر ثبوت ہے وہاں جہر کیا جا سکتا ہے زیادہ کہنے میں اختلاف ہے اس کے جواز کا یقین نہ کیا جائے تکبیر کا بلند آواز سے کہنا یقینی طور پر بدعت ہے اور متیقن چیز کو اختیار کرنا بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے کہا ہے تو یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں عاجز ہو کر اور آہستہ سے نہ کہ بلند آواز سے اور حضورؐ نے کچھ لوگوں کو دعا اونچی آواز سے کرتے سنا تو آپ نے کہا تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے ہو نہ کسی غائب کو (جو اتنا اونچا بول رہے ہو)

③ حج اور عمرہ کا احرام باندھ کر انسان تلبیہ پکار کر محرم ہوتا ہے اور اس کے لیے حدیث میں نص

؎۱ فتح القدیر جلد ۲ صہ ۴۹

موجود ہے سو اسے اس عام حکم پر کہ ذکر آہستہ آواز سے ہی ہونا چاہیئے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تلبیہ میں دوسرے کو اس کے محرم ہونے کی خبر ملتی ہے اور یہ بدون جہر نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہل ملبدا یقول لبیک اللّٰھم لبیک۔[1]

ترجمہ۔

میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونچی آواز سے تلبیہ کہتے سنا آپ کہہ رہے تھے لبیک اللّٰھم لبیک۔

اس پر امام نووی لکھتے ہیں :۔

قال العلماء الاھلال رفع الصوت بالتلبیة عند الدخول فی الاحرام واصل الاھلال فی اللغة رفع الصوت ای صاح ومنه قوله تعالیٰ وما اھل به لغیر اللہ ای رفع الصوت عند ذبحه بغیر ذکر اللہ وسمی الھلال ھلالاً لرفعھم الصوت عند رؤیته۔[2]

ترجمہ :۔

علماء کہتے ہیں اہلال احرام میں داخل ہوتے وقت اونچی آواز سے تلبیہ کہنے کا نام ہے لغت میں اونچی آواز نکالنے کو کہتے ہیں یوں بھی کہتے ہیں اس نے چیخ لگائی اس سے یہ ارشادِ باری ہے وما اھل به لغیر اللہ (اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا) یعنی اس پر ذبح کے لیے اونچی آواز سے اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا اور ہلال (پہلے چاند) کو بھی ہلال اس لیے کہتے ہیں کہ اسے دیکھتے ہی لوگ اونچی آواز سے اس کا اعلان کرتے ہیں۔

(۴) تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد بلند آواز سے تسبیحات کا ثبوت نہیں ملتا یہاں آواز جہر سے کچھ نیچے ہونی چاہیئے۔

تسبیح مذکور باخفاء پڑھنا بہتر ہے جہر کرنا خصوصاً جہر مفرط کرنا نہ چاہیئے امام بھی اخفاء پڑھے اور مقتدی بھی باخفاء پڑھیں۔[3]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۷۶ [2] شرح صحیح مسلم [3] فتاوی دار العلوم دیوبند جلد ۴ صفحہ ۲۴۳

اہل سنت کے لیے فیصلہ کُن بات

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) ہندوستان کے اس وقت کے بزرگ ہیں جب دیوبندی بریلوی اختلافات اُبھرے نہ تھے۔ علماء فرنگی محل اپنی جگہ ایک اپنا مقام رکھتے تھے۔ ابوالحسنات مولانا عبدالحی کے فتاویٰ میں ذکر بالجہر کی بحث میں مدخل لابن امیر الحاج کی یہ عبارت ایک فیصلہ کن درجے میں مرقوم ہے:۔

ولیحذروا جمیعًا من الجھر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی جماعۃ فانہ ذلک من البدع۔[1]

ترجمہ۔ نماز باجماعت سے فارغ ہونے کے بعد ذکر اور دعا میں جہر کرنے سے سب کو بچنا چاہیئے کیونکہ یہ بدعت ہے۔

اور مولانا نے نصاب الاحتساب سے بھی یہ عبارت نقل کی ہے:۔

اذا کبروا علیٰ اثر الصلوٰۃ جھرا یکرہ وانہ بدعۃ یعنی سوی الایام النحر والتشریق۔[2]

ترجمہ۔ نماز باجماعت کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا مکروہ ہے اور بدعت ہے ماسوائے ایام نحر اور ایام تشریق کے۔

افسوس کہ بریلویوں نے فقہ حنفی کے ان کھلے فیصلوں کے خلاف یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے وضع کی اور کچھ بھی خوفِ خدا انہیں مانع نہ آیا۔

تذکرہ غوثیہ ص۴۴ پر دیکھیں:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یجھر بالکلمۃ الطیبۃ بعد اداء الصلوٰۃ المکتوبۃ متصلاً ثلثاً.....الخ

---

[1] فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد ۳ ص۲۳۳ [2] ایضاً

ہاں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھنا اور تسبیح وتہلیل میں رہنا یہ بے شک مستحب ہے. فقہاء لکھتے ہیں :-

ہر ایک تسبیح وتہلیل وغیرہ پڑھتا رہے. مل کر پڑھنا اور آواز ملا کر پڑھنا ضروری نہیں بلکہ یہ اچھا نہیں ہے.[1]

چار رکعت کے بعد ترویحہ ہوتا ہے (اس میں ذرا راحت لی جاتی ہے) صرف اس قدر بیٹھنے کا حکم ہے کہ نمازیوں پر بار نہ گزرے اور اس میں اجتماعی ذکر اور دعا نہیں ہے لوگ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھیں..... ایک چیز کا سب کو پابند بنا دینا شریعت کی دی ہوئی آزادی پر پابندی لگانا ہے.[2]

ہاں صحیح یہ ہے کہ تراویح وتر اور تہجد تینوں متقارب عمل ہیں. وتروں کے بعد حضورؐ تسبیح سبحان الملک القدوس تین مرتبہ پڑھتے اور تیسری دفعہ آواز بلند کر لیتے اس سے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد تسبیح پڑھی جانے لگی ہے.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی روایت کرتے ہیں :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ و قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد ثم یقول اذا سلّم سبحان الملک القدوس ویرفع بسبحان الملک القدوس صوتہ بالثالثۃ.[3]

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ وتر عام طور پر تین ہی پڑھتے تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے آخر میں تسبیح بھی پڑھی جاتی تھی جن پر نیند غالب آ رہی ہوتی وہ جاگ پڑتے. تاہم یہ ضروری ہے کہ اس میں ریا کا دخل نہ ہو.

قال المظہر ھذا یدل علیٰ جواز الذکر برفع الصوت بل علی الاستحباب اذا اجتنب الریا اظھاراً اللدین وتعلیماً للسامعین وایقاظاً لھم من رقدۃ الغفلۃ.[4]

---

[1] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۲۶۷ ج۴ [2] فتاویٰ رحیمیہ ص۳۹۱ ج۵ [3] سنن نسائی ص۲۵۱ [4] حاشیہ السنن

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ آپ نے لوگوں کو بلند آواز میں پڑھتے ہوئے سنا تو پردہ ہٹا کر فرمایا۔ تم سب اپنے رب سے مناجات کر رہے ہو نماز میں آواز بلند کر کے ایک دوسرے کو اذیت مت پہنچاؤ۔

اور امام ابوحنیفہ رح (۱۵۰ھ) کے نام سے یہ عبارت وضع کی :۔

قال ابوحنيفة الكلمة الطيبة بعد اداء الصلوٰة المكتوبة فسنّة وقد كان النبى صلى الله عليه وسلم مع اصحابه يجهر بالكلمة الطيبة كذا ذكر فى النوادر البرهانى۔[1]

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہ رح کہتے ہیں فرض نمازوں کے بعد کلمہ پڑھنا سنّت ہے اور حضورؐ بے شک صحابہؓ کے ساتھ مل کر جہراً کلمہ طیبہ پڑھا کرتے تھے۔ استغفر اللہ افسوس صد افسوس کس جرأت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے اور ابوحنیفہ کے نام سے یہ بات وضع کی گئی ہے

کس حد تک مسجد میں ذکر بالجہر کی اجازت ہے

عن ابى سعيد قال اعتكف رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المسجد فسمعهم يجهرون بالقرأة فكشف الستر وقال الا ان كلكم مناج ربه فلا يؤذين بعضكم ولا يرفع بعضكم على بعض فى القرأة اوقال فى الصلوٰة۔[2]

---

[1] ارشاد الطالبین صـ۲۴۶ مطبوعہ لاہور [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صـ۱۸۸ الاتقان صـ۱۱۳

پس ذکر بالجہر اس حد تک جائز ہے کہ کوئی دوسرے کے لیئے تکلیف کا سبب نہ بنے اور کوئی دوسرے سے اپنی آواز نہ بڑھائے نہ قرأت میں نہ نماز میں۔ اس میں یہ سب باتیں آگئیں۔

۱. اگر کوئی معتکف مسجد میں سویا ہوا ہے تو تمہارا جہر (آواز اونچی رکھنا) اسے پریشان نہ کرے اس کی نیند بھی عبادت ہے تمہارا ذکر اس میں مخل نہ ہو۔

۲. اگر کوئی دوسرا شخص مسجد میں پاس بیٹھا قرآن کریم پڑھ رہا ہے تو تمہاری آواز اس کے پڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈالے۔

۳. اگر کوئی شخص مسجد میں دیر میں آیا اور جماعت ہو گئی تھی تو بھی اس کا حق ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھ سکے۔ کوئی ایسی آواز مسجد میں نہ نکالی جائے جو اس کے سکون کو خراب کرے یا اسے نماز میں بھول لگے۔ آواز اگر ذکر کی ہو اس کا نکالنا بھی جائز نہیں۔

۴. مسجد میں اذان دینی ہو تو آواز چیخنے کی حد تک اونچی نہ ہو: اتنی ہو جتنی اقامت میں ہو

۵. اس انداز میں مسجد میں ذکر بالجہر نہ کرے کہ دیکھنے والے سمجھیں وہ ہوش میں نہیں گو وہ ہوش میں ہو۔ صرف اتنی اونچی ہو کہ اسے برداشت کیا جا سکے۔

مسجدیں اصلاً نمازوں کے لیے ہیں یہاں کوئی عمل جو مسبوق کی نمازوں کو خراب کرے ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ افسوس کہ بریلویوں نے اس بدعت طلماء سے اپنی مسجدوں کو دحشت کے مورچے بنا رکھا ہے۔

③ نکاح میں کلمہ پڑھانے کی رسم

نکاح مسلمان گواہوں کے سامنے عورت اور مرد کے ایجاب و قبول کا نام ہے۔ نکاح میں خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ بریلویوں نے نکاح میں ایک تیسرے جزو کا بھی اضافہ کیا ہے اور وہ کلمے پڑھانا ہے۔ صحابہؓ و تابعینؒ کے دور میں یہ نہ تھا۔ بریلویوں نے اسے خواہ مخواہ سنت ٹھہرا رکھا ہے ان کے بڑے مولوی اسے صرف مباح کہتے ہیں کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

ہم جواباً کہتے ہیں کہ آپ نے اس مباح کو جو نکاح کے وقت کے ساتھ جوڑا ہے اور لوگوں نے اسے ایک نیکی اور کار خیر سمجھا تو اب یہ کیسے مباح رہا. آپ نے اسے ایک ایسی ہیئت دی جو کہ کتاب وسنت میں کہیں نہیں پائی گئی. اب اس ہیئت کے ساتھ یہ عمل مطلق مباح نہ رہا. یہ وقت اور ہیئت کی تخصیص اسے دین کی صورت میں لے آئی اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ دین کا نہیں ہے اور نہ کتاب وسنت میں اس کی کوئی شہادت موجود ہے سو اسے بدعت تسلیم کرنے سے چارہ نہیں.

بریلوی کہتے ہیں ہمارے اعلیٰحضرت نے فرمایا ہے نکاح باہمن بھی پڑھا سکتا ہے کیوں کہ قرآن وحدیث میں کہیں اس سے منع نہیں کیا گیا. سو ہم ایسا کریں تو ہم پر کوئی گناہ لازم نہ آئے گا. ہم انہیں کہتے ہیں تم پاکستان میں باہمن کہاں سے لاؤ گے اور اگر وہ آگیا تو تمہاری ضرورت کیا رہے گی؟ اس پر انہیں سمجھ آئی کہ باہمن کلمے نہ پڑھا سکے گا. سو ہماری ضرورت پھر بھی رہی.

بریلوی علماء اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے برات والوں کو مولوی صاحب کی اچھی خاصی محنت کا پتہ چلتا ہے اور وہ دل کھول کر خدمت کرتے ہیں. علماء کو اپنی اہمیت بڑھانے کے لیے نکاح کے وقت کلمے ضرور پڑھانے چاہئیں.

جس طرح بدی بدی کو کھینچتی ہے بدعت بدعت کو کھینچتی ہے. اب ایک دوسرا مسئلہ سامنے آگیا کہ کیا نکاح خواں اس بہانے اپنی نکاح پڑھنے کی اُجرت بڑھا سکتا ہے؟ کلمے پڑھانے میں آخر اس نے کتنی محنت کی ہوتی ہے. تاہم اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں.

④ جنازہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے جانا

وینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهریة فان ارادان یذکر الله تعالیٰ یذکر فی نفسه لقوله تعالیٰ انه لا یحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره ان یقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفر الله لکم [1]

---

[1] رد المحتار جلد ١ ص ٨٣٥

ترجمہ. جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے اسے چاہیئے کہ مسلسل خاموشی اختیار کرے ..... اور اگر وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ اپنے جی میں اس کا ذکر کرے. اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا. زیادتی کرنے والے کون ہیں؟ جہر سے دعا کرنے والے امام ابراہیم نخعی سے مروی ہے، آپ اس بات کو بھی ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص جنازہ کے ساتھ جارہا ہو اور وہ دوسروں سے کہے اس کے لیے استغفار کرو. اللہ تعالیٰ تمہیں بھی بخش دیں گے.

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے جانشین مفتی احمد یار خاں لکھتے ہیں:.

عن ابن عمرؓ قال لم یکن یُسمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یمشی خلف الجنازۃ الا قول لا الٰہ الا اللہ مبدیًا و راجعًا. اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔[1]

ترجمہ. حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے پیچھے چل رہے ہوتے تو جاتے اور آتے کبھی لا الٰہ الا اللہ کے سوا کچھ نہ پڑھتے.

جواب: بریلویوں نے فقہ کی کتابیں چھوڑ کر حدیث سے براہ راست استدلال کرنے کی غیر مقلدانہ روش تو اپنالی لیکن یہ سمجھ نہ پائے کہ حدیث جاننے کے لیے اس کے راویوں کا علم ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی کہ اس کی اپنے موضوع پر دلالت واضح ہے یا نہ.

یہ حدیث صرف ضعیف نہیں اس کی سند میں ابراہیم بن ابی حمید ہے جو جعلی حدیثیں وضع کرتا تھا. امام ابو عروبہ کہتے ہیں:.

کان یضع الحدیث.[2] وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا.

ثانیاً. اس میں یہ کہاں ہے کہ آپ کلمہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے. بہت قریب کا آدمی سُن

---

[1] جاء الحق ص۲۸۶ [2] لسان المیزان لابن حجر العسقلانی جلد ۱ ص۲۸

نے تو اس سے جہر کا ثبوت کیسے ہو گیا۔

حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں صحابہ کرامؓ تین موقعوں پہ آواز اونچی کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے جنازہ کے ساتھ۔ جنگ کے وقت اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے:۔

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرھون الصوت عند ثلث الجنائز والقتال والذکر۔[1]

حضرت زید بن ارقمؓ (٦٦ھ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا:۔

ان اللہ یحب الصمت عند ثلث عند تلاوۃ القرآن وعند الزحف و عند الجنازۃ۔[2]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی کو پسند کرتے ہیں۔ ذکر[1] وتلاوت کے وقت۔ جنگ[2] کے وقت اور جنازہ[3] کے موقع پر۔

فقہائے احناف کا فتوےٰ بھی یہی ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ (٩٦٩ھ) لکھتے ہیں:۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم۔[3]

ترجمہ۔ جنازہ کے ساتھ آواز بلند کرنا ذکر کے ساتھ ہو یا تلاوتِ قرآن کے ساتھ یا کسی اور کلمہ کے ساتھ یہ سب مکروہ ہے۔ اور مکروہ تحریمی ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ آہستہ آواز سے اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس میں حرج نہیں۔ فقہائے کرام نے اس کی اجازت دی ہے۔ فتاوے قاضی خاں میں ہے:۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر فان اراد ان یذکر اللہ یذکر فی نفسہ۔[4]

ترجمہ۔ اونچی آواز سے (جنازہ کے ساتھ) اللہ کا ذکر کرنا مکروہ ہے اگر کوئی ذکر کرے

---

[1] سیر کبیر جلد ا صـ۸۹ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صـ۲۱۹ [3] البحر الرائق جلد ۲ صـ۱۹۹ [4] فتاویٰ قاضی خاں جلد ا صـ۹۱

تو اپنے جی میں ذکر کرے۔

بریلوی علماء کو بھی معلوم ہے کہ مطلق ذکر سے ذکر بالجہر ثابت نہیں ہوتا، جنازہ کے ساتھ باتیں کرتے جانا درست نہیں ذکر میں مشغول رہنا بہتر ہے. لیکن ان کے پاس ذکر بالجہر کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

مجبوراً مولوی محمد عمر صاحب اچھروی نے یہ دلیل وضع کی ہے:-

ذکر جہری بالمیت کرنا اہل سنت کے لیے ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں کو وہابی اور حنفی کے جنازے کا علم ہو جائے[1]

کسی مرحوم کے لیے کوئی شخص مرثیہ کہے اور اس میں اپنے غم کا اظہار کرے یا اس کی منقبت بیان کرے تو اس کی فقہاء نے اجازت دی ہے مگر اس کا جنازے سے کوئی تعلق نہیں۔

مولانا محمد عمر نے اس اجازت کو بھی جنازے کے ساتھ جوڑ دیا ہے. فرماتے ہیں:-

تم اپنے جنازہ کے ساتھ فقہاء کی اتباع میں مرثیہ خوانی کر لیا کرو۔[2]

اس سے آپ اس بے چارگی کا اندازہ کریں جس میں یہ بریلوی علماء مبتلا ہیں کہ دلیل بنے نہ بنے یہ بہرحال کچھ نہ کچھ کہے جاتے ہیں اور یہی بریلویت کی حقیقت ہے۔

---

[1] مقیاس الحنفیت ص۵۸۴ [2] ایضاً ص۵۸۵

⑤ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کلمہ پڑھنا

کلمہ شریف ہو یا اللہ تعالیٰ کا ذکر یا قرآن خوانی. ان پاک اور طیب کلمات کا تقدس اجازت نہیں دیتا کہ انہیں کسی دنیوی غرض کے لیے پڑھا جائے. بہت سے سائلین ریل اور بسوں میں آپ کو ایسے ملیں گے جو واردات کرنے سے پہلے تھوڑی سی قرآن خوانی کرتے ہیں. اس قرآن پڑھنے کا مقصد انہیں ان کی باتوں سے چھڑانا اور اپنی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے. کلمہ شریف کو یا اللہ کے کلام کو گداگری کے لیے استعمال کرنا ہرگز روا نہیں صحابہؓ اور تابعینؒ کرام نے کلمہ اسلام کو کبھی ان دنیوی اغراض کے لیے استعمال نہیں کیا.

پہرے دار اگر رات پہرہ دیتے بلند آواز سے کلمہ پڑھتا ہے تو اس سے اس کی غرض اپنے آپ کو جگائے رکھنے یا لوگوں کو باخبر رکھنے کے لیے کہ میں اپنی ڈیوٹی کر رہا ہوں کے سوا کیا ہو سکتی ہے. ایک چھوٹے کام کے لیے یہ ایک اعلیٰ کلام کا استعمال ہے جو ناجائز ہے.

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

ایک چوکیدار لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے وہ گنہگار ہوگا اس واسطے کہ وہ اس کام (چوکیداری) کے دام لیتا ہے (یعنی دام کمانے کی خاطر کلمے کا استعمال کیسے جائز ہو سکتا ہے.[1]

اب آگے کلمہ کے بعد اذان کے گرد پھیلے بدعات کے کانٹے ملاحظہ فرمائیں.

---

[1] فتاویٰ ہندیہ جلد ٩ صفحہ ١٩

اذان اور اقامت میں لائی گئیں بدعات

١. اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ
٢. اذان میں حضورؐ کے نام پر اپنے انگوٹھے چومنا
٣. جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے اندر نہ ہو۔
٤. قد قامتِ الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو روکنا
٥. وبا اور قحط کے دنوں میں عام اذانیں دینا۔

(١) اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ

اسلام میں عبادات سب توقیفی ہیں جن کا صحابہ کرامؓ سے منقول و ماثور ہونا ضروری ہے۔ راہِ حق کی تعیین حضرت خاتم النبیینؐ نے ما انا علیہ واصحابی سے کر دی ہوئی ہے اور یہ بات اپنی جگہ پختہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں صلوٰۃ وسلام ہرگز نہ تھا۔ نہ شروع اذان میں نہ آخر اذان میں نہ درمیان میں ــــ اذان میں اگر کچھ بھی اضافے کی گنجائش ہوتی تو اذان کے آخری جملے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اقرار رسالت محمد رسول اللہ ضرور ملا لیا جاتا۔ جب یہ نہیں تو کوئی اور کلمہ یا صلوٰۃ وسلام اس حکم میں نہیں کہ اسے اذان میں داخل کیا جا سکے۔

بریلوی مولویوں کا طریق واردات

بریلوی مولویوں میں جب دین میں کوئی نئی چیز داخل کرتی ہو تو وہ عام طور پر اسے تخصیص کی راہ سے لاتے ہیں ان کا دعوےٰ خاص ہوتا ہے لیکن اس پر دلیل وہ عام لاتے ہیں کسی عمل کو کسی خاص وقت سے یا کسی خاص ہیئت سے مخصوص کرنے کا حق صرف شریعت کو ہے اگر اس نے اسے

کسی خاص وقت یا کسی خاص ہیئت سے خاص نہیں کیا تو بریلوی اسے کسی خاص وقت سے خاص کر کے ایک بدعت کیوں کھڑی کر دیتے ہیں اور جب ان سے اس کی دلیل پوچھی جائے تو وہ دلیل میں لاتے ہیں ان عمومات کو جن کا اس خاص وقت یا خاص ہیئت سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ــــ بات چل رہی ہوتی ہے اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی اور وہ آیت پڑھنی شروع کر دیتے ہیں جس میں مطلق درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے۔ اب یہ لوگوں کو مغالطہ دینا نہیں تو اور کیا ہے۔ دعوے خاص اور دلیل عام۔

عوام کو چاہیئے کہ وہ ان کے اس طریقِ واردات سے آگاہ رہیں۔ جب وہ اس طرح مغالطہ دیں تو انہیں صاف کہیں آپ کا دعوے خاص ہے۔ آپ اذان کے ساتھ درود وسلام پڑھتے ہیں اور آپ جو دلیل پیش کر رہے ہیں یہ عام ہے اس میں اذان کا کوئی ذکر نہیں۔ سو آپ کے دعوے اور دلیل میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں بھی اسی راہ پر چلے ہیں۔ بات اذان کی ہو رہی تھی آپ مطلق درود کو لے بیٹھے۔ دیکھیے کیسی ڈھٹائی سے لکھتے ہیں :-

> جس امر کا اللہ عزوجل قرآن عظیم میں مطلق حکم دیتا ہو اور خود اپنا اور اپنے ملائکہ کا فعل بتاتا ہو اسے (اذان کے ساتھ پڑھنے کو) بدعت کہہ کر منع کرنا نہیں مگر وہابیہ کا کام ہے اور وہابیہ گمراہ نہ ہوں گے تو ابلیس بھی گمراہ نہ ہوگا اس کی گمراہی ان سے ہلکی ہے۔[1]

دیکھیئے اعلیٰحضرت کس دبے انداز میں شیطان کی خیر خواہی کر گئے ہیں۔ بریلویوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ شیطان نماز پڑھتا ہے اور وہ بھی دکھانے کے لیے نہیں، بلکہ اس لیے کہ شاید اس کی مغفرت ہو جائے۔[2]

---

[1] احکام شریعت حصہ اوّل ص۱۵ طبع مراد آباد [2] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اوّل ص۱۲

شیعوں کی اذان کا بہانہ

بعض نادان بریلوی کہتے ہیں کہ چونکہ اثنا عشری شیعوں نے اپنی اذان میں خلافتِ علی بلافصل کا اضافہ کر رکھا ہے۔ اس لیے ہم اپنی اذان میں اضافہ کیوں نہ کریں۔ مصر میں فاطمیوں نے جو اسماعیلی عقیدہ رکھتے تھے۔ اذان میں السلام علی الملک الظاھر کا اضافہ کر رکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسے بدل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام شروع کرا دیا تو ہمارا یہ اضافہ اب صرف شیعوں کے مقابل میں ہیں۔

جواباً عرض ہے کیا تمہارے لیے شیعہ ہی مشعلِ راہ رہ گئے ہیں۔ تم کہاں تک ان کے پیچھے چلو گے ہمارے لیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ما انا علیہ واصحابی کو سنگِ میل بنایا تھا تم شیعوں کو اپنا پیشوا بنا بیٹھے۔ شیعوں میں ایک فرقہ مفوضہ گزرا ہے جس نے اذان میں اضافہ کیا تھا۔ اثنا عشری شیعہ محدث شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) نے من لا یحضرہ الفقیہ میں اس کی پرزور تردید کی ہے اور لکھا کہ حضرت علیؓ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حقِ ولایت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ جملہ اذان میں سے نہیں اسے اذان میں کیوں داخل کر دیا گیا ہے۔ ابن بابویہ قمی نے اس پر صریح لفظوں میں مفوضہ پر لعنت کی ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب اسماعیلیوں پر فتح پائی تو اسے پھر سے ان کی بغاوت کا اندیشہ تھا۔ وہ نہ چاہتا تھا کہ دیہات اور صحرا کی آبادیوں میں یہ بات چلے کہ سلطان نے اذان میں صلوٰۃ و سلام بند کرا دیا ہے۔ اس نے اس سیاسی مصلحت سے اس بدعت کا کچھ امالہ کر دیا کہ اب بجائے اسماعیلیوں کے امام ظاہر کے صلوٰۃ وسلام حضرت خاتم النبیینؐ پر پڑھا جانے لگا اور پھر جب حالات درست ہو گئے تو یہ صلوٰۃ وسلام بھی مصر کی اذانوں سے جاتا رہا۔ اور آج مصر میں یہ کسی مسجد میں اذان کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ محض ایک وقتی مصلحت تھی۔

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام کہنا یہ آٹھویں صدی کی یاد ہے۔ اس سے پہلے یہ کہیں نہ تھا خود مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :۔

درمختار میں ہے۔ والتسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر ۱۸۷ سبع مائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین۔[1]

اب آپ ہی غور فرمائیں جو چیز اسلام کی پہلی سات صدیوں میں کہیں نہ پائی گئی نہ کہیں سنی گئی۔ وہ اسلام میں کیسے مستحسن ہو گئی۔ استحسان اور استحباب شرعی حکم ہیں۔ ان کے لیے دلیل شرعیت سے ہونی چاہیئے۔ کسی بادشاہ کا فرمان اس کے لیے کافی نہیں ہو سکتا ہے اس نے کس مجبوری میں فیصلہ کیا تھا اسے کون جانے۔ پاکستان میں پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ (علی پور ضلع سیالکوٹ) کے پیروؤں نے اس مسئلہ پر بریلویوں کی کھل کر مخالفت کی ہے۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کی زندگی میں کبھی ان کے ہم خیال نہ ہوئے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی پر کبھی تعریض بھی کر دیتے ان کی پوزیشن کمزور کرنے کی کوشش کرتے اور پیر جماعت علی شاہ صاحب مشائخ نقشبندیہ پر جان دیتے تھے۔ اب کوئی نقشبندی کیسے مولانا احمد رضا خاں کا معتقد ہو سکتا ہے۔ احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے۔[2]

مجددی ہونا کیا کوئی عیب ہے؟ مولانا احمد رضا خاں اسے اس طرح ذکر کر رہے ہیں گویا ان کی مجددیوں سے کوئی نسبت عقیدت نہیں۔ پھر تعجب ان مجددیوں پہ ہے جو مولانا احمد رضا خاں کو اعلیٰ حضرت کہتے ہیں۔

---

[1] احکام شریعت جلد اول ص ۶۵ طبع مراد آباد ردالمحتار جلد ۱ ص ۳۶۲ [2] ملفوظات حصہ ۲ ص ۷۷

اذان کے ساتھ درود ملانے کی ایک بریلوی دلیل

ساہیوال ضلع سرگودھا کے علاقہ میں ایک بریلوی شیخ الحدیث جگہ جگہ اس حدیث سے اپنی مفروضہ اذان ثابت کرتے سنائی دے رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۶۷ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علیّ فانه من صلى علیّ صلٰوة صلی الله عليه بها عشرا[1]

ترجمہ۔ جب تم مؤذن کو (اذان دیتے) سنو تو تم بھی وہ کلمات کہو جو وہ مؤذن کہہ رہا ہے پھر تم مجھ پر درود پڑھو۔ جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔

بریلوی استدلال

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اذان کو درود شریف سے ایک بڑی مناسبت ہے۔ اذان کے ساتھ اسے پڑھنا بڑا ہی مناسب ہے۔ اذان کے بعد ہم اس لیے درود پڑھتے ہیں کہ سب سننے والوں کو اس طرف توجہ ہو جائے اور وہ بھی پڑھیں سو یہ ہمارا پڑھنا تعلیماً ہے۔

الجواب

یہ درود شریف پڑھنے کا حکم اذان سننے والوں کو ہے اذان دینے والے کو نہیں۔ اذان ایک دعوت اور اعلان ہے۔ دعوت اور اعلان کی اصل یہ ہے کہ وہ جہرا ہو[2] تاکہ دوسروں کو پتہ چلے اور درود شریف پڑھنا

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۷ [2] حضورؐ نے فرمایا۔ المؤذن يغفر له مدى صوته۔ مؤذن کی اس حد تک مغفرت ہوتی ہے جہاں تک اس کی آواز پہنچے۔ (رواہ ابوداؤد)

ایک دعا ہے اور دعا کا مزاج یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو ——— اذان سننے والے جس طرح آہستہ آواز سے کلمات اذان ساتھ ساتھ دہراتے ہیں۔ اسی آواز سے وہ آگے درود شریف پڑھ لیں گے۔ مؤذن با آواز بلند درود شریف اذان کے ساتھ ملائے۔ یہ بات کہاں سے نکل آئی۔ اس پر غور کیجئے۔

② جو بات تعلیماً با آواز بلند کہی جائے وہ کچھ دنوں بعد چھوڑ دی جاتی ہے تاکہ عبادت اپنی اصل پہ آجائے۔ آنحضرتؐ نے آمین بھی با آواز بلند کہی تاکہ مقتدیوں کو آمین کے محل اور تلفظ کا پتہ چل جائے۔ پھر جو آمین سنت قائمہ قرار پائی۔ وہ اب تک احناف کے ہاں آہستہ آواز سے کہی جاتی ہے۔

اذا دعا بالدعاء الماثور جهراً ومعه القوم ليتعلموا الدعاء لا بأس به واذا تعلموا حينئذ يكون جهر القوم بدعة۔[1]

ترجمہ: جب امام ایسی دعائیں جو آثار میں ملتی ہیں بلند آواز سے مانگے اور قوم بھی اس کے ساتھ اسی طرح کریں تاکہ دعا سیکھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں جب وہ سیکھ لیں تو اس وقت ان کا بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہوگا۔

③ اب بریلویوں کی مسجدوں میں آج کل جو اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام ملاتے ہیں وہ اذان سے پہلے پڑھتے ہیں اذان کی باری بعد میں آتی ہے اسے ثم صلوا علی کا تعمیل حکم بتانا کسی صاحب علم کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے اس ارشاد پر کبھی عمل کیا یا نہیں۔ اس ارشاد کے اولین مخاطب وہی تھے۔ کیا کبھی انہوں نے اپنی اذانوں میں کلمات اذان کے ساتھ کبھی درود وسلام بلند آواز سے ملایا تھا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ذکر اور درود میں فرق

اصل ذکر اور دعا دونوں میں یہ ہے کہ آہستہ آواز سے ہو۔ البتہ بعض حالات میں ذکر بلند آواز سے بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ اس سے مسجد میں کسی قرآن پڑھنے والے کو کسی نماز پڑھنے والے کو اور

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۱۹۴

کسی سونے والے معتکف کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ لیکن درود شریف کہیں باآواز بلند پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسے ہمیشہ آہستہ ہی پڑھنا ہوگا۔ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت سے موجود ہے۔

والسنة ان یخفی صوته بالدعاء۔[1]

ترجمہ۔ اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دعا کے لیے اپنی آواز کو آہستہ رکھے اور روضہ اقدس پر جب صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو ادب ملحوظ رکھے۔

ولا یرفع صوته ولا یقتصد۔[2]

ترجمہ۔ اور صلوٰۃ وسلام میں اپنی آواز اونچی نہ کرے نہ درمیانی آواز نکالے۔

یعنی بالکل آہستہ بالکل دبی آواز سے صلوٰۃ وسلام عرض کرے۔ یہ گلے پھاڑ پھاڑ کر درود و سلام کہنا اور اسے اذان کی طرح جہر کرنا اس سے زیادہ آداب درود کی بے حرمتی کیا ہوگی۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے:۔

ویستحب ان یصلی علی النبی المعلم للخیر صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من تلبیة و یخفض صوته بذلك۔[3]

ترجمہ۔ اور مستحب ہے کہ تلبیہ سے فارغ ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خیر سکھانے والے ہیں ان پہ درود پڑھے اور درود پڑھتے آواز آہستہ رکھے۔

علماء احناف تو یہ کہیں کہ درود شریف کا (بوجہ دعا ہونے کے) مزاج یہ ہے کہ اسے نہایت دبی آواز سے پڑھا جاتے اور یہ نام کے حنفی اذان کے ساتھ درود وسلام اتنی بلند آواز سے گلا پھاڑ پھاڑ کر پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) ابوحنیفہ ثانی بھی کہا جاتا ہے وہ بھی لکھتے ہیں:۔

ثم اذا احرم صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقب احرامه سرًا و ھکذا یفعل عقب التلبیة۔[4]

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ [2] ایضاً کتاب المناسک جلد ۱ صفحہ ۲۷۲ [3] فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۸
[4] البحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۳۲۳

ترجمہ. پھر جب احرام باندھ لے اور محرم ہو جائے تو اس کے متصلاً بعد (نہایت آہستہ سے، جیسے کوئی راز کی بات ہو درود شریف پڑھے اور اسی طرح آہستہ آواز سے لبیک کے بعد بھی درود شریف پڑھے۔

کشتی ہچکولے کھانے لگے اور مسافر گھبرا جائیں تو ذکر آہستہ آواز سے کریں. لڑائی کے وقت بھی ذکر الٰہی نہایت آہستہ آواز سے ہو اور درود شریف میں تو فضیلت اسی میں ہے کہ آہستہ ہو گلا پھاڑ پھاڑ کر نہ ہو. نہ یہ لاؤڈ سپیکر پر پڑھا جائے. فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

والاخفاء افضل عند الفزع فی السفينة وملاعبتهم بالسيوف وكذا الصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم.[1]

ترجمہ. کشتی میں گھبراہٹ کے وقت بھی آہستہ اللہ کا ذکر کرے. تلواروں سے کھیلتے وقت بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے وقت بھی آواز کو آہستہ رکھے۔

درود شریف بلند آواز سے پڑھنا پھر اسی آواز میں جس میں اذان کہتے ہیں اس کا فقہ حنفی میں رائی کے دانے کے برابر جواز نہیں ملتا. چہ جائیکہ اسے حنفی مذہب کا نشان سمجھا جائے. ہاں کوئی جبلی حنفی اس طرح کہنے پر ضد کرلے تو ہم اس کا کیا کر سکتے ہیں.

تلبیہ تو اس آواز سے نہیں کہا جاتا جس میں اذان کہتے ہیں. یہ ایسی آواز سے کہتے ہیں کہ ساتھ والے سنتے ہیں درود والے نہیں اور درود شریف کے بارے میں حکم ہے کہ اسے تلبیہ کی آواز سے بھی آہستہ آواز میں پڑھا جاتے. دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری بھی لکھتے ہیں ۔

روى الدارقطني والبيهقي انه عليه السلام كان يصلي على نفسه بعد تلبيته ويستحب ان يكون صوته به اخفض من التلبية.[2]

---

[1] فتاوےٰ عالمگیری جلد ۴ ص۱۸۹ [2] مرقات جلد ۳ ص۱۸۶

ترجمہ۔ دارقطنی اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لبیک پکارنے کے بعد اپنے اوپر خود بھی درود پڑھتے تھے اور مستحب یہ ہے کہ درود پڑھنے کی آواز تلبیہ کی آواز سے بھی دبی اور نیچی ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں بلند آواز سے درود پڑھتے دیکھا تو علی الاعلان فرمایا۔ ما اراکم الا مبتدعین۔ تم سب بدعتی ہو۔ یہ کہا اور انہیں مسجد سے نکال دیا۔

ان تفصیلات سے یہ بات کھل کر آپ کے سامنے آگئی ہو گی کہ یہ موضوع صرف اذان میں صلوٰۃ وسلام کے اضافے کا نہیں۔ درود وسلام کو جہر سے پڑھنے کا بھی ہے اور یہ وہ صورت عمل ہے جس کی فقہ حنفی میں ذرا گنجائش نہیں ہے۔

سو بریلوی مساجد کا یہ عمل کہ مؤذن اذان کی آواز کے ساتھ درود وسلام پڑھتا ہے۔ ایسی بدعت ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی صفوں میں اس کے لیے کوئی مقام نہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور بریلویوں کا یہ اختلاف ایک اصولی اختلاف ہے یہ کوئی برسراہ کا اختلاف نہیں۔

ھٰذا ماعندی وعندالناس ماعندھم واللہ علیٰ ما اقول شہید۔

جس سال سب سے پہلے اذان میں صلوٰۃ وسلام ملایا گیا اور یہ سنت اسلام پہلی دفعہ مجروح ہوئی تو امام سیوطیؒ کے بیان کے مطابق بنی نوع انسان میں پہلی جنسی تبدیلی اسی سال واقع ہوئی۔ لڑکیاں لڑکے بننے لگے اور لڑکے لڑکیاں اور آج کل کی یہ مخلوط فضا اذان کو خلط ملط کرنے کی واقعی ایک قومی سزا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ یہ سن ٧٨١ ھ تھا۔ جب اہل سنت کی اذان پہلی دفعہ کسی اضافے سے مخلوط کی گئی۔

۲ اذان میں حضورؐ کے نام پر انگوٹھے چومنا

بریلویوں میں ایک یہ بدعت بھی پائی جاتی ہے کہ اذان سنتے وقت وہ اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دے کر نہایت محبت اور عقیدت میں ان انگوٹھوں کو چومتے ہیں ــــ اب اپنے انگوٹھوں کو حضورؐ کے انگوٹھے قرار دینے کی اس گستاخی پہ ان کی ایک دلیل ملاحظہ ہو:۔

سید الکائنات نے کیا بیعتِ رضوان کے موقع پہ کیا اپنے بائیں ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ نہ ٹھہرایا؟ کیا سید الکائنات نے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے سیدی حضرت عثمانؓ کی بیعت نہ لی؟ اگر ہم اپنے انگوٹھوں کو اذان میں حضور سید الکائناتؐ کے انگوٹھے سمجھ کر انہیں بوسہ عقیدت دیں تو یہ ناجائز کیسے ہوگیا۔ کیا صحیح بخاری میں اس کی اصل نہیں ملتی کہ سید الکائنات نے اپنے ہاتھ کو سیدی حضرت عثمانؓ کا ہاتھ ٹھہرایا اور پندرہ سو صحابہؓ نے اس پہ سکوت کیا کسی نے نکیر نہ کی ــــ کیا صحابہؓ کا اجماع حجت نہیں ہے؟[1]

غیر مجتہد جب اجتہاد پہ آجائے تو ایسے ہی گل کھلاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اللہ کے پیغمبر کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور عصمت کے سائے میں ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان میں جو حضرت عثمانؓ کی بیعت لی یہ وحیِ الٰہی سے تھی۔ گو یہ وحی غیر متلو تھی اور اس طرح حضرت عثمانؓ کے مثالی ہاتھ پہ اللہ رب العزت کا ہاتھ تھا اس کا ذکر وحی متلو (قرآن کریم) میں موجود ہے۔

پھر حضرت عثمانؓ کا حضور رسالت مآبؐ کا احترام ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں:۔

میں نے جب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے اپنے اس ہاتھ سے شرمگاہ کو نہیں چھوا۔[2]

---

[1] اشتہار واجب الاعتبار (مولانا) مختار احمد مطبوعہ کانپور [2] رواہ ابن ماجہ ص۲۷

اب کوئی ان اہلِ بدعت سے پوچھے کہ جب تم اذان میں اپنے انگوٹھوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھے قرار دیتے ہو تو پھر کیا تم اپنے ان ہاتھوں سے استنجا نہیں کرتے؟ کیا تمہارا یہی احترام مصطفیٰ ہے؟ اور کیا تمہارے پاس بھی کوئی وحی آئی ہے کہ تمہارے انگوٹھے حضور سرورِ کائنات کے انگوٹھوں کے درجہ کو پہنچ گئے ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف کرو اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس گستاخی سے بچو۔

پھر اپنی اس گستاخی پر بریلویوں نے ایک موضوع روایت کا سہارا لے رکھا ہے اس پر عمل کرنے سے پہلے بریلویوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر پوری نظر رکھنی چاہیئے تھی۔

من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار [1]

ترجمہ: جس نے جانتے بوجھتے مجھ پر جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت ابوبکر صدیق اپنی تمام زندگی میں حضورؐ کے ساتھ اس طرح چلے ہیں جیسے سایہ اپنی اصل کے ساتھ چلتا ہے۔ سو حضرت ابوبکرؓ پر جھوٹ باندھنا بھی جہنمی ہونے کا ہی ایک نشان ہے۔

وہ موضوع روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مؤذن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے سُنا تو آپ نے اپنی انگلیوں کے باطنی حصے کو چوما اور آنکھوں سے لگایا —— یہ روایت علامہ دیلمیؒ کی کتاب مسند الفردوس کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے۔

فنِ حدیث میں جو کتابیں موضوعات (گھڑی ہوئی احادیث) پر لکھی گئی ہیں ان میں علامہ طاہر حنفی کی تذکرۃ الموضوعات اور ملا علی قاریؒ کی موضوعاتِ کبیر بہت معروف ہیں۔ ان دونوں میں علی الترتیب ص۳۶ اور ص۷۵ پر یہ روایت لا یصح کہہ کر نقل کی گئی ہے۔ اس کا ان موضوعات کی کتابوں میں اس طرح نقل ہونا بتاتا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔ موضوعات کی بحث میں جب کسی حدیث کے متعلق کہا جائے لا یصح اور آگے اس کے حسن یا ضعیف ہونے کا کوئی ذکر نہ ہو تو اس سے مراد اس

---

[1] رواہ ابن ماجہ ص۵

حدیث کا سرے سے نہ ثابت ہونا ہی ہوتا ہے. یہ نہیں کہ اس سے حسن یا ضعیف ہونے کی نفی نہ ہوا ور ان کتابوں کا اسلوب سمجھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے. یہاں لا یصح کا مطلب یہی ہے کہ یہ روایت سرے سے ثابت نہیں —— علامہ سخاویؒ نے اسے مقاصد حسنہ میں بھی نقل کیا ہے. مگر ملا علی قاریؒ نے موضوعات کبیر میں اسے علامہ سخاویؒ کے حوالے سے ہی لا یصح کے الفاظ سے نقل کیا ہے.

جب کسی ضعیف حدیث کو مجروح کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ موضوع ہے. ورنہ ضعیف کے نیچے اور کون سا درجہ ہے کہ ضعیف پر جرح کر کے اسے اس درجہ تک لایا جائے. مولانا احمد رضا خاں نے انگوٹھوں کے چومنے کی روایات کو صرف ضعیفہ نہیں کہا ضعیفہ مجروحہ کہا ہے. آپ لکھتے ہیں :-

> اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں نہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی ہے جو اس کے لیے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون جانیں یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد[1]

یہاں مولانا احمد رضا خاں نے صریح طور پر ان روایات کو اس درجے میں ضعیف مانا ہے کہ ان پر ضعف سے آگے بھی جرح ہے. اب ضعف سے آگے وضع کے سوا اور کیا درجہ باقی رہ جاتا ہے اس پر آپ خود غور فرما لیں.

ضعیف حدیث پر عمل بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ اس کا ثبوت حدیث میں موجود ہے :-

> لا یعتقد عند العمل بہ ثبوتہ[2]

---

[1] ابر المقال ص۱، ص۱۱ مطبوعہ حسنی پریس [2] القول البدیع للسخاوی

ترجمہ۔ اس پر عمل کرنے والا یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ یہ عمل شرعاً ثابت ہے۔

اب آپ ہی بتائیں اذان میں یہ انگوٹھے چومنے والے اپنے اس عمل پر کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

بریلوی حضرات کو اگر واقعی یہ یقین ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں تو انہیں چاہیئے کہ اس کی کوئی ایسی سند پیش کریں جس میں کوئی راوی متہم بالوضع نہ ہو۔ سند میں ایک راوی بھی وضاع ہو تو حدیث ضعیف نہ رہے گی۔ ضعیف حدیث پر عمل بھی صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ موضوع درجے تک نہ پہنچی ہو۔ علامہ سخاویؒ (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں:۔

یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔[1]

ترجمہ۔ فضائل اور ترغیب و توبیخ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا اسی وقت تک جائز اور مستحسن ہے کہ وہ موضوع ہونے کے درجے تک نہ پہنچی ہو۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تیسیر المقال میں ان احادیث کے بارے میں فیصلہ یہ دیا ہے:۔

الحدیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی الله علیه وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات۔[2]

ترجمہ۔ وہ احادیث جو حضورؐ کا نام لینے کے وقت انگلیوں کے چومنے اور انہیں آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں روایت کی گئی ہیں سب کی سب موضوع ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں اور مفتی احمد یار خاں میں اختلاف

مولانا احمد رضا خاں جس درجے میں بھی اس مسئلے کا اقرار کرتے ہیں وہ مسئلہ انگوٹھے چومنے کا ہے انگلیاں چومنے کا نہیں اور مفتی احمد یار خاں صاحب انگوٹھے چومنے کی بجائے انگلیوں کے

---

[1] القول البدیع ص۱۹۵ [2] ماخوذ از عماد الدین ص۱۲۳ مطبوعہ ۱۹۷۸ء

چومنے کے قائل ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھنے کا مسئلہ بیان کرتے ہیں مگر مفتی صاحب انگلیوں کے اندر کے حصوں کو چومنے کے قائل ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی یہ کتاب منیر العینین فی تقبیل الابہامین انگوٹھوں کے حق میں ہے۔ مگر مفتی صاحب کو انگلیوں کی عادت تھی بریلویوں میں دونوں طرح یہ عمل جاری ہے۔

ایک دفعہ دونوں گروہوں کے کچھ لوگ بات کے تصفیے کے لیے بیٹھے کہ انگوٹھے چومے جائیں یا انگلیاں۔ مسئلے کا فیصلہ تو ان میں نہ ہو سکا۔ البتہ مولانا محمد عمر اچھروی نے دونوں میں اس طرح صلح کرادی کہ سری نمازوں کی اذان میں انگلیاں اور جہری نمازوں کی اذان میں انگوٹھے چومے جائیں سُنا ہے اسی پر دونوں فریق راضی ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں جب اصل مسئلہ ہی کہیں موجود نہیں تو اس کی یہ تفصیل کہاں موجود ہوگی۔ ہم مولانا محمد عمر صاحب سے اس کی دلیل نہیں پوچھتے۔ وہ اپنی ان بدعات کا جواب دینے کے لیے خود اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں۔

اہل بدعت نے اپنے اس خود ساختہ مسئلے کے لیے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے روایت گھڑی اور اس کی حقیقت آپ حضرات اجلہ محدثین سے سُن چکے ہیں۔ اس دور کے اہلِ بدعت نے کہا زمین پر پہلے خلیفہ تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اب ان کے نام سے بھی انہوں نے ایک روایت گھڑلی مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

> حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرطِ محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔[1]

مفتی صاحب کہتے ہیں یہاں روح القدس سے مراد نورِ مصطفوی ہے جو آدم علیہ السلام کے انگوٹھوں میں چمکایا گیا تھا کیا ہم مفتی صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا آپ کے انگوٹھوں میں بھی کبھی نورِ مصطفوی چمکا ہے جو آپ انہیں بار بار چومتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آدم ثانی کا دعوے کرنا

---

[1] جاء الحق صہ ۳۷۹

آپ کے پیش نظر ہو۔ اور اس پہ آپ اپنے انگوٹھوں میں نورِ مصطفوی چمکنے کے مدعی ہوں۔

پہلے خلیفۃ اللہ فی الارض ہوں (جیسے آدم علیہ السلام) یا پہلے خلیفہ راشد (حضرت ابوبکر صدیقؓ) بریلویوں نے ان کے نام سے اذان میں انگوٹھے چومنے کی روایات بنا رکھی ہیں۔

نوٹ: مفتی صاحب نے یہ روایت کہاں سے لی ہے؟ اپنے استاد مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے انہوں نے اسے کہاں سے لیا ہے وہ ان کی زبان سے سنیئے اور ان محققین کے اس اعتماد پر سر دھنیئے:-

ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا ...... اس میں لکھا ہے۔[1]

بعض صوفیوں نے بطور علاج اس میں فائدہ دیکھا

بعض اعمال بطور علاج مفید پائے گئے تو علماء نے ان کی اجازت دی بشرطیکہ کرنے والا اسے دینی تقاضا نہ سمجھے نہ اس کے شرعی ثبوت کا قائل ہو اسے درجہ علاج میں ہی رکھے۔ حضرت خضرؑ کے اعمال شرعی درجہ میں سمجھ نہیں آسکتے تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے برداشت نہ ہو سکا۔ علماء شریعت نے لکھا ہے کہ صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں رکھتا۔

ایک درویش محمد بن بابا نے بیان کیا ایک بار تیز آندھی سے ان کی آنکھ میں کنکری پڑ گئی۔ وہ نکلتی نہ تھی اور سخت درد تھا۔ انہوں نے مؤذن کو اذان دیتے سنا جب اس نے اشهد ان محمداً رسول اللہ کہا تو انہوں نے بھی یہ کلمہ دہرایا کنکری فوراً نکل گئی۔ اس طرح ایک درویش امجد نے اپنا تجربہ بیان کیا کہ جو شخص اذان میں حضورؐ کا نام سن کر اپنی انگشت شہادت اور انگوٹھے کا جوڑ آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

یہ تجربے عملیات کی قبیل سے ہیں یہ شریعت کے مسائل نہیں تاہم ان کے اثرات دیکھے گئے۔ علامہ شامی نے فتاویٰ صوفیہ سے اسے نقل کیا اور جو ضعیف روایات ان کے ثبوت میں انہیں

---

[1] جاء الحق صفحہ ۳۸۰ ؎ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

ملیں ان کے پیش نظر اس عمل کو مستحب کہا اور آخر میں کہہ دیا کہ حضورؐ سے اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی :-
یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشہادۃ صلی اللّٰہ علیک یارسول اللّٰہ وعند الثانیۃ منہا قرۃ عینی بک یارسول اللّٰہ . . . . کذا فی کنز العباد للقہستانی ونحوہ فی لفتاویٰ الصوفیہ وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابہامیہ عند سماع . . . . ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شئ [1]

ترجمہ . مستحب ہے کہ پہلی شہادت (اشہد ان محمداً رسول اللّٰہ) کے وقت صلی اللّٰہ علیک یارسول اللّٰہ ہے اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللّٰہ (میری آنکھ کی ٹھنڈک آپ کے نام سے ہے) کہے کنز العباد میں اسی طرح دیا گیا ہے . فتاویٰ صوفیہ میں بھی اسی طرح دیا گیا ہے . فتاویٰ صوفیہ میں بھی اس طرح ہے اور مسند الفردوس میں ہے جس نے اپنے انگوٹھوں کی پشت کو اس سننے پہ بوسہ دیا . . . . الخ مرفوع روایات میں سے اس باب میں کوئی چیز صحیح طور پر ثابت نہیں .

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس عمل کو زیادہ سے زیادہ مستحب کا درجہ دیا جا سکتا ہے لیکن جب یہ عمل اہل بدعت میں کفر و اسلام کی نشانی بن چکا ہے تو اسے ناجائز قرار دیئے بغیر اور ترک کیے بغیر اہل حق کے لیے اور کوئی راہ نہیں . بریلویوں کے بڑے عالم مولانا محمود احمد رضوی مہتمم مدرسہ حزب الاحناف لکھتے ہیں :-

فقہائے احناف بتصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی امر مستحب کو فرض و واجب سمجھنے لگے یا کسی امر مستحب کو فرض اور واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا . . . . جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا . [2]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ؒ نماز چاشت کے بارے میں جو سند صحیح سے ثابت ہے

---

[1] رد المحتار جلد ۱ ص ۳۷۰ [2] بصیرت از محمود رضوی بحوالہ مرقات

حضرت ابن عمرؓ کے اسے بدعت ٹھہرانے کے بارے میں لکھتے ہیں :-

جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ لوگوں کے مجتمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان پڑھنے کی بنا پر ہے یہ نماز (نماز چاشت) حد ذات میں تو مشروع ہے لیکن اس کا ایسا اجتماع اور اظہار کرنا جیسا کہ یہ عمل فرائض میں سے ہو بدعت ہے۔[1]

گجرات کے جلیل القدر عالم حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری بھی لکھتے ہیں :-

نام مبارک لے کر، یا سُن کر، انگوٹھے چومنے کو حدیث سے ثابت شدہ ماننا اور مسنون سمجھنا اور اس کو آپ کی تعظیم ٹھہرانا غلط اور بے دلیل ہے یہ بدعتیوں کی ایجاد ہے اور اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔[2]

اب صورت یہ ہے کہ لوگ اس کو آپ کی خاص تعظیم اور سنّتِ مقصودہ سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو لعن طعن کرتے ہیں اور حنفیت کے خلاف اور اہل سنّت سے خارج تصور کرتے ہیں یہ تمام باتیں غلط ہیں اور ان کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ ایسا نہ کیا جائے اور اس عمل کو ترک کر دیا جائے۔ فقہ کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ مستحب کو جب اپنے درجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے۔ تو وہ مکروہ ہو جاتا ہے[3] واستنبط منه ان المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن مرتبته.

ترجمہ۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مستحب چیز بھی مکروہ ہو جاتی ہے جب اُسے اپنے درجہ سے اُونچا کیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی لکھتے ہیں :-

ان المندوبات قد تنقلب مکروھات اذا رفعت عن مرتبتها لان التیامن مستحب فی کل شیٔ من امور العبادة لکن لما خشی ابن مسعود ان یعتقدوا وجوبه اشار الی کراھته۔[4]

---

[1] مدارج النبوۃ جلد ا صہ ۶۸ [2] فتاویٰ رحیمیہ جلد ا صہ ۵۸ [3] مجمع البحار جلد ۲ صہ ۲۴۴ [4] فتح الباری جلد ۲ صہ ۲۸۱

حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف جس حدیث کی نسبت کی جاتی ہے وہ موضوع ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں :۔

جب کہ حدیث کا ناقابل استدلال ہونا ثابت ہے تو پھر اس کو سنت یا مستحب سمجھنا بے دلیل ہے اور اس کے تارک کو ملامت کرنا یا طعن کرنا مذموم زیادہ سے زیادہ اس کو بطور علاج رمد کے ایک عمل سمجھ کر کوئی کرلے تو مثل دیگر عملیات مباح ہو سکتا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں[1]

④ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر نہ ہو

مولانا احمد رضا خاں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ آواز اٹھائی کہ آپ نے جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر امام کے سامنے دلوانے میں غلطی کی ہے۔ یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہیئے یہ موقف اہلحدیث حضرات کا تھا احناف کا نہیں۔ مشہور اہلحدیث عالم مولانا شمس الحق نے عون المعبود میں یہی موقف اختیار کیا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں جن مسائل میں اہلحدیث کے ساتھ چلے یہ مسئلہ بھی ان میں سے ہے۔ علماء بدایوں جو اکثر بدعات میں مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تھے اس مسئلے میں وہ بھی مولانا احمد رضا خاں کے خلاف ہو گئے۔ مولانا احمد رضا خاں نے علماء بدایوں جو عثمانی النسب تھے کے خلاف ایک رسالہ اجلی انوار الرضا لکھا۔ اس میں آپ نے انہیں پدری نسبت کا طعنہ دیا جو کسی سنی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔ مولانا احمد رضا خاں نے لکھا :۔

جو در بارہ اذان سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اگر امام وقت ہے (اپنی ذات مراد تھی) جاہل و نامہذب اور ہزاروں دشنام کا مستوجب

---

[1] کفایت المفتی جلد ۳ ص۸

ہے اور جو پدر پرستی میں حضرت عثمانؓ کی پیروی میں، سنت نبوی اور
ارشادات فقہ پس پشت پھینک دے وہ جاہل ہو امام زماں اور
علامہ چنیں وچناں ہے۔[1]

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے اس پر رسالہ تنشیط الاذان فی تحقیق محل الاذان لکھا، پھر خیرآبادی علماء بھی مولانا احمد رضا خاں کے خلاف ہو گئے۔ مولانا معین الدین اجمیری نے بھی القول الاظہر احمد رضا خاں کے خلاف لکھا۔ احمد رضا خاں سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ وہ علمی پایہ میں مولانا اجمیری کے پایہ کے نہ تھے۔ القول الاظہر کا نتیجہ یہ نکلا کہ بریلویوں نے اس مسئلہ میں مولانا احمد رضا خاں کی پیروی سے انکار کر دیا۔ آج ان کی مساجد میں بھی جمعہ کی اذان مسجد کے اندر ہی ہوتی ہے اگر باہر دی جائے تو پتہ نہیں رہتا کہ مؤذن امام کے عین سامنے اذان دے رہا ہے یا نہیں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب مراقی الفلاح میں ہے۔

والاذان بین یدیہ کالاقامۃ جری بہ التوارث[2]

ترجمہ۔ اور جمعہ کی اذان ثانی امام کے سامنے دی جائے جیسے اقامت ہوتی ہے صحابہ کے دور سے یہ مسئلہ مسلسل چلا آرہا ہے۔

سو خاں صاحب کا یہ کہنا کہ یہ اذان بھی مسجد سے باہر دی جائے فقہ حنفی کے مطابق نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل ان شاء اللہ ہم کہیں آگے جا کر کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔

(۴) قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا

اس زمانے کی بدعات میں ایک بدعت جماعت کے لیے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کی لازمی پابندی ہے۔ اہل بدعت کی مسجدوں میں امام کے مصلے پر آنے کے بعد تکبیر کے شروع میں اگر لوگ صف میں کھڑے ہونے لگیں تو انہیں روکا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے

---

[1] انوار رضا صفحہ ۱۳   [2] مراقی الفلاح مع الطحطاوی صفحہ ۲۸۳

کھڑا ہونا جائز نہیں۔

نمازی جماعت کے لیے کس وقت کھڑے ہوں ؟ اس کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی کہ اس کے خلاف کرنا مکروہ ہو۔ ہاں آخری حد قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہونا ہے اس سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

حضرت امام مالکؒ مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں درس دیتے تھے اور وہیں نماز پڑھتے تھے۔ ان کا زمانہ خلافتِ راشدہ سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ ان کے دور میں مسجد نبوی میں کیا عمل تھا اسے آپ کی زبان سے سنیئے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

اما قیام الناس حین تقام الصلوٰۃ فانی لم اسمع فی قیام الناس بحد محدود الا انی اریٰ ذٰلک علیٰ طاقۃ الناس۔[1]

ترجمہ۔ نماز کھڑی ہو تو لوگ کب کھڑے ہوں ؟ میں نے اس میں کوئی حدِ معین کی روایت نہیں سُنی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگوں کی اپنی ہمت پر موقوف ہے۔

یعنی جو جلدی کھڑا ہو سکے وہ جلدی کھڑا ہو جائے۔ جو کمزور ہو وہ ذرا دیر سے کھڑا ہو لے مستحب یہ ہے کہ اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن تکبیر کہنے لگے ـــــ مؤذن کے تکبیر شروع کرنے کے بعد بھی بیٹھا رہنا اور قد قامت الصلوٰۃ کا انتظار کرنا اس سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھنا اس بدعت نے ان دنوں بعض مسجدوں میں عجیب حال پیدا کر رکھا ہے۔ حضرت امام مالکؒ خود تکبیر کے شروع میں کھڑے ہوتے تھے۔ حافظ ابن حزم اندلسیؒ (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں :۔

روی عن مالک انہ یقوم فی اول الاقامۃ۔[2]

ترجمہ۔ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ آپ شروع اقامت میں کھڑے ہوتے تھے۔

حضرت علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں :۔

قد اختلف الناس متیٰ یقوم الناس الی الصلوٰۃ فذھب مالک وجمہور

---

[1] موطا امام مالک صہ۲۶ [2] المحلیٰ جلد ۱ صہ

العلماء الیٰ انه لیس لقیامهم حد ولکن استحب عامتهم القیام اذا اخذ المؤذن فی اقامة۔[1]

ترجمہ۔ سلف میں اس میں اختلاف رہا ہے کہ لوگ نماز کے لیے کب کھڑے ہوں۔ امام مالکؒ اور جمہور علماء کی رائے ہے کہ مقتدیوں کے کھڑا ہونے کے لیے شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ تاہم مستحب یہ ہے کہ مؤذن جب اقامت شروع کرے تو لوگ کھڑے ہو جائیں۔

مسجد نبویؐ کے علمی وارث کی یہ شہادت آپ کے سامنے ہے اور جو اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کو کہتے ہیں وہ بھی مستحب سے آگے نہیں بڑھتے اور یہ بریلوی ہیں جو قد قامت الصلوٰۃ پہ کھڑے ہونے کو واجب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور جو پہلے کھڑا ہو جائے اس پر سخت نکیر کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا عمل

عن ابن عمرؓ ان عمر ابن الخطاب کان یأمر رجالاً بتسویة الصفوف فاذا جاؤه فاخبروه بتسویتها کبر بعد۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کو امر فرماتے کہ صفیں سیدھی کرائیں۔ جب وہ لوگ آ کر آپ کو اطلاع دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں تو پھر تکبیر کہتے۔

حضرت عثمانؓ کا عمل

آپؓ جب نماز کھڑی ہوتی تو کہتے۔

فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناکب فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوٰۃ۔[3]

---

[1] عینی شرح بخاری جلد ۵ ص ۱۵۳ [2]

ترجمہ: صفیں سیدھی کرو اور کندھے سے کندھا ملاؤ کیونکہ صفیں سیدھی کرنا بھی نماز کا عمل ہے۔

پھر لوگ آپ کو اطلاع دیتے کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں پھر آپ تکبیر کہتے۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ مؤذن نے تکبیر کب کہی؟ اگر یہ تسویہ صفوف کی ساری محنت (لوگوں کو اس کی تحقیق کے لیے بھیجنا اور ان کا آپ کو آکر اطلاع دینا کہ صفیں سیدھی ہو گئی ہیں) اس کے بعد کی گئی ہے تو تکبیر مؤذن اور امام کے نماز شروع کرنے کے مابین ایک لمبا وقفہ قائم ہوتا ہے جس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا اور امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ جب مؤذن تکبیر کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے ـــــ وقفہ کہاں گیا؟ امام محمدؒ لکھتے ہیں:۔

فاذا اقام المؤذن الصلوة کبر الامام وھو قول ابی حنیفة[1]

ترجمہ: سو جب مؤذن اقامت کہہ دے امام نماز شروع کر دے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول یہی ہے۔

حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں:۔

ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰة فیصفوا ویسوّوا الصفوف ویحاذوا بین المناکب[2]

ترجمہ: لوگوں کو چاہیئے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا کریں صفیں باندھ لیا کریں اور انہیں سیدھی بھی کر لیں اور کندھے سے کندھا ملائیں۔

یہاں اُٹھ کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بھی بیٹھے نہ رہیں اور امام نے تو تکبیر ختم ہوتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ دینی ہوتی ہے۔ اس کے بعد کھڑے ہوں گے تو صفیں سیدھی کرنے اور کندھے سے کندھا ملانے کا وقت نہیں ملے گا تو نمازیوں کو اب کھڑا ہونے میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔

---

[1] موطا امام محمد ص۸۷ [2] ایضاً

فقہاء کرام نے اس عبارت پر کہ مؤذن جب حی علی الفلاح تک پہنچے تو مقتدیوں کو کھڑا ہوجانا چاہیئے کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ اس سے زیادہ تاخیر نہ ہو کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھے رہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز ہے۔ حضرت علامہ طحطاویؒ درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والظاھر انہ احتراز عن التاخیر لا من التقدیم حتی لو قام اول الاقامۃ لا بأس وجاز۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ نے یہاں تاخیر سے بچنے کا کہا ہے (کہ حی علی الفلاح کے بعد بیٹھا نہ رہے) تقدیم سے بچنے کا نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا ناجائز ہو۔ حتیٰ کہ اگر کوئی اقامت کے شروع میں ہی کھڑا ہو گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ پہلے کھڑا ہونا جائز ہے (ہاں تاخیر درست نہیں) بریلویوں کو ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ سے یہ مغالطہ ہوا ہے کہ وہ (مقتدی) اس سے پہلے کھڑے نہ ہوں۔ حالانکہ اس عبارت کا مطلب وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں —— شرح وقایہ کی عبارت کا بھی مطلب یہی ہے اور اگر اس کے ظاہر پر بھی عمل ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ایک عمل مندوب ہوگا اور ظاہر ہے کہ امر مندوب پر اصرار نہیں ہوتا اور جب اس پر اصرار ہونے لگے تو اسے چھوڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) کا فیصلہ بھی سن لیں:۔

عن سعید بن المسیب قال اذا قال المؤذن اللہ اکبر وجب القیام و اذا قال حی علی الصلوٰۃ عدلت الصفوف و اذا قال لا الہ الا اللہ کبّر الامام۔[2]

ترجمہ۔ حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ مؤذن جب تکبیر شروع کرے تو

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ [2] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰

مقتدی کے لیے کھڑا ہونا واجب ہو جاتا ہے جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہے تو صفیں سیدھی کر لی جائیں اور جب مؤذن لا الٰہ الا اللہ کہے تو امام نماز شروع کر دے۔

حضرت علامہ عینیؒ اسے تابعی جلیل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ ھ) سے بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں۔[1]

یہ ان اکابر کا فیصلہ ہے اسے یکسر غلط قرار دینا اور قد قامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز کہنا یہ بدعت ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسے مستحب بھی مانا جائے تو ترکِ مستحب سے اس کا مکروہ ہونا لازم نہیں آتا۔ جب یہ مکروہ نہیں تو اس پہ بریلویوں کی یہ نکیر کیوں ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:۔

ولا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ۔[2]

ترجمہ۔ مستحب کے ترک سے کسی کام کا مکروہ ہونا لازم نہیں آجاتا۔

امرِ مندوب پہ اصرار جائز نہیں۔ اگر اس پہ ایسا اصرار ہو جو اس کے واجب ہونے کا شبہ پیدا کرے تو اس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔ شریعت نے مقتدی کے کھڑا ہونے کو امام کے دیکھنے سے وابستہ کیا ہے مؤذن کی تکبیر سے نہیں اور اس کے لیے حضورؐ کا یہ فرمان کافی و وافی ہے:۔

لا تقوموا حتی ترونی وعلیکم بالسکینۃ۔[3]

ترجمہ۔ تم جماعت کے لیے اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو اور کھڑے ہونے میں (ہجوم نہ کرو) سکون و اطمینان سے کھڑے ہوا کرو۔

سو اب نماز کے لیے کھڑا ہونے کو تکبیر مؤذن کے ماتحت قرار دینا اور اس پر اتنا اصرار کرنا کہ اگر کوئی پہلے کھڑا ہو جائے اس پر نکیر عام کرنا اور اصرار کرنا یہ ہرگز امورِ شرع میں سے نہیں۔

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۵ صفحہ ۱۵۳ [2] رد المحتار علامہ شامی جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۴

⑤ وبا اور قحط کے دنوں میں عام اذانیں دینا

جب کبھی وبا پھوٹے یا قحط واقع ہو تو عام لوگ اپنے مکانوں پر چڑھ کر آذانیں دیتے ہیں اور ان کے مولوی اس عمل پر ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ بریلویوں کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔ وہ اس پر اسے قیاس کرتے ہیں کہ مغموم آدمی کے کان میں اذان کہنا روا ہے اس سے اس کا غم جاتا رہتا ہے۔ یاد رہے کہ مغموم کے کان میں اذان کہنا صحابہؓ سے مروی ہے اور وبا اور قحط کے حملوں کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ملا علی قاریؒ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:۔

قالوا لیس للمھموم ان یامر غیرہ ان یوذن فی اذنہ فانہ یزیل الھم کذا عن علی رضی اللہ عنہ ونقل الاحادیث الواردۃ فی ذلک۔[1]

ترجمہ: علماء نے کہا ہے کسی غمزدہ کو روا نہیں کہ کسی دوسرے کو کہے میرے کان میں اذان دو تاکہ یہ غم کو دور کرے ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور اس میں کئی احادیث روایت کی گئی ہیں۔

عام لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ اذان دینے سے آسمانی بلائیں رکتی ہیں اہل بدعت کی اختراع ہے۔ زمانہ قحط اور وباؤں اور دیگر حادثات میں اور دفن میت پر اذان کہنا شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں لہذا بدعت ہے جنات جنگل میں یورش بپا کر دیں تو بے شک اذان کہی جاسکتی ہے لیکن وباؤں کے پھیلنے پر یہ عمل اختیار نہیں کیا جاسکتا۔[2]

وبا اور قحط میں اذان کہنا منقول نہیں ہے اور تغول غیلان کے وقت جو اذان مستحب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر طور سے غیلان جن محسوس ہو مثلاً جنگل وغیرہ میں کسی کو جنات کا احساس ہو تو اس وقت اذان کہنے کا حکم ہے امراض وبائیہ میں یہ وارد نہیں ہے نہ اس کو اس پر قیاس کر سکتے ہیں۔[3]

---

[1] مرقات جلد ۲ [2] ردالمحتار ۲ [2] فتاوی دارالعلوم دیوبند ۸۴ [3] ایضاً ۹۳

نمازوں میں لائی گئی بدعات

اب چلیئے بریلویوں کی نمازوں میں لائی گئی چند بدعات کا بھی تنقیدی جائزہ لیں :-

(۱) مزارات پر نمازیں پڑھنے کے زیادہ ثواب کا اعتقاد

پوری دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں جن میں نماز کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ ۱۔ مسجد حرام، ۲۔ مسجد نبوی، ۳۔ مسجد اقصیٰ۔ ان کے سوا دنیا میں جتنی بھی مسجدیں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ مزاروں کے ساتھ جو مسجدیں بنی ہیں وہ بھی یہی درجہ رکھتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی ان میں اس نیت سے نماز پڑھے کہ یہ جوارِ اولیاء کرام میں ہے تو اس کے لیے یہاں نماز پڑھنا ناجائز ہو جائے گا کہ یہ اللہ کی تعظیم میں بزرگوں کی تعظیم کو ملانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اس لیے اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد (او کما قال النبیؐ)

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے اُنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔

لاہور میں ہم نے کتنے بریلویوں کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا صاحب کی مسجد میں اس اعتقاد سے نماز پڑھنے جاتے ہیں کہ وہاں انہیں داتا صاحب کی طرف سے پذیرائی حاصل ہوتی ہے۔ شب جمعرات کو کئی لوگ خاص خاص مسجدوں کا رُخ کرتے ہیں کہ وہاں کی نماز عام مسجدوں کی نسبت سے بہت زیادہ ثواب رکھتی ہے۔

(۲) تشہد میں نیت بدلنا اور حضورؐ کی طرف متوجہ ہونا

نماز میں نمازی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی نیت باندھتا ہے اور تکبیر تحریمہ سے لے کر

سلام پھیرنے تک وہ خدا کے ہی حضور حاضر رہتا ہے. اسے اپنا دھیان خدا سے ہٹا کر کسی اور طرف توجہ باندھنے کی اجازت نہیں. نماز عبادت ہے اور اس میں کسی اور کو شریک نہیں کیا جا سکتا. علماء لکھتے ہیں نمازی نماز میں اپنی توجہ کسی اور طرف نہ پھیرے. توجہ پھیرنے کو صرفِ ہمت کہتے ہیں کہ انسان اپنی پوری ہمت بس اسی طرف لگا لے اور خدا سے دھیان ہٹا لے. صرف ہمت توجہ پھیرنے اور کسی اور طرف دھیان باندھنے کا نام ہے.

بریلوی حضرات نماز میں التحیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ باندھتے ہیں کہ گویا اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہیں اور آپ پر السلام علیك ایھا النبی کہہ کر خود سلام پیش کر رہے ہیں یہ نہیں کہ فرشتہ ان کے اس سلام کو پہنچائے.

خدا تعالیٰ سے توجہ پھیرنا اور حضورؐ کا دھیان باندھ لینا یہ نماز کے لیے بڑی آفت ہے اور شرک کی کھلی دعوت ہے. ائمہ اربعہ اور ان کے مسلک کے علماء محدثین اور فقہاء نے اس کی ہرگز اجازت نہیں دی. نماز عبادت ہے اور صرف خدا کی عبادت ہے اور شروع سے لے کر آخر تک عبادت ہے.

بریلوی نماز میں صرفِ ہمت کرتے ہیں اور اپنی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتے ہیں اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو عالم حق صرفِ ہمت سے منع کرتے ہیں یہ ان کی مخالفت کرتے ہیں اور خود نماز میں خدا سے دھیان ہٹا کر اپنے بزرگوں پر توجہ باندھ لیتے ہیں.

جو امام نماز میں صرفِ ہمت کرتا ہو اہل سنت بھائیوں کو چاہیئے کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں. اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی. وہ شرک کی دلدل میں دھنسا جا رہا ہے. ہاں اگر وہ صرفِ ہمت نہ کرے نہ خیال باندھے تو خیال آنے میں کوئی بُرائی نہیں. نماز میں قرأت میں جب انبیائے کرام کے نام آئیں گے تو خیال لازماً ادھر جائے گا یا درود شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ہے تو خیال ادھر بھی جائے گا لیکن یہ محض خیال ہے. نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانے میں

کوئی حرج نہیں نہ اس سے نماز ٹوٹتی ہے معمولی اور خسیس چیزوں کا خیال آجانے سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی جو چیز نماز کی آفت ہے وہ صرف ہمت ہے اور نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کی نیت باندھنے والا شرک میں مبتلا ہے جس کی بخشش نہ ہوگی۔

نماز میں اگر کسی کو حضورؐ کی زیارت ہو جائے تو بھی اپنے آپ کو اللہ سے فارغ نہ کرے یوں سمجھے کہ بادشاہ کے حضور حاضر ہوا تھا وہاں وزیر اعظم کو بھی موجود اور حاضر پایا۔ اب بادشاہ سے صرفِ نظر کیے بغیر وہ وزیر اعظم کو بھی سلام عرض کر دے۔ یہ احتیاط رہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی طرح بھی صرفِ ہمت نہ ہو۔

حافظ بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں :-

ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لھم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت . . . فاذا التفتوا فاذا الحبیب فی حریم الحبیب حاضر فاقبلوا علیہ قائلین السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔[1]

ترجمہ نمازی جب التحیات کہہ کر باب الملکوت کھلواتے ہیں تو انہیں اللہ رب العزت کے حریم قرب میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے..... وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس حریم قرب میں حاضر ہیں سو اس طرف السلام علیک ایھا النبیؐ کہتے ہوئے آئے ہیں۔

اس میں نمازی صرفِ ہمت نہیں کرتے حضور آپ کو خود ہی وہاں مل رہے ہیں۔

عبادت کی انتہائی کیفیت وہ توجہ ہے جو نمازی خدا کی طرف باندھتا ہے توجہ کو اپنے مورد سے ہٹانا اور کسی دوسری طرف لگانا صرفِ ہمت ہے جس سے بزرگانِ دین اپنے مخلص مریدکو روکتے ہیں حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے مریدوں کو صرفِ ہمت سے روکا کہ نماز میں تم توجہ کسی اور طرف نہ پھیرو۔ بریلوی نماز میں صرفِ ہمت کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری دیتے ہیں وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی اس بات پر بہت تڑپے۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف بھی ایک طوفان

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۶ ص۱۱۱

بدتمیزی کھڑا کیا کہ دیکھو آپ نماز میں حضورؐ کی طرف خیال کرنے سے روکتے ہیں حالانکہ آپ نے بزرگوں کی طرف صرفِ ہمت کرنے سے روکا تھا خیال آنے سے نہیں. ظاہر ہے کہ خیال آنے پر تو کوئی گرفت نہیں ہو سکتی. ہاں نماز میں اللہ تعالیٰ سے توجہ پھیر کر کسی اور طرف خیال باندھنے کی اجازت نہیں اس صورت میں عبادت ایک خدا کی نہیں رہتی.

ایک غور طلب بات

بریلوی اگر نماز میں تشہد کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے صرفِ ہمت نہیں کرتے اور یہ ان کی عام عادت نہیں تو جب حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے ارادتمندوں کو نماز میں صرفِ ہمت سے روکا تو یہ لوگ اس پر اتنے سیخ پا ہوئے اتنے کیوں چڑے یہ صورتِ حال بتاتی ہے کہ یہ خود نماز میں صرفِ ہمت کرتے ہیں جب ان کے شرک کا یہ حال ہے کہ یہ نماز بھی ایک خدا کی نہیں پڑھتے تو ان کے پیچھے توحید پر عقیدہ رکھنے والے کسی مسلمان کی نماز کیوں کر درست ہو سکتی ہے.

بریلوی اس کے جواب میں کہتے ہیں مولانا اسماعیل شہیدؒ یہاں صرفِ ہمت سے نہیں روکتے حضورؐ کا خیال آنے سے روکتے ہیں. ہم کہتے ہیں جس کا دل چاہے کتاب صراطِ مستقیم اٹھا کر دیکھ لے بریلویوں کا جماعتی جھوٹ خود آپ کے سامنے آجائے گا.

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لفظ "ہمت" کی وضاحت فرماتے ہیں :-

الهمة عبارة عن اجتماع الخاطر و تاكد العزيمة بصورة التمني و الطلب بحيث لا يخطر في القلب خاطر سوى هذا المراد كطلب العطشان الماء.[1]

ترجمہ:

ہمت سے مراد جمع خاطر ہے (یعنی پورے دل کو اس پر لگا دینا) اور تمنا کے طور پر یہ اپنا ارادہ اس میں جماتا ہے اور یہ ایسی طلب ہے کہ دل میں اس ایک مراد کے سوا اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہو جیسا کہ پیاسا ہمہ تن پانی پر دھیان جمائے بیٹھا ہے.

پہلے یہ لوگ بزرگوں پر توجہ باندھتے ہیں پھر ان کی تصاویر بھی ساتھ رکھتے ہیں شدہ شدہ ان کی یہ بے راہ روی انہیں شرک کی دلدل میں پھینک دیتی ہے. مولانا احمد رضا خاں خود اقرار کرتے ہیں:

دنیا میں بُت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ صالحین (اللہ کے نیک بندوں) کی محبت میں ان کی تصاویر بنا کر رکھیں اور اس سے لذتِ عبادت کی تائید سمجھی شدہ شدہ وہی معبود ہوگئیں.[1]

علامہ شامیؒ بت پرستی کی جڑ تصویروں کو نہیں بزرگوں کی قبروں کو ٹھہراتے ہیں:

ان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد.[2]

ترجمہ:

بُت پرستی کی ابتداء اس سے ہوئی کہ لوگوں نے صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا.

مولانا احمد رضا خاں نے علامہ شامی کی بات کے مقابل ایک اپنی بات بنا رکھی ہے وہ شرک کی ابتدا قبر پرستی سے بتلانا نہ چاہتے تھے اس میں ان کی مصلحت کیا ہوگی ہم اس پر اس وقت بحث کرنا نہیں چاہتے. اس وقت ہم صرف یہ بتلا رہے ہیں کہ بریلوی اپنی نمازوں میں تشہد میں واقعی صرفِ ہمت کرتے ہیں ورنہ وہ صرفِ ہمت سے روکنے پر مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خلاف خیال آنے کا جھوٹ نہ باندھتے ــ ہمارے قارئین یہاں پہنچ کر خود فیصلہ کریں کہ ان کی نماز ان بریلویوں کے پیچھے جائز ہو سکتی ہے یا نہیں. جو نماز میں بھی ہمہ تن خدا کی طرف دھیان نہیں رکھتے اپنے بزرگوں کی طرف صرفِ ہمت کر جاتے ہیں.

---

[1] القول الجمیل صفحہ ۹۵ [2] عطایا القدیر فی حکم التصویر صفحہ ۳ حسنی پریس بریلی

③ مکہ و مدینہ میں وہاں کے اماموں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ وہ جگہیں ہیں جہاں ایک نماز لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی کی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں دو دین (اسلام اور کفر) رہ سکتے ہیں مگر سرزمین حجاز میں دو دین نہیں رہ سکتے۔ وہاں ایک ہی دین (اسلام) رہے گا۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) لکھتے ہیں :-

قیامت کے قریب دجال بھی وہاں داخل ہونا چاہے تو نہ ہو سکے گا۔ مدینہ کی سرحدوں پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے۔

مگر افسوس بریلوی احترام حرمین کے قائل نہیں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کفر پھر مکہ اور مدینہ میں داخل ہو چکا ہے۔ حج پر جا کر وہاں کے اماموں کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کافر ہیں۔

④ نمازِ جنازہ کے بعد وہیں اجتماعی دُعا مانگنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ نے کبھی کسی جنازہ پر نمازِ جنازہ کے بعد دعا نہ مانگی تھی۔ جنازہ میں میت کے لیے دعا نماز کے اندر ہے نماز کے باہر نہیں۔ نماز جنازہ کی دعا آپ جس سے پوچھیں یہی بتلائے گا :-

اللھم اغفر لحیّنا و میتنا و شاھدنا وغائبنا ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

اب آپ ہی بتائیں یہ دعا کہاں پڑھی جاتی ہے ، نماز کے اندر یا نماز کے باہر — حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے جنازہ پر بعد نماز اجتماعی دعا اسی لیے نہ کی گئی کہ سنت میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ اور حضرت انتہا درجے کے پابند سنت تھے۔

خاندانِ مجددیہ کی ایک تاریخی دستاویز روضۃ القیومیہ کے نام سے چھپی ہے اور اسے مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں حضرت امام ربانیؒ کے جنازہ کے بارے میں لکھا ہے :۔

حضرت خازن الرحمۃ نے نماز جنازہ کی امامت کی۔ کیونکہ یہی آنجناب کے منتخب کردہ امام تھے۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے توقف نہ کیا کہ سنت نبوی اقتضا نہیں کرتی علاوہ ازیں معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے[1]

سنتِ نبوی اور سنتِ خلفائے راشدینؓ میں واقعی دعا بعد جنازہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جو حکم ہے :۔

اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء[2]

ترجمہ۔ جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھو تو میت کے لیے بڑے اخلاص سے دُعا مانگو۔

اس کا مطلب نماز کے اندر کی دُعا ہے —— یہ نہیں کہ یہ سارا اخلاص نماز کے بعد ہو اور نماز یونہی بغیر اخلاص پڑھ لی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس اخلاص کا حکم دیا تو صحابہ کرامؓ اس کا کیا معنی سمجھے نماز میں اخلاص یا نماز سے باہر اور ان کا عمل اس باب میں خود کیا رہا۔ مراد حدیث سمجھنے کے لیے عمل صحابہؓ کو دیکھنا ضروری ہے۔

نوٹ : فاخلصوا میں فا رتعقیب کی نہیں تفریع وتفصیل کی ہے۔ بریلوی فا رتعقیب کا مغالطہ دینے کے لیے اس کا ترجمہ کرتے ہیں :۔

جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھ چکو تو میت کے لیے اخلاص سے دُعا کرو۔

ہم نے ترجمہ کیا ہے :۔

جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھو ...... الخ یہ اس طرح ہے :۔

اذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم (پ ۱۴ النحل ع ۱۳)

---

[1] روضۃ القیومیہ جلد ۱ ص ۴۴۹ [2] رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

ترجمہ۔ جب تم قرآن پڑھو تو (پہلے) اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ لیا کرو۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تم قرآن پڑھ چکو تو پھر اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم پڑھ لیا کرو۔ قرآن پاک پڑھنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ اس سے پہلے تعوّذ ہو۔

اسی طرح آیت اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم کا ترجمہ یہ نہیں کہ جب تم نماز پڑھ چکو تو پھر وضو کر لیا کرو۔ (دیکھئے پ ۶ المائدہ رکوع ۲) بلکہ یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہونا چاہو تو وضو کر لیا کرو۔

قرآن کریم میں جہاں حرم رسالت سے بات کرنے کے آداب سکھلائے گئے وہاں حکم فرمایا:۔

واذا سألتموھن متاعًا فاسئلوھن من ورآء حجاب۔ (پ ۲۲ الاحزاب ع ۷)

ترجمہ۔ اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

یہاں کوئی شخص یہ ترجمہ نہ کرے گا کہ جب تم ان سے کوئی چیز مانگ لو تو پردے کے پیچھے سے ان سے کلام کیا کرو۔ (معاذ اللہ)

سو حدیث فاخلصوا لہ الدعاء میں بھی یہ ترجمہ نہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو پھر میت کے لیے اخلاص سے دُعا مانگو۔

یہاں اخلاص سے دعا کرنا نماز کے اندر مراد ہے نہ کہ نماز کے باہر اور اس کے بعد ــــ حضورؐ کا یہ حکم نماز کے اندر کے لیے ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں آپ کا یہ حکم نماز کے اندر اخلاص سے دعا کرنے کا تھا:۔

قال فی الصلوٰۃ علی المیت فاخلصوا بالدعاء۔[1]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ کے ایک صحابی کہتے ہیں میت پر نماز میں اخلاص سے دُعا کیا کرو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ نے حضورؐ کے ارشاد فاخلصوا لہ الدعاء سے نماز کے اندر کی دعا ہی مراد لی ہے:۔

---

[1] المدونۃ الکبرٰی جلد ۱ صفحہ ۱۷۴

عن الزهری قال اخبرنی ابوامامة بن سهل انه اخبره رجل من اصحاب
النبی صلی الله علیه وسلم ان السنّة فی الصلوٰة علی الجنازة ان یکبر
الامام ثم یقرأ بفاتحة الکتاب بعد التکبیرة الاولی سرًّا فی نفسه
ثم یصلّی علی النبی صلی الله علیه وسلم و یخلص الدعاء للجنازة فی
التکبیرات لا یقرأ فی شیٔ منهن ثم یسلم سرًّا فی نفسه۔[2]

ترجمہ۔ نماز جنازہ کا مسنون طریق یہ ہے کہ امام تکبیر کہے اور پھر فاتحہ کے ساتھ کچھ پڑھے
(سبحانک اللھم وبحمدک) آہستہ سے اپنے جی میں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
پر درود پڑھے اور (اس کے بعد) میت کے لیے بڑے اخلاص سے دعا مانگے
اس میں کسی مقام پر قرأت نہ کرے (اگر فاتحہ پڑھی تو وہ بنیت دعا تھی بنیت قرآن
نہ تھی) اور پھر آہستہ سے سلام پھیر دے۔

اس میں یہ تصریح ہے کہ یخلص الدعاء للجنازة سلام پھیرنے سے پہلے کا عمل ہے پھر حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل بھی یہی رہا کہ نماز جنازہ میں بڑے اخلاص اور تضرع سے دعا کرتے۔ حضرت
عوف بن مالک رضؓ کہتے ہیں میں نے ایک موقع پر حضورؐ کو دعا اللھم اغفرله وارحمه وعافه واعف
عنه ..... الخ اس انداز سے کہتے ہوئے سنا کہ میری تمنا بڑی کاش کہ یہ میرا جنازہ ہوتا۔
حتّٰی تمنیت ان اکون ذٰلک المیت۔[1]

محدثین نے بھی حضورؐ کے اس ارشاد اذا صلیتم علی الجنازة فاخلصوا له الدعاء کا
مطلب نماز جنازہ کی دعا سمجھا ہے۔ خطیب کو ہی لیجئے اس نے مشکوٰۃ میں یہ حدیث نقل کرنے کے
فوراً بعد جنازہ کی دعا اللھم اغفر لحینا ومیتنا نقل کی ہے۔ اس صنیع سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث
میں مراد نماز جنازہ کی دعا میں اخلاص ہے۔ نماز کے بعد کی کوئی دعا مراد نہیں۔

---

[2] سنن کبریٰ جلد ۴ صـ۳۹ [1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ۳۱۱

نوٹ

یہاں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا گمان نہ کیا جائے۔ اس میں فاتحہ بہ نیت دعا ہے قرآن کریم کے الفاظ بہ نیت دعا، امام کے پیچھے بھی پڑھے جا سکتے ہیں جیسے مقتدی رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی کے الفاظ امام کے پیچھے بھی پڑھتا ہے اور اس سے امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کا التزام قائم نہیں ہوتا۔ نہ اس نے اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھا ہے۔

نمازِ جنازہ میں تیسری تکبیر اور چوتھی تکبیر کے درمیان کچھ نہ پڑھے

نمازِ جنازہ میں تین بڑے حقوق ہیں:۔

(۱) اللہ رب العزت کا حق

(۲) حضور رسالت مآبؐ کا حق

(۳) میت کا حق

جب یہ تین حقوق پورے ہو جائیں تو پھر آگے کوئی بات نہیں۔ چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہیں پڑھنا، بس سلام پھیرنا ہے۔ نمازِ جنازہ کا کوئی حصہ بھی باقی ہوتا تو وہ چوتھی تکبیر کے بعد پڑھا جاتا۔ جب اس تکبیر کے بعد صرف سلام ہے تو معلوم ہوا کہ اب اس عمل کا کوئی حصہ باقی نہیں۔ سلام پھیرنے کے بعد پھر اکٹھے دعا کرنا اصل میں نماز میں اضافہ ہے یا کم از کم اضافے کا ایک گمان ضرور ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

ولا یدعوا للمیت بعد صلوٰۃ الجنازہ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ۔

ترجمہ۔ اور میت کے لیے نمازِ جنازہ کے بعد دعا نہ کرے اس سے نماز کی شرعی حیثیت میں زیادتی کا گمان ہوتا ہے۔

نوٹ

چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھے۔ یہ بات ہم نے مسلک احناف کے مطابق لکھی ہے۔ فقہ شافعی میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے بھی دعا کی گنجائش ہے۔ اس پر امام بیہقیؒ نے یہ باب باندھا ہے

باب ماروی فی الاستغفار للمیت والدعاء له ما بین التکبیر الرابعة والسلام[2]

شافعی حضرات نے اپنے اس موقف پر کچھ روایات بھی پیش کی ہیں۔ ہم اس وقت حنفی نقطہ نظر سے ان پر بحث نہیں کر رہے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ ان میں سے اگر کسی میں چوتھی تکبیر کے بعد دعا مانگنے کا ذکر ہے تو وہ سلام پھیرنے سے پہلے پہلے ایک زائد دعا ہے جس پر حنفیہ کا عمل نہیں۔ یہ سلام پھیرنے کے بعد کی دُعا نہیں ہے اس سے پہلے کی ہے۔

افسوس ہے کہ بریلوی علماء ان روایات سے دعا بعد الجنازہ پر استدلال کرتے ہیں جس کا درجہ ایک مغالطے سے زیادہ نہیں۔ مفتی احمد یار خاں کا یہ استدلال اسی قسم کا ہے:۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ نے اپنی لڑکی کا جنازہ پڑھا اور چوتھی تکبیر کے بعد دعا کی۔[3]

ویسے یہ روایت سنداً بھی صحیح نہیں۔

اس کے دعوے پر ایسی واضح ہونی چاہیئے کہ اس میں کسی دوسرے احتمال کی گنجائش نہ ہو۔ اگر دوسرا احتمال نکل آئے تو استدلال کرنے والے کا استدلال ختم ہو جائے گا۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

یہ روایت ہم نے اپنے دعوے پر پیش نہیں کی۔ ہم نے صرف یہ عرض کی ہے کہ جب اس میں اس دعا کی بھی گنجائش ہے جو بعد دفن ان دنوں ہوتی تھی تو اب اس سے خواہ مخواہ ایک دوسرے معنی مراد لینا اگر ایک بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ نئے مسائل اور نئے دلائل میں پھر یہی حال ہوتا ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صـ۲۱۹ [2] سنن کبرے جلد ۴ صـ۴۲ [3] دیکھئے جاء الحق صـ۲۶۳

اسی طرح مفتی احمد یار صاحب کا یہ کہنا کہ حضورؐ نے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تھی اور ان کے لیے دعا کی۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ پھر یہ بھی سوچیے کہ غزوہ موتہ میں تین سالاروں کی شہادت ہوئی تھی۔ دو یہ اور تیسرے حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ نماز جنازہ ہوتی تو تینوں کی ——— یہ دو کی نماز اور وہ بھی غائبانہ۔ اس کی تفصیل شاید بریلوی علماء بھی نہ بتا سکیں ہمارے مذہب میں تو غائبانہ نماز کا کوئی جواز نہیں ہے۔ نجاشی کی نماز جنازہ میں اصل جگہ فرض کفایہ ادا نہ ہوا تھا اور اب یہ دوسرا جنازہ نہ تھا اور جنازہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک جنازہ پر پہنچے۔ جنازہ ہو چکا تھا۔ میت کا دفن ہونا ابھی باقی تھا اور ظاہر ہے کہ دفن کے بعد کی دعا ابھی نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا اگر میں جنازہ نہیں پڑھ سکا تو چلو دعا میں ہی شامل ہو جاؤں گا ——— اس میں یہ بات کہیں نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد متصلاً کوئی دعا ہوتی تھی۔ دعا، معہود جو ان دنوں ہوتی تھی اور صحابہؓ اس میں شامل ہوتے تھے وہ وہی ہے جو دفن کے بعد کی دعا ہے اسے خواہ مخواہ نماز جنازہ کے بعد کی متصل دعا قرار دینا اس پر قطعاً کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

بریلوی استدلال

جب اس روایت میں دونوں احتمال موجود ہیں تو اگر ہم اس سے نماز جنازہ سے متصل دعا مراد لے لیں تو کیا حرج ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے کہا تھا:

ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء[1]

ترجمہ: اگر آپ میت کی نماز جنازہ میں مجھ پر سبقت لے جا چکے ہیں تو اس پر دعا کرنے میں مجھ سے آگے نہ بڑھیں۔

جواب: آپ اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں۔ استدلال کرنے والے کی دلیل

---

[1] مبسوط جلد ۲ صفحہ ۶۷

⑤ نمازِ غوثیہ کا اضافہ

نمازیں جیسے نماز تہجد، نمازِ تراویح، نمازِ اشراق، نماز عید وغیرہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی شروع چلی آتی ہیں۔ آپ کے بعد جتنے بزرگ ہوئے کسی نے کوئی نئی نماز نہیں نکالی جب مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دور آیا تو آپ نے ایک نئی نماز "نماز غوثیہ" ایجاد فرمائی۔ اس نماز کا پتہ آپ کو حدیث اور فقہ کی کسی کتاب میں نہ ملے گا۔ یہ رضاخانی فقہ ہے جو آپ کو نماز غوثیہ کا پتہ دے رہی ہے اس کا طریق ادا ملاحظہ کیجئے:

ترکیب: دو رکعت نفل، پھر نبی پر گیارہ بار درود وسلام عرض کرے اور گیارہ بار کہے۔ یارسول اللہ یا نبی اللہ اغثنی.... پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے۔ ہر قدم پر کہے یاغوث الثقلین ویاکریم الطرفین اغثنی۔[۱]

اسلامی نمازوں میں نمازی ایاک نعبد وایاک نستعین کہہ کر خدا سے مدد مانگتا ہے اور اپنا سارا دھیان خدا پر جماتا ہے۔ مگر نماز غوثیہ میں گیارہویں کی یاد میں مدد اللہ سے نہیں حضرت غوث الثقلین سے مانگی جاتی ہے اور اپنی ساری توجہ حضرت شیخ پر باندھی جاتی ہے۔ رہی نماز میں نظر تو وہ کہیں بھی جا سکتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں۔

نماز میں اگر بیگانہ عورت کی شرمگاہ پر نظر پڑے جب بھی نماز و وضو میں خلل نہیں۔[۲]

یہ بالکل غلط ہے خلل کیوں نہیں سارا خشوع وخضوع جاتا رہے گا۔ اگر قصداً کرے تو یہ نماز سے کھلا مذاق اور تلعب بالدین ہے جس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں اسے بھی صرف مکروہ کہتے ہیں۔

اگر قصداً بھی ایسا کرے تو مکروہ ضرور ہے نماز فاسد نہیں ہوتی۔[۳]

قصداً غیر عورت کے چہرے پر نظر کرنا تو حرام ٹھہرے مگر اس کی شرمگاہ پر نظر کرنا صرف مکروہ ہو۔ عجیب رضاخانی فقہ ہے۔ پھر یہ شرمگاہ پر نظر کیا نماز میں ہی کرنی تھی اس کے لیے کوئی اور وقت منتخب کیا ہوتا۔

۱؎ نماز غوثیہ بہار شریعت حصہ ۴ صفحہ ۳۰ ۲؎ فتاویٰ رضویہ جلد ۱ صفحہ ۵ ۳؎ ایضاً صفحہ ۲

درود شریف کے گرد لائی گئیں بدعات

① درود و سلام کو باآواز بلند پڑھنا

درود شریف بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دعا ہے اور دعا کا مزاج یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو۔ ذکر بعض حالات میں بعض شرائط کے ساتھ جہر سے بھی ہو سکتا ہے لیکن درود شریف کے لیے جہر کی کوئی صورت نہیں یہاں اپنے وطن میں بھی پڑھو تو آہستہ اور روضۂ رسول پر حاضری نصیب ہو تو وہاں بھی انتہائے ادب سے دبی آواز سے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا

قرآن کریم میں ہے :-

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی لھم مغفرۃ واجر عظیم ۵ ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون۔ (پ ۲۶ الحجرات ۴)

ترجمہ۔ بے شک جو لوگ رسول اللہ کے حضور دبی آواز رکھتے ہیں وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے خالص تقوے سے نوازا ہے ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے ۵ بے شک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے (دور سے) پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ ان لوگوں کے سوچنے کا مقام ہے جو یہاں سے آپ کو آوازیں دیتے ہیں۔

آپ پر درود شریف پڑھنا دعا ہے اور دعا میں سنت یہی ہے کہ وہ آہستہ دبی آواز میں کی جائے۔ درود شریف میں یہ اصل ہر صورت میں رکھی جائے۔ نماز میں بھی درود آہستہ آواز سے پڑھا جاتا ہے اور جہری نمازوں میں بھی اسے جہر سے پڑھنے کی کوئی صورت نہیں۔ فقہ حنفی میں یہ مسئلہ صراحت سے لکھا ہے۔

② دُرود شریف سے حضرت ابراہیم کا نام نکالنا

مسلمانوں کا آنحضرتؐ کے بعد سب سے زیادہ تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے ہم حضور خاتم النّبیین کی امت ہیں اور حضرت ابراہیم کی ملت ہیں. حضورؐ کی نسبت سے ہمارا بڑا تہوار عید الفطر ہے اور حضرت ابراہیم کی سنّت میں ہم عید الاضحیٰ مناتے ہیں. ہماری یہ دو عیدیں ان دو پیغمبروں کی نسبت سے ہیں اور درود میں ہم ان ہی دو پیغمبروں کو جمع کرتے ہیں. یہود و نصاریٰ بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کی ملت کہتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ان کی ملت پر صرف ہم ہی ہیں — قرآن کریم میں ہے :۔

ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین اٰمنوا.

(پ ۳ آل عمران ۶۸)

ترجمہ. بے شک ابراہیم سے زیادہ قریبؑ لوگ ہیں جو ان کی راہ پہ چلے اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ جو (ان پر) ایمان لائے.

معلوم نہیں بریلویوں کو کس بیرونی طاقت نے آمادہ کیا کہ درود وہ پڑھو جس میں حضرت ابراہیم کا نام نہ ہو تا یہ ایک نئے پیغمبر شمار ہوں ان کا پچھلے پیغمبروں سے رشتہ نہ رہے. حضرت موسےٰ اور حضرت عیسیٰ تو ویسے ہی بنی اسرائیل میں سے تھے. صرف حضرت ابراہیم ہی ہیں جن پہ بنو اسرائیل اور بنو اسمٰعیل جمع ہوتے ہیں. حضور کو حضرت ابراہیم سے دور رکھنے کے لیے بریلویوں نے یہ کاروائی کی کہ درود وہ چلایا جس میں حضرت ابراہیم کا نام نہ ہو. یہ لوگ درودِ ابراہیمی کو برسرِعام ناقص درود کہتے ہیں کیونکہ اس میں آپ پہ سلام نہیں ہے.

الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیك یاحبیب اللہ.

یہ لوگ نہیں جانتے کہ فقہ حنفی کی رو سے صلوٰۃ وسلام میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفایت کرتا ہے.

فتاوی عالمگیری میں ہے :۔

السلام یجزئ عن الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ۔ سلام حضورؐ پر درود پڑھنے کے باب میں کافی ہے۔

۳ درود وسلام میں اِفراد کو مکروہ کہنا

انگلینڈ میں ایک بریلوی مولوی نے بڑے زور شور سے یہ بات چلا رکھی ہے کہ نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں سلام نہیں ہے۔ یاد رکھیے حنفیہ کے ہاں صلوٰۃ وسلام میں سے کوئی ایک پڑھ لیا جائے تو یہ اِفراد ہرگز مکروہ نہیں رہتا

علامہ شامی لکھتے ہیں :۔

وجزم العلامۃ ابن امیر الحاج فی شرحہ علی التحریر بعدم صحۃ القول بکراھۃ الافراد واستدل علیہ فی شرحہ المسمی حلیۃ المحلی فی شرح منیۃ المصلی بما فی سنن النسائی بسند صحیح فی حدیث القنوت وصلی اللہ علی النبیؐ . . . ومن رد القول بالکراھۃ العلامۃ الملا علی القاری فی شرح الجزریۃ۔[2]

ترجمہ۔

علامہ ابن امیر الحاج نے التحریر لابن الہمام کی شرح میں بڑے جزم سے یہ بات کہی ہے کہ صلوٰۃ وسلام میں افراد (کہ ایک ہو اور ایک نہ ہو) ہرگز مکروہ نہیں اور اس پر اپنی شرح حلیۃ المحلی میں سنن نسائی کی صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے جو قنوت میں مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں وصلی اللہ علی النبی (اور اس میں سلام کا ذکر نہیں) اور ملا علی قاری بھی شرح جزریہ میں افراد کو مکروہ کہنے کا رد کرتے ہیں۔

---

[1] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۴۸۲ [2] شامی جلد ۱ صفحہ ۳

④ قیام بوقتِ سلام

محفل میلاد کا مرکزی عمل قیام تعظیمی ہوتا ہے اور پھر اس میں اجتماعی صورت میں سلام پڑھا جاتا ہے اس کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی دونوں گروہ متفق ہیں کہ یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں. یہ دوسری بات ہے کہ بریلوی اس بدعت پر عمل پیرا ہیں اور اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں. اب ہر شخص خود سوچے کہ بدعت کیا اور اس میں حسن کیا. حسن تو سنت میں ہوتا ہے، بدعت میں کہاں سے آگیا.

بریلویوں کی قدیمی درسگاہ حزب الاحناف لاہور کے مولانا محمود احمد رضوی مدیر "ماہنامہ رضوان" لکھتے ہیں :-

قاضی فضل احمد کے اس سخت فتوے پر تعجب نہیں وہ مولوی نہ تھے لیکن ہم ان چالیس علماء پر تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے قیام اور ترکِ قیام میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم کرلیے اس پر مولانا احمد رضا خاں کو دستخط نہ کرنے چاہییں تھے جن کے اپنے ہاں لوگوں کو بیٹھ کر صلوٰۃ و سلام کی تلقین کی جاتی تھی اور قیام کو محض ایک رسم سمجھا جاتا تھا.

بجا لا کے تعظیم رسمِ قیام بیٹھے بیٹھے پڑھو درود و سلام

اہل سنت کے ہاں درود و سلام نماز میں بیٹھنے کی حالت میں ہے. صرف شیعہ ہیں جو قیام میں درود و سلام پڑھتے ہیں.

ے اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی آواز ہے

⑤ درود شریف کو جھوٹے مقاصد کے لیے استعمال کرنا

چھوٹے چھوٹے مقاصد اور اختلافات کے فاصلوں کو بڑھانے کے لیے درود کے تقدس سے کھیلنا ایک نہایت مکروہ عمل ہے. فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

ان سبح الفقاعی او صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند فتح فقاعہ علی

قصد ترویجہ وتحسینہ او القاص اذا قصد بھما کرمتی ہنگامہ اثم[1]

ترجمہ۔ ایک رنگریز نے کپڑا کھولتے وقت اگر بغرض ترویج (کہ کپڑا الگ جائے) وتحسین سبحان اللہ کہا یا درود شریف پڑھا یا کسی قصہ گو واعظ نے مجلس میں گرمی ہنگامہ (جوش) پیدا کرنے کے لیے سبحان اللہ کہلوایا یا درود پڑھا کر محفل سجائی تو ایسا کرنے والا گنہگار ہوا۔

درمختار میں ہے :۔

وحراماً عند فتح التاجر متاعہ ونحوہ وسنۃ فی الصلوٰۃ ومستحبۃ فی کل اوقات الامکان۔[2]

ترجمہ۔ تاجر جب اپنا مال دکھلانے لگے تو اس پر (اس چھوٹے مقصد پر) درود پڑھنا حرام ہے نماز میں درود پڑھنا سنت ہے اور دوسرے اوقات ممکنہ میں یہ مستحب ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :۔

اذا فتح التاجر الثوب فسبح اللہ تعالیٰ او صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرید بہ اعلام المشتری جودۃ ثوبہ فذ لک مکروہ وکذا الحارس لانہ یاخذ ثمنا[3]

ترجمہ۔ جب تاجر نے کپڑا پھیلایا اور اس پر سبحان اللہ کہا یا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا اس میں اسے خریدار کو بتلانا تھا کہ اس کا کپڑا کیسا شاندار ہے سو یہ مکروہ ہے اسی طرح پہرے دار اپنے آپ کو جگانے کے لیے نہ سبحان اللہ کہے نہ درود پڑھے کیونکہ وہ اپنے اس جاگنے پر معاوضہ لے رہا ہے

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ٦ صہ ٢١١ فتاویٰ ہندیہ جلد ٩ صہ ١٩

[2] درمختار مع الشامیہ جلد ١ صہ ٤٨٣ [3] ردالمحتار جلد ١ صہ ٤٨٣

قصہ گو واعظ کا سبحان اللہ کہلوانے کا مقصد لوگوں سے اپنے بیان کی تحسین حاصل کرنا ہے اور وہ اپنی شہرت اور ترویج کے لیے لوگوں سے درود شریف بھی پڑھوا رہا ہے تو کیا اس نے سبحان اللہ اور درود شریف جیسے پاک کلمات کو اپنے ان جھوٹے مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیا؟ ایسا ہے تو وہ گنہگار کیوں نہ ہوا؛ جھوٹے مقاصد کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نام کو استعمال کرنا اس میں ہرگز دین کی کوئی تعظیم نہیں۔

اگر کوئی بڑا آدمی مجلس میں آیا تو اس کی آمد پر کسی نے سبحان اللہ کہا یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا تاکہ لوگ اس کے آنے پر خوشی دکھائیں اور اس کے لیے جگہ خالی کردیں یا اس کے آنے پر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوں تو یہ سبحان اللہ کہنے والا یا درود پڑھنے والا گنہگار ٹھہرے گا یہ وجیز کردری میں ہے۔[1]

کیا کسی موقعہ پر درود شریف پڑھنا منع ہے؟

درود شریف ایک دعا ہے اور دعا بھی بہت بلند پایہ جو کبھی رد نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا درود پڑھنے یا پڑھوانے والے سے بہت گہرا تعلق ہے۔ بعض اوقات ایسے بھی آتے ہیں کہ درود شریف کے تقدس کی خاطر اسے پڑھنا مکروہ قرار دیا جائے۔ ہم امداد الاحکام جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ سے اسے سوال وجواب کی صورت میں نقل کرتے ہیں:۔

سوال: اس ملک میں وعظ کی مجلسیں اکثر رات کو ہوا کرتی ہیں۔ واعظین بغرض تنبیہ وایقاظ نائمین (سوتوں کو جگانے کے لیے) زور شور سے درود شریف پڑھتے اور پڑھواتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ (ملخصاً)

---

[1] دیکھیئے فتاویٰ ہندیہ جلد ۷ صفحہ ۱۹

الجواب ۔ ان واعظوں کا زور شور سے درود شریف پڑھنا دو وجہ سے ممنوع ہے ایک یہ کہ انہوں نے درود شریف کو ایقاظ نائمین کا ذریعہ بنایا اور ذکر کو ذریعہ ایقاظ بنانا اشد مکروہ ہے۔ اسی لیے فقہاء نے حارس (چوکیدار) کے ذکر لا الٰہ الا اللہ کو سختی سے منع کیا ہے کہ وہ بھی ذکر اللہ کو ایقاظ کا ذریعہ بناتا ہے۔ دوسری وجہ صیاح فی المسجد ہے کہ یہ لوگ مسجد میں بہت زور سے چیختے ہیں اور ذکر جہر جو مسجد میں جائز ہے وہ وہ ہے کہ حد صیاح میں داخل نہ ہو۔ اسی لیے اذان داخل مسجد مکروہ ہے کہ اس میں صیاح (زور کی آواز لگانا) ہے اور جمعہ کی اذان ثانی جائز ہے کہ اس میں صیاح نہیں ہوتا بلکہ مثل اقامت کے خفض صوت (آواز نیچی) ہوتی ہے۔ [۲]

⑥ تکیہ کلام کے لیے درود شریف بلند آواز سے پڑھوانا

بریلوی واعظین اپنے جلسوں میں کبھی تکیہ کلام کے پیرایہ میں بھی زور سے درود شریف پڑھواتے ہیں مضمون بھول لینے پر اپنی خفت پر پردہ ڈالنے کے لیے سامعین کو سبحان اللہ یا درود شریف پر لے آتے ہیں۔ یہ سب کام ادنیٰ مقاصد کے لیے کلمہ یا سبحان اللہ یا درود شریف جیسے پاک اور اعلیٰ عمل کو استعمال کرنا ہے اور یہ ہرگز جائز نہیں۔

کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک عالم تقریر کر رہا اللہ اور اس کے رسول کی باتیں سنا رہا ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا واعظ اپنی پوری شان سے وارد مجلس ہوا اور اس کے حاشیہ نشینوں نے قرآن و سنت کی آواز روک کر اس کے زندہ باد ہونے کے نعرے لگائے یہ صریحاً قرآن و سنت کی بے ادبی ہوئی کہ ایک واعظ قصہ گو کی شان بنانے کے لیے یہ نادان قرآن و سنت کو کاٹنے سے بھی نہ رکے انہوں نے یہ کام نیکی کی نیت سے کیا لیکن اس میں وہ ایک عام واعظ کی خوش آمد میں قرآن و سنت کی عظمت پر ہاتھ ڈالنے سے بھی نہ رکے۔ یہ بدعات اختیار کرنے کا حسی اثر ہے جو اسی مجلس میں ظاہر ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

---

[۲] امداد الاحکام جلد ۱ ص ۲۲۶

قبروں پر کی جانیوالی بدعات

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

بریلویوں کے ہاں قبریں دینی لوگوں اور مذہبی حلقوں کا عظیم سرمایہ ہیں جس مولوی قاری یا حافظ کو کوئی قبر مل گئی وہ اس مرحوم کا سالانہ عرس کر کے اپنے بچوں کا پورے سال کا کنبہ پرور ہو جاتا ہے۔

ے مل گئی جس کو یہ دولت کیمیا گر ہو گیا

ایک مفتی صاحب کے دو بیٹے تھے ان کی وفات پر بیٹوں میں وراثت تقسیم ہونے لگی۔ دو چیزوں میں انتخاب ٹھہرا ایک اعلیٰ درجے کے مکان میں اور مفتی صاحب کی قبر میں جو اپنے ہی مدرسہ کے ایک کونے میں بنی تھی۔ ایک بھائی نے مکان لیا جو گھریلو ضروریات سے بھرا ہوا تھا اور دوسرے نے قبر جو ابھی کچی تھی اس کے لیے سنگِ مرمر کا آرڈر دیا ہوا تھا اور قبر کی پائنتی میں بکس رکھ دیا گیا تھا۔ حالات نے بتایا کہ قبر والا اچھا رہا مکان والے کو وراثت ایک ہی دفعہ ملی لیکن قبر والے کو وراثت ہر سال ملتی تھی۔ پھر بریلوی مولویوں کا تعلق اپنی درگاہوں اور اپنے مزاروں سے نہیں قوم کی قبروں سے بھی انہیں بہت کچھ ملتا ہے۔ ایک بریلوی باپ کا بیٹا کچھ پڑھ لکھ گیا اکاؤنٹنٹ ہو گیا اسے یہ بات پسند نہ تھی کہ مولوی صاحب کبھی کسی مرحوم کے ختم پر اور کبھی کسی اور مرحوم کے ختم پر ان کے ہاں کھانا کھانے آتے تھے۔ بریلوی باپ نے اسے ڈانٹا اور کہا۔

ے اے مرے پسر گرامی غم نہ کر مہمان سے
رزق اپنا کھا رہا ہے تیرے قبرستان سے

عرس کے نام سے عید قبور

قبروں پر اس طرح کی حاضری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ عید سے تعبیر کیا ہے مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ ان پر سالانہ حاضری دیں۔

قبریں عبرت کا نشان ہیں یہ بڑے بڑے قبرستان سب شہر خموشاں ہیں جو یہاں آباد ہوئے وہ کسی اور جگہ اب جانے کے نہیں انہیں قیامت کے دن ہی اُٹھنا ہوگا۔ اولیاء اللہ بھی بعد وفات شہر خموشاں میں آبستے ہیں اور اس تبدیلی گھر میں دیگر ابنائے آدم کے ساتھ شریک ہیں قبرستانوں کو خوشیوں اور رونقوں کے اڈے وہی بنا سکتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہو۔ مزارات پر جائیں تو زیارت کے لیے نہ کہ عید کرنے کے لیے۔

(۱) عید قبور کی بدعت

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں سب سے بڑی بدعت قبر کی سالانہ عید ہے۔ اسلام میں دو ہی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ مگر بریلویوں نے چار عیدیں بنا رکھی ہیں۔ عید میلاد النبی اور اپنے علاقے کے مرکزی بزرگ کی قبر کی سالانہ عید۔ اسے عرس بھی کہتے ہیں اور قبر ملی پہ زائرین کا ہجوم اور پھر ان کی کھانے پینے کی ضیافتیں بالکل عید کی طرح ہوتی ہیں۔ دن بھی عام طور پر چھٹی کا ہوتا ہے اور ارد گرد سے لوگ عید سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اس بزرگ کی قبر پہ حاضری دیتے ہیں۔

زیارتِ قبور اور عید قبور میں فرق

اسلام میں زیارت قبور کا حکم موجود ہے۔ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور وہاں دعا کرنے والوں سے اہلِ قبور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن وہاں اجتماعی شکل میں جانا اور اس کے لیے ایک یا تین دن مقرر رکھنا اور ہر سال ان تاریخوں کی پابندی یہ وہ عید قبور ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ بریلوی حضرات یہ عید قبور (عرس) اس اہتمام سے مناتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی ان عرسوں کے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ان بدعات کے آگے سب سنتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

عرسوں کی محفلوں میں عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط قوالی کی مجلسیں اُترتی دیگوں کی

خوشبوئیں حلووں کے جلوے ہاروں سے لدے گلے اور چوغوں اور جبوں میں ملبوس پیر پاؤں میں گھنگرو پہنے رقص کرتے آنے والے زائرین اور ان کی پھیلی چادروں میں نذروں اور منتوں کے نوٹ اور یہ نذرانے وہ اعمال ہیں جو عرسوں کے جان اور بریلویوں کی پہچان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبروں کی اس سالانہ حاضری اور پھر اجتماعی حاضری کا کوئی تصور اسلام میں موجود ہے؟ کیا اسلام میں کسی قبر پر عید کا سا ہجوم کرنا اور اسے پر رونق بنانا جائز ہے؟ اسلام میں اس عید قبور کا کیا درجہ ہے۔ آیئے اس کے لیے ہم سب سے بڑے روحانی مرکز گنبد خضرٰی کی طرف متوجہ ہوں. کیا وہاں عید قبور کا کوئی دن مقرر ہوتا ہے؟ اور کیا وہاں بھی کبھی کوئی عرس ہوا ہے؟

اب تو بریلوی کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آلِ سعود کی حکومت ہے۔ وہ توحید کے پورے پابند ہیں شرک و بدعت کو اپنے ہاں راہ نہیں دیتے. چلو یونہی سہی. لیکن خدارا اس بات پر بھی تو نظر رکھیے کہ کیا خلفائے راشدینؓ کے دور میں وہاں کبھی کوئی عرس منایا گیا کیا خلفائے راشدینؓ بھی معاذ اللہ سب کے سب بد مذہب تھے؟

فاىّ الفريقين احق بالامن ان كنتم تعلمون۔ (پ الانعام آیت ۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:۔

لا تجعلوا بيوتكم قبورًا ولا تجعلوا قبري عيدًا وصلوا علىّ فان صلوتكم تبلغني حيث كنتم۔[1]

ترجمہ. تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا رکھنا (کہ تمہارے گھر نمازوں سے خالی رہیں) اور نہ میری قبر کو عید بنانا (کہ وہاں ایک دن اکٹھے ہو کر آؤ جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے) اور مجھ پر درود پڑھتے رہو (دور رہنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھے درود نہ پہنچے گا) تمہارا درود تم جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات کہ میری قبر کو عید نہ بنانا، اس کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ

---

[1] رواہ النسائی و رواہ ابوداود جلد ۱ ص ۲۷۹ والنسائی جلد ص مشکوٰۃ ص ۸۶

محدث دہلویؒ لکھتے ہیں ۔-

لا تجعلوا قبری عیداً اقول ھذا اشارة الی سد مدخل التحریف کما فعل الیہود والنصاریٰ بقبور انبیائھم وجعلوھا عیداً وموسماً بمنزلة الحج۔[1]

ترجمہ۔ میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا یہ اشارہ ہے کہ دین بگاڑنے کا دروازہ بند کر دیا جائے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو عید بنا رکھا تھا اور جس طرح حج کا ایک موسم مقرر ہے وہ ان قبروں پر خاص دنوں میں رونقیں کرتے تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں یہاں شاہ صاحب نے اسے تشبہ بالیہود والنصاریٰ کی وجہ سے منع کیا ہے۔ نہیں آپ نے اس پر صرف ارشاد رسالت کی وجہ سے نکیر کی ہے۔ یہود و نصاریٰ کے عمل کو آپ محض مثال کے طور پر لائے ہیں۔ وگرنہ آپ اسے دین میں تحریف کرنے والوں کی سب سے بڑی بدعت سمجھتے ہیں۔ اولیاء کرام کی قبروں پر انہوں نے سالانہ میلے ٹھہرا رکھے ہیں جہاں یہ لوگ عید کی طرح ہجوم کرتے ہیں اور چادریں پھیلائے اور دور سے ننگے پاؤں آئے وہاں حاضری دیتے ہیں۔

ومن اعظم البدع مااخترعوا فی امر القبور واتخذوھا عیداً۔[2]

ترجمہ۔ ان کی بڑی بدعات میں سے ان کا وہ عمل بھی ہے جو انہوں نے قبروں کے پاس گھڑ رکھا ہے اور وہ ان کی عید قبور کی تقریبات ہیں۔

ابھی ان تقریبات پر لفظ عرس اتنا معروف نہ تھا۔ یہ لفظ ذرا آگے چل کر اس دائرہ قباحت میں داخل ہوا ہے۔ پہلے عرس مشائخ کے ساتھ جا کر قبروں کی زیارت کرنے کا نام تھا۔ ہمعات کی عبارت سے یہی متبادر ہوتا ہے ۔-

وازیں جاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں۔[3]

ترجمہ۔ مشائخ کے عرس اور ان کی زیارت قبور کے لیے برابر جاتے رہنا اسی لیے ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صہ۷۷ [2] تفہیمات جلد ۲ صہ۲۴ [3] ہمعات صہ۲۴ اسلامی پریس تحفہ محمدیہ

لیکن بعد میں یہ عرس زندہ بزرگوں کی معیت میں قبروں پہ جانے کے نہ رہے، مرحومین کی قبروں پہ سالانہ اجتماع بن گئے۔

نقشبندی سلسلہ کے عظیم روحانی بزرگ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ بھی لکھتے ہیں:۔

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرساً[1]

ترجمہ۔ یہ جاہل لوگ اولیاء وشہداء کی قبروں پہ جو سجدے کرتے ہیں اور ان کے گرد طواف کرتے ہیں اور وہاں چراغ جلاتے ہیں اور وہاں نمازوں کی جگہ بناتے ہیں یہ جائز نہیں اور اسی طرح یہ جو وہاں سالانہ عید کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ بھی لکھا ہے:۔

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پہ یا حضرت سالار مسعود غازی کی قبر پہ یا ان کی مانند اور کسی قبر پہ اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو (شرک ہونے کے باعث) قتل اور زنا سے بھی بدتر ہے[2]

سرتاجِ علمائے ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

برائے زیارتِ قبور روز معین نمودن بدعت است واصل زیارت جائز وتعیین وقت در سلف نبود وایں بدعت از اں قبیل است کہ اصل جائز است وخصوصیت وقت بدعت[3]

ترجمہ۔ قبروں پہ جانے کے لیے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور مطلق زیارت جائز ہے۔ قبروں پہ جانے کے لیے دنوں کی تعیین سلف میں نہ تھی۔ یہ بدعت اس نوع

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۲ ص۶۵ [2] دیکھئے تفہیمات جلد ۲ ص۴۵ [3] فتاویٰ عزیزی جلد ا ص۸۹

کی ہے کہ اس کی بنیاد تو صحیح تھی لیکن تعیین وقت اس کو بدعت بنا گیا۔

وقت مقرر نہ کرنے سے زیارت قبور کی اصل شرعی منوع ہونے سے بچ جائے گی اور زیارت قبور تو رہے گی پر عرس نہ ہو سکیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است۔ اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبور محض بنا بر زیارت و استغفار بروند۔ ایں قدر از روے از روئے روایات ثابت است و در تفسیر در منثور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابرے رفتند و دعا برائے مغفرت اہل قبور مے نمودند۔[1]

ترجمہ۔ قبروں پر سال بعد ایک دن معین کر کے جانا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ایک دن مقرر کر کے ایک دو آدمی بغیر کسی ہیئت اجتماعیہ اور لوگوں کی بھیڑ کے قبروں پر زیارت کے لیے جائیں اور (مرحومین کے لیے) استغفار کریں۔ اتنی بات روایات سے ثابت ہے اور تفسیر درمنثور میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قبروں پر جاتے اور اہلِ قبور کے لیے بخشش کی دعا کرتے۔

سو اگر یہ روایات کسی درجے میں قبول ہوں تو ان کا حاصل اس سے آگے نہیں جو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے۔ ہر سال نیا دن مقرر ہو اور یہ تعیین محض انتظامی ہو۔

اس سالانہ حاضری کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ختم ہو اور حاضرین کو کھانا کھلا دیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ غنی لوگ اسے کھائیں یا اس میں نمود و ریا پائی جائے وہ خرافات بھی نہ ہوں جو آج کل عرسوں میں ہوتی ہیں۔ اس کے بارے میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدینؓ نبود۔ اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست۔

---

[1] فتاوےٰ عزیزی جلد اوّل ص۴۲ یہ دن مقرر کرنا ہر موقع پر نیا ہو گا۔

ترجمہ۔ یہ طریق عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں نہ تھا۔ اگر کوئی اس طرح کرے تو ڈر نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ کیا اس میں کھانا یا شیرینی سامنے رکھ کر اس پہ دعا مانگنے کا ذکر نہیں ہم کہیں گے کھانا سامنے رکھنا تو مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بھی بے کار بات ہے۔

وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیشِ نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولِ ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں۔[1]

یہی ایک چیز تھی جسے اس صورتِ عمل میں قباحت والی کہا جاسکتا تھا۔ سو اس کے بارے میں اگر یہ عقیدہ ہو کہ یہ بے کار بات ہے تو پھر واقعی اس میں حرج نہیں۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے معمولِ سلف قرار نہیں دیا۔

لیکن آج کل جو عرس ہیں وہ اس دوسری قسم کے نہیں۔ یہ ایک تیسری قسم ہے جو انتہائی درجہ میں قبیح اور ممنوع ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

سوم طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مردماں یک روز معین نمودہ ولباس ہائے فاخرہ ونفیس پوشیدہ مثل روز عید شادماں شدہ بر قبرہا جمع مے شوند رقص ومزامیر ودیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود برائے قبور وطواف گرد قبور مے نمایند ایں قسم حرام وممنوع است بلکہ بعضے بحد کفر مے رسند ہمیں است محمل ایں دو حدیث ولا تجعلوا قبری عیداً چنانچہ در مشکوٰۃ شریف موجود است واللّٰھم لا تجعل قبری وثناً یعبد ایں ہم در مشکوٰۃ است۔[2]

ترجمہ۔ تیسرا طریقہ قبروں پہ جمع ہونے کا یہ ہے کہ لوگ ایک دن طے کر کے عمدہ اور نفیس کپڑے پہن کر جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے مزار پہ جمع ہوں وہاں (ملنگ) رقص بھی کر رہے ہوں اور ساز سے قوالیاں بھی ہوں قبروں پر سجدے بھی ہو رہے ہوں

رواہ ابوداؤد جلد ا صلہ ۲۶۹ والنسائی ص

[1] الحجۃ الفاتحہ ص۱۶ [2] فتاوی عزیزی جلد ا ص۳۸ کتاب البرزخ ص۱۷۹ مؤلفہ نور بخش توکلی مطبوعہ ۱۳۲۹ھ

اور لوگ ان کا طواف بھی کرتے ہوں یہ قسم اجتماع (عرس رائجہ) حرام اور ممنوع ہے بلکہ ان میں سے بعض باتیں کفر کی حد کو چھوتی ہیں۔ یہی محمل ہے ان دو احادیث کا —— تم میری قبر کو عید نہ بنانا —— اور —— اے اللہ! میری قبر کو بتھان کے درجے میں نہ لانا کہ اس کی عبادت ہونے لگے (اس پر سجدے کئے جانے لگیں) یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔

قبورِ شہداء پر سالانہ حاضری کی روایات

مولانا احمد رضا خاں نے ہادی الناس فی رسوم الاعراس میں کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں کہ حضورؐ ہر سال شہداء کی قبروں پر دعا کے لیے جاتے تھے۔ یہ روایات زیادہ تر بے سند ہیں اور ان کتابوں میں ہیں جو آخری درجے کی کمزور کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان روایات کو تفسیر درمنثور سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد ایک دو اشخاص کا بغیر کسی اجتماعی صورت کے قبروں پر جانا ہے۔ یہ اجتماعی شکل میں وہاں جانا جیسا کہ آجکل عرسوں میں ہوتا ہے یہاں ہرگز مراد نہیں۔ اور ہر سال جانے سے مراد بھی ہر سال کسی ایک معین تاریخ پر جانا نہیں نہ اس میں اس تاریخ کا التزام تھا جب جنگ اُحد لڑی گئی تھی —— آج کل اگر کوئی شخص دن مقرر کرے تو چاہیئے کہ وہ تعیین انتظامی ہر سال کے لیے التزامی نہ ہو۔

سوال : شادی کے لیے دن مقرر کرنا۔ جلسے کے لیے دن مقرر کرنا، سفرِ حج کے لیے ایئر ٹریولز سے تاریخ مقرر کرنا یا کسی دکان کے افتتاح کے لیے کوئی دن طے کرنا یہ جائز ہیں یا نہیں ؟

جواب :۔ دنوں کی یہ تعیین محض انتظامی ہے اعتقادی نہیں۔ ان لوگوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس دن کی کوئی شرعی اصل ہے۔ محض انتظام کے درجہ میں تاریخ درج کی جاتی ہے اور ان تاریخوں کو کسی کی موت و حیات سے تعلق نہیں ہوتا۔

پھر اس انتظامی تعیین کے بھی دو درجے ہیں۔ اتفاقی اور التزامی —— اتفاقی یہ ہے کہ بس اپنی

معلمت سے کوئی تاریخ طے کر دی۔ یہ تعیین بس ایک ہی دفعہ کے لیے ہے۔ یہ تاریخ کوئی ضابطہ نہیں بن گئی۔ اور تعیین التزامی یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی تاریخ کا التزام کرے۔ مثلاً ایک بیٹے کی شادی ۹۔ ذوالحجہ کو کی ہے تو دوسرے کی شادی میں بھی اسی تاریخ کا التزام کرے اور پھر پورے خاندان میں آئندہ بھی تاریخ طے پا جائے۔ یہ اتفاقی تعیین بھی اگر التزامی درجے میں آجائے تو ممنوع ہو جائے گی۔

سفر اور تعیین میں فرق

کسی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا (یہ نہیں کہ اتفاق سے راستے میں کسی بزرگ کی قبر آگئی تو اس کے پاس سے گزرنے والے نے اس کی زیارت کر لی اور قبروں پر جو سلام کہا جاتا ہے کہہ دیا) جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن کسی نیک کام کے لیے دنوں کی تعیین اور وہ بھی التزامی درجے میں ——— یہ اسلام میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ اسے سب ناجائز سمجھتے ہیں۔ مسئلہ سفر میں تو ہلیں نہ الجھنا چاہیئے۔ جب سلف میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو گیا تو اس میں ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن دونوں کی غیر شرعی تعیین کو ہرگز برداشت نہ کرنا چاہیئے۔ سنی مسلمان اس سے پوری کوشش سے بچے رہے۔ بدعتی لوگ تو وہ خود اس کے جوابدہ ہوں گے اگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا ——— یہ اگر کی بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ بدعتی کا خاتمہ بالخیر بہت خطرے میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سفر اور تعیین میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> قبور بزرگان کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں یہ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں نزاع و تکرار نہ چاہیئے۔ مگر ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے۔ فقط۔[1]

زیارت کے لیے جانا ممنوع نہیں۔ اس کے لیے وقتی طور پر کسی دن کا ارادہ کر لیا جائے تو یہ جائز ہے یہ نہ تخصیص ایام ہے نہ اس کا التزام ——— ہاں خاص عرس کے دن زیارت کے لیے جانا اہل بدعت کی

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ صہ ۲۹

بدعات میں اور ان کی ظلمانی مجلسوں میں من وجہ شرکت ہے اور جو شخص کسی قوم کی گنتی کو بڑھائے وہ انہی میں اٹھایا جانے کے خطرہ میں ہے۔

تعیین اعتقادی اور تعیین التزامی

جمعہ کی فضیلت باقی دنوں پر اور رمضان کی فضیلت باقی مہینوں پر اور مسجد کی فضیلت باقی جگہوں پر یہ شرع میں ثابت ہے یہ تعیین اعتقادی ہے اور اس پر مبنی فضیلت شریعت میں ایک درجہ رکھتی ہے۔ لیکن ایصال ثواب کے لیے تیجے، دسویں، اکیسویں اور چالیسویں دونوں کی تعیین کرنا اور انہیں اہم جاننا یا گیارہ تاریخ کو افضل ٹھہرانا اور اس تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو ایصال ثواب کرنا یہ ان اوقات کو اعتقادی فضیلت میں لانا ہے جن کے لیے شریعت میں افضلیت وارد نہیں ہوئی۔ اب جو شخص ان اوقات اور دنوں کی تعیین التزامی کرتا ہے وہ دراصل ان اوقات اور دنوں کی فضیلت اعتقادی کا قائل ہے اور یہی بدعت کی تعریف ہے کہ جو چیز دین نہیں اسے دین سمجھا جائے اور جاہلوں میں اسے بطور دین قائم کر دیا جائے۔

تخصیص اوقات اور تخصیص مقامات

جس طرح کسی وقت کی فضیلت بدوں شرع ثابت نہیں ہو سکتی کسی جگہ اور مقام کی فضیلت بھی دلیل شرعی کی محتاج ہے۔ ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا قبر کے پاس ہو یا مسجد میں یا گھر میں ثواب میں سب برابر ہے۔ کسی ایک جگہ پڑھنے کو اعتقاداً افضل جاننا درست نہیں۔

ہاں قبر کے پاس اس لیے پڑھے کہ اس سے میت مانوس ہوتی ہے تو یہ بنا بر اعتقاد سماع موتیٰ جائز ہو سکتا ہے لیکن فضیلتِ اعتقادی اسے بھی حاصل نہیں۔

۲ قبروں پر پھولوں کی چادریں اور سبز ٹہنیاں

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو معذب (عذاب یافتہ) قبروں کے پاس سے گزرے اور آپ نے ان پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ہو سکتا ہے ان کے عذاب میں تخفیف رہے۔

بریلوی علماء اس سے استدلال کرتے ہیں کہ گنہگاروں کی قبروں پر اگر سبز ٹہنیاں رکھی گئیں تو بزرگوں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں ڈالنی چاہئیں۔ جس طرح ٹہنیوں سے پھول فائق ہیں، عام لوگوں سے اولیاء اللہ فائق ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت میں صریح طور پر شفاعتِ نبویؐ کے الفاظ موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انی مررت بقبرین یعذبان فاحببت بشفاعتی ان یرفہ ذلک عنھما مادام الغصنان رطبین۔ (صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۴۱۸)

ترجمہ: میں دو قبروں کے پاس گزرا جن کو عذاب ہو رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ میری شفاعت سے ان پر عذاب اس وقت تک ہلکا ہو جائے۔ جب تک یہ دو ٹہنیاں سبز رہیں۔

یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ اس میں بھی دو سبز ٹہنیوں کو عذاب میں تخفیف کا نشان بتایا گیا ہے۔ اگر یہ کوئی دوسرا واقعہ بھی ہو تاہم یہ ضرور ہے کہ وہاں بھی عذاب میں تخفیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت سے ہی ہوئی۔ یہ حضرت جابرؓ والی روایت اس روایت کے لیے بمنزلہ شرح ہو جائے گی۔ جس طرح قرآن کریم کی بعض آیات بعض دوسری آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں بعض احادیث بھی بعض دوسری احادیث کے لیے بمنزلہ شرح ہیں۔

الجواب بریلوی مفتیوں کا مذکورہ استنباط عجیب ہے حضورؐ کی رکھی سبز ٹہنیاں جب تک تر رہیں

ان گنہگاروں کے عذاب میں تخفیف رہی۔ اولیاء کرام کی قبروں پر جب تک یہ پھول تر رہیں گے وہاں کن کے عذاب میں تخفیف ملحوظ نظر ہے؟ سبز ٹہنیوں اور تازہ پھولوں میں تر ہونا قدر مشترک ہے اور کچھ وقت بعد دونوں چیزیں خشک ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں خشک تو ہو گئیں لیکن اب بھی یہ چیزیں تو ہیں اور اس عموم میں داخل ہیں۔

وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم۔ (پ۱۵: بنی اسرائیل ع ۵)

ترجمہ۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح کرتی ہے مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔

معلوم ہوا سبز ٹہنیوں اور تازہ پھولوں میں یہ تسبیح پہ مددگار ملحوظ نظر نہیں۔ یہ صفت تو اب بھی ان میں موجود ہے کہ دونوں چیزیں خشک ہونے کے باوجود چیز ہونے کے دائرے سے نہیں نکلیں کہ اب ان سے تسبیح باری تعالیٰ منقطع ہو جائے۔

اس تفصیل کے بعد معلوم ہونا چاہیئے کہ عذاب میں تخفیف کا اصل باعث کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت اور آپ کی اللہ تعالیٰ کے حضور ان معذبین کی شفاعت ہے۔ آپ نے ان کی اللہ کے حضور شفاعت کرتے ہوئے ان دو ٹہنیوں کو چھو دیا اور ان قبروں پہ گاڑ دیا۔ اب اگر اُن کی برکت سے ان گنہگاروں کے عذاب میں کمی کر دی جائے تو یہ خالصتہً حضورؐ کی توجہ کا اکرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قبروں والوں سے یہ معاملہ صرف اس لیے کیا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت اور ان ہاتھوں کا اکرام تھا جنہوں نے وہاں ٹہنیاں رکھیں —— دعا سے عذاب میں کیوں تخفیف کی گئی پورا عذاب ہی کیوں نہ اُٹھا لیا گیا اور یہ تخفیف بھی اسی وقت تک رہی جب تک وہ سبز رہیں تو اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا میں کمی نہیں۔ بات یہ ہے کہ اصل فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جتنے وقت کے لیے چاہے اور جتنا کرم فرمائے یہ اس کی مرضی پہ موقوف ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اس کے ارادے کو ضابطوں میں لانے کے مجاز نہیں۔ ہم مفتی احمد یار صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ حدیث میں ان ٹہنیوں کے خشک ہونے کی قید حضورؐ

نے کیوں لگائی۔ ان کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے تخفیف کیوں نہ کر دی گئی۔ ہم کون ہیں خدا کے ارادے پر حکم چلانے والے۔

مفتی احمد یار صاحب کا زورِ قلم ملاحظہ ہو کس دلیری سے انکار کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ حضورؐ کی دعا اور شفاعت کا صدقہ تھا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

عذابِ قبر کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دُعا سے اگر محض دعا سے کمی ہوتی تو حدیث میں خشک ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی۔[1]

اللہ تعالیٰ جس درجے میں دعا کو قبول فرمائیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر کر دیں تو ہم کون ہیں کہنے والے کہ صرف اس وقت تک تخفیف فرمائی جب تک وہ ٹہنیاں تر رہیں گی۔ ہم کون ہیں یہ حکم چلانے والے۔ مفتی صاحب اگر اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں کا سوال اٹھائیں تو یہ ان کا کمال ہے ہم کوئی بریلوی تو نہیں کہ خدا اور اس کے رسولِ خاتمؐ پر اعتراض کرنے لگیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان قبروں سے عذاب کی تخفیف کا واقعہ بالکل خلافِ قیاس ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور توجہ کا فیضان ہے جس کے مفتی صاحب منکر ہیں ـــ اگر یہ کوئی ضابطے کی بات ہوتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین اس پر کیوں عمل نہ کرتے ـــ خیر القرون میں اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اور پھر بزرگوں کی قبروں کو یا اپنے اعزہ و اقارب کی قبروں کو ان زیرِ عذاب لوگوں پر قیاس کرنا اور ان کی قبروں پر سبز ٹہنیاں یا پھول چڑھانا اس میں ایک مصلحت کارفرما ہے اور فقہ کی کس کتاب میں اس مسئلے کو جگہ دی گئی ہے۔

(۳) قبروں کے عرقِ گلاب سے غسل اور پھولوں کی چادریں

اس مدرسکی بدعات میں ایک عمل یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض بزرگوں کی قبروں کو سالانہ

---

[1] جاء الحق صفحہ ۲۸۴

غسل دیا جاتا ہے اور وہ غسل بھی پانی سے نہیں بلکہ عرقِ گلاب سے اور اس میں اتنا اسراف کیا جاتا ہے کہ اس کے تصور سے شعور مجروح ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

یہ بدعت اپنی کوکھ میں کن کن بدعتوں کو ساتھ لائی ہے ذرا ان پر بھی غور کرلیں:۔

(۱) — بزرگوں کی قبریں پکی ہوں قبرِ نبوی کی طرح کچی نہ ہوں — کیوں؟ یہ اس لیے کہ کچی قبریں تو دھوئی نہیں جاسکتیں۔ یہ پکی قبریں ہیں اور وہ بھی مرمریں، جنہیں دھویا جاسکتا ہے — ظاہر ہے کہ اس میں فقہ حنفی کے اس فیصلے سے کھلا تصادم ہے جسے امام محمدؒ نے نقل کیا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

ولا نریٰ ان یزاد علیٰ ما خرج منه ونکره ان یجصص او یطیّن ..... ان النبی صلی اللہ علیه وسلم نهیٰ عن تربیع القبور و تجصیصها قال محمد به ناخذ وهو قول ابی حنیفة۔[1]

ترجمہ۔ اور ہم اسے صحیح نہیں جانتے کہ جو مٹی قبر سے نکلی تھی اس سے زیادہ اس پر ڈالی جائے اور ہم اسے مکروہ جانتے ہیں کہ قبر کو چونے سے پختہ کیا جائے یا اس پر لپائی کی جائے ..... بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چوکور بنانے سے اور اسے چونا گچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ امام محمدؒ کہتے ہیں یہ ہمارا فیصلہ ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

یہ وہم نہ ہو کہ شاید امام ابو یوسفؒ کی یہ رائے نہ ہو۔ ہرگز ایسا نہیں۔ علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ویکره تجصیص القبر وتطیینه وبه قالت الائمة الثلثة۔[2]

ترجمہ۔ جو ولیوں کی قبروں پر بلند عمارتیں بناتے ہیں اور چراغ روشن کرتے ہیں اور اس طرح کے جو کام کرتے ہیں سب حرام ہیں۔

اور امام محمدؒ نے جس حدیث کے مطابق یہ فیصلہ لکھا ہے اس کی تائید و توثیق نویں صدی میں بھی بالکل اسی طرح سنی جارہی ہے۔ دیکھئے پھر تیرہویں صدی میں بھی فقہ حنفی کا یہی فیصلہ پیش کیا گیا ہے

---

[1] کتاب الآثار امام محمدؒ ص ۹۷ [2] کبیری ص ۵۹۹

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی؟ (۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:۔

آنچہ بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع بنا مے کنند وچراغاں روشن مے کنند و ازیں قبیل ہرچہ مے کنند حرام است۔[1]

ترجمہ۔ اور قبر کو چونے گچ بنانا اور اس کی لپائی کرنا مکروہ ہے اور یہی (ہمارے) تین اماموں کا فیصلہ ہے۔

(۲) —— یہ سالانہ تقریب (مزار مبارک کو غسل دینا) سالانہ عرس کا پیش خیمہ بنتی ہے اور عرسوں میں جس قدر مکروہات اور ممنوعات عمل میں آتے ہیں وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں —— عورتیں جس طرح بن سنور کر عرسوں میں آتی ہیں اور دوسری طرف نوجوان عقیدتیں قربان کرتے مزار اولیاء کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس آزاد اختلاط سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں آپ ان کا اندازہ خود کرلیں۔

(۳) —— مہنگائی کے اس دور میں جب ہماری سوسائٹی کا نچلا طبقہ ایک بڑی مقدار میں ضروریاتِ زندگی تک سے محروم ہے وہاں عرق گلاب کا اس قدر ضیاع اور مال کا اس قدر اسراف جو بجائے خود گناہ تھا اب اسے کارِ خیر سمجھ کر عمل میں لایا جا رہا ہے اور یہی بدعت کی حقیقت ہے۔ پھر یہ غسل حکومت کی سرپرستی میں عمل میں لایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ اور بھی کئی قباحتیں شامل ہو جائیں گی۔

(۴) —— یہ گلاب کا عرق جب قبر سے بہہ کر آگے جائے تو لوگ اسے بوتلوں میں بھر بھر کر آگے اپنے دیہات میں لے جاتے ہیں اور پھر اس سے برکت ڈھونڈنے والے مرد اور برکت ڈھونڈنے والی عورتیں ایسی ایسی خرافات میں مبتلا ہوتے ہیں کہ شرک و بدعت کی کوئی آفت نہیں جو ان مجلسوں میں نہ آتی ہو اور یہ سب کچھ قبر پرستی کے ایک حاشیے کی صورت میں جاہل دل و دماغ پر اتار دیا جاتا ہے۔

(۵) —— مزار مبارک کو غسل دینے والے علماء اور نعت خواں اس دھوون کو پھر اپنی مقدس داڑھیوں سے ملتے ہیں جو سنت کے نام سے رکھی گئی تھیں۔ یہ بدعت کی آلائش سے سنت کی کھلی

توہین ہے ـــــ پھر جب یہ غسل حکومت کی سرپرستی میں ہو تو ان علماء کو بھی ان تقریبات میں آنا پڑتا ہے جو سرے سے ان بدعات کے قائل نہ ہوں ـــــ ایک مولوی صاحب ایک ایسی تقریب میں شامل ہوئے تو انہیں بادلِ نخواستہ یہ حدیث پڑھنی پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبر پر پانی چھڑکا ہے۔ ورش علیہ الماء اور وہ حضرت خود بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ نئی قبر بننے پر پانی کا چھڑکاؤ تھا۔ جو اس کی مٹی کو برابر کر دینے کے لیے ڈالا گیا تھا یہ کوئی مزار دھونے کی کارروائی نہ تھی ـــــ تاہم وہ حضرت یہ حدیث پڑھتے کچھ مسکرا بھی رہے تھے۔

قبروں کے غسل اور پھولوں کی چادروں میں اور بھی متعدد قباحتیں لپٹی پڑی ہیں۔ ان کا کہاں تک احاطہ کیا جائے۔ یہ چند امور مثال کے طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں۔ ان تقریبات کے مشاہدے سے اور بھی کئی خرافات آپ کے سامنے آئیں گی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

④ قبروں پر نذریں

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں وہ نذرانے بھی ہیں جو زائرین زیارت کے بعد ان بکسوں میں ڈالتے ہیں جو صاحبِ مزار کے قدموں میں پیوستِ زمین ہوتے ہیں۔ زائر سمجھتا ہے اس لیٹر بکس کے ذریعہ میری نذر صاحبِ مزار تک پہنچ رہی ہے اور میری عرض حضرت خود سُن رہے ہیں۔ یہ وہ اعتقاد ہے جس سے قبروں کا یہ سارا کاروبار چل رہا ہے۔

قبروں پر نذروں کا حال محکمہ اوقاف سے پوچھئے یا رسائی ہو تو عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھانے والے ان گدّی نشینوں سے پوچھئے جن کا ذریعۂ معاش یہ نذرانے یا آنے جانے والوں کے گرے پڑے سامان ہیں ایسے کسی بزرگ کی اولاد میں جب اس کی جائداد تقسیم ہوتی ہے تو اس میں یہ قبر بھی ایک قیمتی متاع بنتی ہے کہ جو اس کا متولی ہو گیا وہ ہر سال کی دولت پا گیا۔ جس کو مکان و زمین ملی وہ ایک دفعہ ملی اور جس کو قبر ملی وہ ہر سال کی دولت سمیٹ گیا جو اسے بیٹھے بٹھائے گھر مل جایا کرے گی۔

یقین نہ آئے تو کبھی خود جا کر دیکھیں۔ لوگ اپنی حاجتیں پوری کرانے کے لیے کتنی بڑی بڑی فیسیں ان

مزاروں کی نذر کرتے ہیں اور پھر صرف نقد نوٹ ہی نہیں دیگوں کی دیگیں، مٹھائیوں کے بڑے بڑے طبق پھلوں کے لدے ٹوکرے اور لڑکیوں تک ان مزاروں کی نذر کرتے ہیں اور پھر گدی نشین ہیں کہ مولویوں کو بڑی بڑی فیسیں دے کر ان درگاہوں پر لاتے ہیں اور ان سے وعظ کراتے ہیں کہ تم یہاں قاضی الحاجات کے دروازے پر آپہنچے ہو، جو لینا ہے انہی سے لو۔ خدا بڑا بادشاہ ہے وہ ہر کسی کی براہ راست نہیں سنتا۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے یا جو کچھ دینا ہے بس انہی حضرات کے قدموں میں بیٹھ کر کہہ دیجئے اور جو دینا ہے وہ بھی یہیں ڈال دیں۔ اللہ ان کی کبھی بھی موڑتا نہیں اور تمہاری کبھی بھی سنتا نہیں ـــــ پھر سادہ لوح بریلوی ان میلوں کے ریلوں میں اور حلووں کے جلووں میں اپنی ایمان جیسی متاعِ عزیز کو بھی نعرہ بازی میں ہار دیتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ ایک بڑے رب کے ماتحت کسی چھوٹے رب کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ دنیا کے حکمرانوں کا اقتدار اور اختیار آپس میں تقسیم ہو کر عمل میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اقتدار اور اپنی قدرت میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ نہ کسی فرشتے کو اور کسی پیغمبر اور ولی کو ـــ یہی عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے۔ رہے بریلوی تو ان کے بارے میں فقہ حنفی سے یہ فیصلے لے لیجئے:۔

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام و ما یؤخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام[1]

ترجمہ۔ اور جان لو کہ اکثر عوام جو مرحومین کے نام پہ نذریں دیتے ہیں اور نقد روپوں اور چراغ اور ان میں ڈالا جانے والا تیل اور اس قسم کی دوسری چیزیں اولیائے کرام کی درگاہوں میں لاتے ہیں، بایں طور کہ ان کا انہیں قرب حاصل ہو یہ سب بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔

اس نذر کو باطل اور حرام کہنے کی وجوہ علامہ شامیؒ نے یہ لکھی ہیں:۔

قولہ باطل وحرام لوجوہ منھا انہ نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز

[1] الدر المختار کتاب الصوم جلد ۲ ص ۱۲۸ حاشیۃ الطحاوی

لانه عبادة والعبادة لا یکون لمخلوق ومنها ان المنذور له میت والمیت لا یملك ومنها انه ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون الله تعالیٰ و اعتقاده ذلك کفر[1]

ترجمہ. صاحب درمختار کا ان چڑھاؤں کو باطل اور حرام کہنا کئی وجوہ سے درست بیٹھتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ماننا ہے اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں. نذر ماننا ایک عبادت ہے اور عبادت خالق کی ہے مخلوق کی نہیں اور ایک یہ وجہ بھی ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے (اس جہان سے جا چکا) اور میت کسی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی اور اس کے حرام ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ نذر ماننے والا یہ گمان کئے ہوئے ہے کہ فوت شدگان اللہ کے ورے ورے خود متصرف فی الامور ہیں اور اس کا ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے.

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں کہ ایسی اشیاء کا کھانا مضطرین کے سوا اور کسی کے لیے روا نہیں. کسی شریف منصب کے لیے کسی اچھے خاندان والے کے لیے اور کسی صاحب علم کے لیے اس کے علم کی عزت کے باعث یہ کھانا جائز نہ ہوگا.

ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف الاغنیاء للاجماع علیٰ حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا تشتغل به الذمة وانه حرام بل سحت.[2]

ترجمہ. شریعت میں یہ کہیں ثابت نہیں کہ یہ نذر غنی لوگوں کے لیے کھانا جائز ہو اس بات پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا (وہ کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو) حرام ہے اور یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور اس پر اس کی کوئی ذمہ واری نہیں آتی اور یہ حرام ہے بلکہ حرام سے بھی آگے بڑھ کر یہ درجہ سحت میں ہے. (رشوت جیسی خباثت اس میں آچکی).

یہ صرف درمختار اور اس کی شروح کی بات نہیں اس سے پہلے علماء احناف اپنی قومی اسمبلی میں

---

[1] رد المحتار للعلامة الشامی جلد ۲ ص ۱۳۱ [2] طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ ص ۴۷۲

شریعت اسلامی کے اس ضابطے پر اجماع کر چکے ہیں۔ فتاوئے عالمگیری کے باب الاعتکاف میں دیکھیے :

والنذر الذی یقع من اکثر العوام بان یأتی الی قبر بعض الصلحاء ویرفع ستره قائلا یاسیدی فلان ان قضیت حاجتی فلک منی من الذهب مثلا کذا باطل اجماعا۔

ترجمہ۔ اور اکثر عوام میں جو یہ نذر ماننے کا رواج ہے کہ کسی نیک آدمی کی قبر پہ آتے ہیں اور اس پہ پڑا غلاف اٹھا کر یہ کہتے ہیں اے میرے آقا! اگر تو میری یہ حاجت پوری کر دے تو میں تیرے لیے اتنا سونا لاؤں گا۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔

اور یہ بھی لکھا ہے :۔

فما یوخذ من الدراهم ونحوها وینقل الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیهم فحرام بالاجماع[1]

ترجمہ۔ سو جو روپے اور ان جیسی اور چیزیں لے کر انہیں اولیاء اللہ کے مقبروں پر لے جاتے ہیں اور نیت ان بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کی ہوتی ہے تو یہ بالاجماع حرام ہے[2]

علامہ محمود آلوسیؒ بھی لکھتے ہیں :۔

واما اذا کان المطلوب منه میتا او غائبا فلا یستریب عالم انه غیر جائز وانه من البدع التی لم یفعلها احد من السلف[3]

ترجمہ۔ اور جب مطلوب منہ (جس سے درخواست کی جا رہی ہو) فوت شدہ ہو یا سامنے نہ ہو غائب ہو تو اس میں کسی عالم کو شک نہیں ہو سکتا کہ یہ جائز نہیں اور یہ ان بدعات میں سے ہے جن پہ سلف صالحین میں سے کوئی عمل پیرا نہیں ہوا۔

معلوم ہوا بدعت کا معیار یہ ہے کہ اس پہ سلف صالحین کا عمل نہ ہو۔ نئے نئے مجتہدوں کی بات لینے کی بجائے پہلوں کی پیروی ہزار درجہ بہتر ہے۔ مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں :۔

---

[1] فتاوئے عالمگیری جلد ۱ ص [2] فتاوئ عالمگیری جلد ۱ ص ۲۱۶ [3] روح المعانی جلد ۲ ص ۲۱۲

(اللہ تعالیٰ) پچھلے مولویوں کی گمراہی سے بچائے جنہوں نے اپنے عقائد بدل ڈالے اور صحابہ اور تابعین اور مجتہدین امت یعنی امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ اور مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور سفیان ثوریؒ اور اوزاعیؒ..... کے خلاف اعتقاد قائم کیا۔[1]

حاجت برآری پر قیمت نہ بھی پیش کرے تو بھی قبر سے یہ طلب حاجت ان اسباب میں سے نہیں جو اللہ رب العزت نے نظام کائنات کے چلنے کے لیے بنا رکھے ہیں۔ سو اہل قبور سے یہ استدعا ایک فوق الاسباب پکار ہے جو بہت بڑا گناہ ہے اور کسی طرح لائق مغفرت نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں:۔

كل من ذهب الى بلدة اجمير او قبر سالار مسعود او ماضاهاها لاجل حاجة يطلبها فانه اثم اثما اكبر من القتل والزنا۔ أليس مثله الا مثل من كان يعبد المصنوعات او مثل من كان يدعوا اللات والعزّى۔[2]

ترجمہ: جو شخص بھی اجمیر شریف حاضری دیتا ہے یا حضرت سالار مسعود کی قبر پر جاتا ہے یا ان درباروں جیسے اور کسی دربار پر حاضری دیتا ہے تو وہ ایسے بڑے گناہ کا مرتکب ہے جو قتل اور زنا سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیا اس کی مثال ویسی نہیں جیسی ان لوگوں کی جو ہاتھ کے بنائے ہوئے بت پوجتے ہیں یا ان کی طرح جو لات وعزّٰی بتوں کو اپنی حاجت برآری کے لیے پکارتے ہیں۔

قتل وزنا واقعی بڑے گناہ ہیں گناہ کبیرہ ہیں اور ان کی سزا سزائے موت ہے لیکن شرک اس سے بھی بڑا گناہ ہے جو کسی طرح لائق معافی نہیں۔ یہ مسئلہ صرف اللہ کے حقوق کا نہیں اللہ کی غیرت کا بھی ہے۔

یہ قبروں پر مال، درہم و دینار اور تیل چڑھانے کی بات تھی جسے فقہاء کرام بالاجماع حرام لکھتے ہیں۔

---

[1] تیسیر الباری جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ [2] التفہیمات الالٰہیہ جلد ۲ صفحہ ۴۵

⑤ نذر کئے گئے بکرے اور مرغے

باقی رہا زندہ چیزوں کا چڑھاوا وہ اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے۔ جو لوگ وہاں حیوانات کو پیش کرتے ہیں اور وہاں انہیں ذبح کرتے ہیں گو وقت ذبح وہ اللہ کا نام ہی لیتے ہوں لیکن وہاں قبروں پہ جا کر ان کا ذبح کرنا ان میں ان اصحاب مزارات کا اعزاز اور تقرب بھی ان لوگوں کے پیش نظر ہوتا ہے۔ یہ گناہ بدعت سے کچھ آگے جا کر شرک کے درجے کو پہنچتا ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

وحیوانات راکہ نذر مشائخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح مے نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند۔[1]

ترجمہ۔ اور یہ لوگ جو بزرگوں کے لیے جانوروں کی نذر مانتے ہیں اور پھر ان کی قبروں پہ جا کر ان بکروں اور مرغوں وغیرہ کو وہاں ذبح کرتے ہیں فقہ کی روایات میں ان کے اس عمل کو بھی داخل شرک کیا گیا ہے۔

حیوانات بکرے بھیڑیں اور مرغے تو ایک طرف رہے، بریلوی وہاں زندہ انسانوں (لڑکیوں) تک کا چڑھاوا چڑھانے کو بھی بزرگوں کی ایک بڑی عقیدت سمجھتے ہیں۔

⑥ قبروں پر لڑکیوں کا چڑھاوا

نہایت افسوس ہے کہ بریلویوں نے قبروں پہ کی جانے والی بدعات میں لڑکیوں کے چڑھاوے بھی شامل کر رکھے ہیں۔ پہلے یہ بکرے اور مرغے مزارات کے نذرانے کے طور پر ذبح کرتے تھے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد آپ پڑھ آئے ہیں کہ فقہائے کرام نے اسے شرک قرار دیا ہے۔

یہ لڑکیوں کا چڑھاوا اس سے آگے کی ایک اور بدعت ہے جسے مل گئی اس کا عرس ہو گیا۔ عروس عربی میں دلہن کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ عرس اپنا کرتے ہیں اور نہایت بے حدی سے اسے صاحب مزار کے نام

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب ۴۱ صہ

لگا دیتے ہیں کہ اندر سے وہ ان کاموں کا لطف لیتے ہیں اور باہر سے یہ مجاورین یا ان کے بزرگ گاہک جو یہاں ان محفلوں میں حاضری دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ) افسوس بریلویت لوگوں کو کہاں سے کہاں لے آئی۔

مولانا احمد رضا خاں حضرت سید احمد بدوی کبیر کے مزار پہ ایک تاجر کا کنیز پیش کرنا اور صاحب مزار کا اسے قبول کرنا بڑی خوش اعتقادی سے ذکر کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی۔[1]

مزاروں کے چڑھاوے وصول کون کرتے ہیں؟ ان کے مجاورین اور زائرین۔ اب یہ لڑکی جو مزار اقدس پر چڑھاوے کی صورت میں آئی اسے کون لے جائے گا؟ اور یہ کس کی قسمت کہلائے گی؟ مجاور کی یا مجاور جسے تحفہ دیدے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں یہاں مجاور کو قبر سے اشارہ ہوا کہ اب وہ یہ کنیز حضرت سید عبدالوہاب کو جو وہاں حاضر مزار تھے انہیں دے دے اور پھر اس حاضر بزرگ کو قبر سے جو آواز آئی اسے مولانا احمد رضا خاں کے الفاظ میں پڑھیئے:-

عبدالوہاب اب دیر کاہے کی ہے؟ فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔[2]

مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنی محفلوں میں ایسے واقعات مزے لے لے کر سناتے حضرت سیدی احمد بدوی کے مزار پر بہت بڑا میلہ اور ہجوم ہوتا تھا سیدی عبدالوہاب اکابر اولیاء کرام میں سے تھے اس مجمع میں چلے آتے تھے ایک تاجر کی کنیز پر نظر پڑی پھر وہی کنیز مزار کی نذر چڑھی مزار سے آواز آئی ہم نے یہ کنیز تمہیں دی۔ مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں۔

معاً وہ تاجر حاضر ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی۔ خادم کو اشارہ ہوا انھوں نے آپ کی نذر کر دی (پھر حضرت نے مزار سے) ارشاد فرمایا عبدالوہاب اب دیر کاہے کی ہے فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔[2]

معلوم ہوتا ہے باہر والے بزرگ کو اتنی جلدی نہ تھی جتنی اندر والے بزرگ کو تھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مولانا احمد رضا خاں ان بزرگوں کے نام سے یہ چٹخارے کیوں لیتے رہے، تاہم اس

---

[1] ملفوظات حصہ سوم ص۲۹، ص۲۸۹ [2] ملفوظات ... ص۲۸۹ حصہ سوم

سے یہ بات ضرور واضح ہوئی کہ بریلویوں کے ہاں قبروں پر لڑکیوں کے چڑھاوے بھی چڑھتے ہیں۔

مزاروں کے گرد حجرے کیا انہی کاموں کے لیے ہوتے ہیں؟ اور کیا اصحاب مزارات اس طرح کمروں کے نمبر بولتے ہیں جس طرح ہوٹلوں کے مالک اپنے مسافروں کو نمبر بتاتے ہیں اور چابیاں دیتے ہیں۔ اس وقت اس کی تفصیل ہمارا موضوع نہیں۔ ہم یہاں صرف کہنا چاہتے ہیں کہ فقہ حنفی کی رو سے مزار پر چڑھاوے خواہ روپوں اور نوٹوں اور درہم و دینار کی شکل میں ہوں یا بکروں اور مرغوں کی صورت میں یا خوبصورت لڑکیوں کے قالب میں مزار کی یہ سب نذریں شرعاً حرام ہیں۔ اسلام میں نذر لغیر اللہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ شامی تصریح فرماتے ہیں کہ تملیک میت کو نہیں ہو سکتی۔ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ جو اس کے اپنے پہلے املاک ہوں وہ بھی وارثوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور اس کی ملکیت میں کچھ نہیں رہتا۔ جب اموات تملیک کا محل ہی نہیں تو یہ کنیز کی صاحب مزار کو تملیک کیسی؟ اور پھر صاحب مزار کی طرف سے اس باہر کے ملی کو تملیک کیسی؟ ـــــ اصحاب مزارات تو ایسے جہان میں ہیں کہ نہ وہ مالک بنتے ہیں اور نہ کسی کو وہ مالک کرتے ہیں

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

اسلام کے قانونِ وراثت میں بیٹوں کے ہوتے یتیم پوتا دادا کا وارث نہیں ہوتا۔ یہ اس لیے کہ اس کا باپ اپنے باپ کی وفات کے وقت اموات میں تھا میت کسی چیز کی مالک نہیں بنتی سو وہ اپنے باپ کی وفات پر کسی چیز کا مالک نہ بنا۔ جب وہ خود کسی چیز کا مالک نہیں اب وہ اپنے بیٹے کو اپنے باپ کے مال سے کچھ نہیں دے سکتا۔ سو یہ صحیح ہے کہ فوت شدگان کو گو وہ اولیاء کبار ہی کیوں نہ ہوں کوئی کنیز تملیک نہیں کی جا سکتی اور وہ میت بھی آگے کسی مجاور اور زائر کو اس کا مالک نہیں کر سکتی۔ معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں نے کیسے یہ فتوے دیا کہ حضرت احمد کبیر نے مزار سے سیدی عبد الوہاب کو اس کنیز سے حاجت پوری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

⑦ عورتوں کی عرسوں پر حاضری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہلے زیارت قبور سے روک رکھا تھا اور یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں کو شامل تھا۔ بعد میں آپ نے زیارت قبور کی اجازت دے دی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا :۔

کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها [1]

ترجمہ :۔ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب تم قبروں پر جاؤ۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس اجازت میں عورتیں بھی شامل ہوئیں یا ان کے لیے ممانعت ہی رہی؟ اس میں علماء کے اقوال دونوں طرف ملتے ہیں۔ لیکن ایک دوسری حدیث میں نہایت کھلے طور پر عورتوں کو زیارت قبور سے منع کیا گیا ہے۔ ابھی آپ نے حضرت سید احمد بدوی کے مزار پر ایک لڑکی کو حاضر دیکھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کی قبروں پر بار بار حاضری ہرگز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں خصوصاً جب کہ وہ عام قبروں عرسوں پر بہت بن ٹھن کر حاضری دیتی ہوں۔ عرسوں کی حاضری تو عام قبروں کی حاضری سے بہت آگے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج [2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی جو بار بار قبروں پر حاضری دیں اور ان مردوں پر بھی جو وہاں مسجدیں بناتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں۔

علامہ عینی اس حدیث پر لکھتے ہیں :۔

واحتج بهذا الحدیث قوم فقالوا انما اقتضت الاباحة فی زیارة القبور للرجال دون النساء [3]

---

[1] صحیح مسلم ... [2] سنن ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۰۳ رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ قال الترمذی ہذا حدیث حسن صحیح ص ۱۲۳ [3] عمدۃ القاری ج ۸ ص ۷۰

مولانا احمد رضا خاں بھی عورتوں کی قبروں پر حاضری کو یکسر منع کرتے ہیں وہ ان کے لیے اجازت کے قائل نہیں ہیں :-

عورتوں کو مزارات اولیاء اور مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔[1]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں :-

جب وہ جانے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور جب گھر سے چلتی ہے سب طرف سے شیطان اس کو گھیر لیتے ہیں اور جب قبر پر آتی ہے میت کی روح اسے لعنت کرتی ہے اور جب پلٹتی ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ پھرتی ہے۔[2]

علامہ عینی رح لکھتے ہیں :-

ولقد کرہ اکثر العلماء خروجھن الی الصلوات فکیف الی المقابر وما اظن سقوط فرض الجمعۃ علیھن الا دلیلا علی امساکھن عن الخروج فیما عداھا۔[3]

ترجمہ۔ اکثر علماء عورتوں کے مسجدوں میں جانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں سو ان کا مقبروں میں جانا کیسے روا ہو سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان سے جمعہ کی فرضیت اس لیے ساقط ہوئی کہ اور مقامات پر ان کا گھر سے نکلنا جائز نہ تھا۔

(۸) قبروں کے طواف

پھر قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک طواف بھی ہے جو یہ لوگ قبروں کے گرد کرتے ہیں اسلام میں طواف اعتکاف اور نماز عبادات ہیں اور عبادت زبانی ہو یا بدنی یا مالی ایک اللہ رب العزت کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر جن کاموں کے لیے کی تھی ان میں طواف بھی ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا گیا تھا دیکھئے پ البقرہ ع ۵۔

وعھدنا الی ابراھم واسمٰعیل ان طھرا بیتی للطائفین والرکع السجود۔

---

[1] احکام شریعت جلد ۲ ص۱۵۵ [2] فتاوی افریقہ ص۸۷ [3] عمدۃ القاری جلد ۸ ص۶۹

لو طاف حول مسجد سوی الکعبۃ الشریفۃ یخشیٰ علیہ الکفر[1]

ترجمہ۔ اگر اس نے کعبہ مشرفہ کے سوا کسی اور مسجد کا طواف کیا تو اس پر کفر ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔

اب اس میں بریلویوں کی اس جرأت اور جسارت کو بھی دیکھئے کس بے دردی سے یہ اپنے جاہل عوام کے دین و ایمان سے کھیلتے ہیں ۔

داتا صاحب کی مسجد شریف میں ایک نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ستر مقبول حج کرنے کے برابر ہے۔ آپ (سرکار کرمانوالی) فرمایا کرتے تھے کہ نادار مسلمان کو چاہیئے کہ اگر وہ حج بیت اللہ شریف کے لیے استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس کا طواف کرے اسے حج کا ثواب حاصل ہوگا۔[2]

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری روضہ اقدس پر زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

لا یطوف ای لا یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولا عبرۃ بما یفعلہ الجھلۃ ولو کانوا فی صورۃ المشائخ والعلماء۔[3]

ترجمہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریفہ کے گرد طواف نہ کرے۔ یہ اس لیے کہ طواف مختصات کعبہ میں سے ہے (اور کسی جگہ روا نہیں) سو انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی قبروں کے گرد طواف کرنا حرام ہے اور جو جاہل لوگ (بریلوی) ایسا کرتے ہیں ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ جہلاء (عوام میں سے ہی نہیں) کبھی مشائخ اور علماء کی صورتوں میں بھی ہوتے ہیں ان کے غلط فتوؤں سے سند نہ لی جائے۔

معلوم ہوا قبروں پر عرسوں کے موقع پر جو بڑے بڑے پیر اور کرائے کے مولوی ان بدعات کو سند جواز دینے کے لیے تقریریں کرتے نظر آتے ہیں یہ بھی جہلاء میں سے ہوتے ہیں۔ ان کی بڑی بڑی پگڑیوں اور

---

[1] معراج الدرایہ [2] خزینۂ کرم ص۱۴۲ مطبوعہ کرمانوالہ پبلشرز [3] شرح مناسک جلد ص

بتوں کو دیکھ کر کہیں انہیں عالم سمجھنے نہ لگ جانا جو قبروں کے گرد طواف کرنے کی اجازت دیتے ہوں وہ علماء اور مشائخ کیسے؟ وہ بریلوی ہیں جو اپنے آپ کو اس جلو میں پیش کرتے ہیں۔

⑧ قبر اور دیواروں کو چھُونا

قبر اور دیواروں کو چھُونا اور بوسہ دینا گو طواف نہیں لیکن طواف کے دوران رکنِ یمانی کو چھُونے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے سے ضرور مشابہ ہے سو یہ بھی قبروں پر جائز نہیں حضرت ملا علی قاریؒ نے قبروں پر کئے جانے والے ان اعمال کی بھی نشاندہی کی ہے:۔

لا یمس ای القبر ولا التابوت ولا الجدار فورد النھی عن مثل ذلک بقبرہ علیہ السلام فکیف بقبور سائر الانام ولا یقبل فانہ زیادۃ علی المس فھو اولیٰ[1]

ترجمہ۔ نہ قبر کو چھُوئے نہ تابوت کو اور نہ دیوار کو ان جیسے امور کی ممانعت جب حضور علیہ السلام کی قبر کے بارے میں وارد ہے تو اور لوگوں کی قبروں پر اس کا حکم کیسا سخت ہوگا اور (قبر کو یا دیوار کو) بوسہ بھی نہ دے۔ کیونکہ یہ تو چھونے سے آگے کی بات ہے یہ عمل تو حجرِ اسود کے لائق ہے۔

بریلوی جب زندہ لاشوں کے سامنے زمین پر گرتے ہیں اور اُسے بوسہ دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سجدہ نہیں کرتے صرف تعظیم کرتے ہیں تو یہ تعظیم بھی حرام ہے اور مشابہ بہ عبادۃ الاصنام ہے در مختار میں ہے:۔

وکذا ما یفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ اثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن۔[2]

ترجمہ۔ اسطرح جو بزرگوں اور علماء کے آگے زمین کو چومتے ہیں سو یہ حرام ہے ایسا کرنیوالا اور ان کے اس عمل پر اظہار رضا کرنیوالا دونوں گنہگار ہیں ان کا یہ عمل بت پرستی کے مشابہ ہے

---

[1] شرح عین العلم جلد صـ [2] در مختار جلد صـ

فتاوٰے عالمگیری میں صراحت سے لکھا ہے کہ اس طرح زمین کو چومنا سجدہ کے قریب قریب ہے۔

واما تقبیل الارض فھو قریب من السجود۔[1]

ترجمہ۔ اور زمین کو چومنا یہ سجدہ (تعظیمی) کے قریب قریب ہے۔

شریعتِ محمدی میں جس طرح بندگوں اور پیروں کو سجدہ تعظیمی حرام ہے۔ یہ ان کے استقبال میں زمین کو چومنا اور ان کے سامنے زمین پر گر پڑنا بھی حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔

اما فی شریعتنا فلا یجوز لاحد ان یسجد لاحد بوجہ من الوجوہ ومن فعل ذلک فقد کفر۔[2]

ترجمہ۔ ہماری شریعت میں یہ ہرگز جائز نہیں کہ کوئی انسان کسی دوسرے کو کسی بھی پہلو سے سجدہ کرے۔ جو ایسا کرے گا سو اس نے خدا کے ساتھ کفر کیا۔

جہاں تک قبروں کا تعلق ہے وہاں صرف وہی کام جائز ہے جو سنّت متوارثہ ہو اور وہ زیارت قبور اور ان کے لیے کھڑے کھڑے دعا کرنے سے آگے نہیں بڑھتی۔

ویکرہ عند القبر مالم یعھد من السنۃ والمعھود منھا لیس الا زیارتہ والدعاء عندہ قائماً۔[3]

ترجمہ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ کام مکروہ ہے جو سنّت سے نہیں چلا آرہا اور جو چیز سنّت سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ اس قبر کی زیارت کی جائے اور اس کے پاس کھڑے (اس کے لیے) دعا کی جائے۔

کہاں گیا بریلویوں کا وہ مفروضہ کہ منع کی دلیل لاؤ۔ اصل ہر چیز میں اباحت ہے۔ محترم اشیاء میں اباحت کو نئے نئے مسائل بنانے کا زینہ نہ بناؤ۔ یہاں ہم اس چیز کے پابند نہیں کہ نیکی اسی کام کو سمجھیں جو اوپر سے ہم تک نقل ہوا ہو اور پہلوں سے پچھلوں کو ملے اور جو چیز سنّت میں معہود نہیں (صحابہؓ کے عمل

---

[1] فتاوٰے عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۹۶ [2] ہدایہ جلد صفحہ [3] فتاوٰے عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۶۶

میں آتی نہیں) اسے ہرگز ہرگز دین نہ بنایا جاسکے گا۔

یہ قبروں پر کی جانے والی خرافات ایک عام انسان پر کیا اثر ڈالتی ہیں اور وہ بریلویوں کے اس خودساختہ دین کا کیا اثر لیتا ہے اسے پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اسلم بیگ کی بیگم کے ان تاثرات میں ملاحظہ کیجئے:۔

> حضرت داتا صاحب (حضرت علی ہجویری لاہوریؒ) کے مزار پر جو کچھ ہوتا ہے یہ سب شرک ہے۔ ہمیں لاکھوں روپے کی چادریں چڑھانے کی بجائے ننگے بدن لوگوں کو ڈھانپنا چاہیئے۔ لاکھوں روپے کے جس عرق گلاب کو مزار دھونے پر ضائع کر رہے ہیں وہ رقم ہمیں غریبوں میں بانٹنی چاہیئے۔ [۱]

جونہی یہ خبر چھپی بریلوی مولویوں نے ریزولیشن پاس کرنے شروع کر دیئے کہ حکومت پاکستان جنرل مرزا اسلم بیگ کو ملازمت میں توسیع نہ دے کیونکہ اس کی اہلیہ وہابن ہو گئی ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اڈنبرا (سکاٹ لینڈ) کے میوزیم میں سلطان ٹیپو شہید کی تلوار کو دیکھ کر یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کے دستہ پر ہر جگہ "یا اللہ" لکھا ہے "یا محمد" کہیں نہیں لکھا، یہ کہہ دیا تھا کہ وہ بھی وہابی تھا۔ خدا کو پکار کر اس نے دیکھ لیا کہ اس کا کیا بنا۔ اگر کہیں تلوار پر "یا غوث" لکھتا تو بارہ برس کے اس کے مرے ہوئے سپاہی بھی زندہ ہو کر آجاتے اور اس کی کمک بنتے۔ کیا حضرت پیر صاحب نے بارہ برس کے ڈوبے ہوئے بیڑے تیرا کر نہیں دکھائے۔ استغفر اللہ العظیم

پاکستان میں ان کے مولوی گلے پھاڑ کر کہتے ہیں کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں حضرت داتا صاحبؒ نے بھارتی حملوں کو رد کا تھا۔ وہ نہ روکتے تو ہماری افواج بھارتی فوجوں کو کیسے پیچھے دھکیل سکتی تھیں —— افسوس وہ نہیں جانتے کہ میدان جنگ میں کثرت وقلت فیصلے نہیں کرتیں ایمان اور عزم کی دولت ہے جس سے بارہا قلت نے کثرت پر فتح پائی ہے۔

پھر جب ان کو کہا جاتا ہے کہ سرکار اجمیر ہندوستان کے مسلمانوں کو کیوں نہیں سنبھالتے، تو اس

---

[۱] روزنامہ جنگ لاہور ۲۸ ستمبر ۱۹۹۰ء

کے جواب میں کچھ چھوٹی برادران یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ ہندو بڑا ظالم ہے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم جواباً کہتے ہیں کہ اور کچھ نہ سہی آپ اللہ رب العزت کو تمام طاقتوں کا مالک سمجھتے ہوئے اور اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتے ہوئے اپنا ایمان تو بچا سکتے ہیں یہ کیا کوئی کم کارکردگی ہے۔ ان حالات میں اپنا ایمان تو بچا لیجئے۔ شرک و بدعت کی دلدل میں کب تک دھنستے جاؤ گے؟

⑨ قبر پر اذان دینا

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک بدعت بریلویوں کی قبر پر اذان بھی ہے۔ بانی مذہب مولانا احمد رضا خاں نے اس پر ایذان الاجر فی اذان القبر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی نے جاء الحق میں اسے ثابت کرنے کے لیے صف۳۰ سے صد تک اس پر بڑی بحث کی ہے۔ تاہم اس بدعت میں بریلوی علماء عوامی تائید حاصل نہیں کر سکے۔

اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند امور ہمہ وقت پیش نظر رہیں:۔

① ——— مسلمانوں کا فوت ہونا ان کا جنازہ پڑھنا اور دفن ہونا یہ مسئلہ کوئی ایک آدھ دفعہ کا نہیں۔ مسلم معاشرے میں ایسے واقعات اور حادثات اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ ان کی قدر مشترک کسی مسلمان سے اوجھل نہیں رہ سکتی ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہاں کی زندگی میں سینکڑوں جنازے پڑھائے۔ خلافت راشدہ میں بھی لاتعداد جنازے اٹھے۔ صحابہ کرامؓ نے ہزاروں جنازوں میں شرکت کی۔ قرون ثلثہ مشہور لہا بالخیر میں کبھی کسی جنازے کے موقعہ پر قبر پر اذان دینے کا واقعہ پیش نہیں آیا اور روایات حدیث میں کوئی ضعیف سے ضعیف اثر تک ایسا نہیں ملتا کہ اس دور اول میں وقت دفن کسی قبر میں یا قبر پر اذان دی گئی ہو۔ اگر ایسا کبھی ہوا ہوتا تو ضرور وہ اس امت تک نقل ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا کہ اتنا کثیر الوقوع عمل پوری امت سے اس دور میں مخفی رہے اور کسی نے اسے نقل و روایت نہ کیا ہو۔

② ——— بریلوی علماء اسے کس راہ سے دین بناتے ہیں؟ یہ وہی ان کا مفروضہ ہے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔ قرآن و حدیث میں اس پر کہیں منع وارد نہیں۔ لہذا ہم سے اس کا ثبوت نہ

پوچھو تم منع کی دلیل لاؤ۔

اس پر علماء اہل سنت ان بریلوی علماء سے کہتے ہیں تم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں سے پہلے اذان نہ کہنے پر منع کی دلیل لاؤ۔ اگر قرآن و حدیث سے تم اس پر منع ثابت نہ کر سکو تو نماز عیدین کے موقع پر بھی اذان کہا کرو وہاں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر جب کہیں منع وارد نہ تھی تو علماء نے اس کے نہ ہونے پر اجماع کیسے کرلیا۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) نے اس کے نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے:۔

نقل ابن عبدالبر اتفاق العلماء علی ان لا اذان ولا اقامة۔[1]

ترجمہ۔ حافظ ابن عبدالبر نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ نماز عید کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔

(۳) —— قبروں پر کئے جانے والے اعمال میں فقہاء احناف کے ہاں اصل نقل ہے اباحت نہیں کہ اسے الاصل فی الاشیاء ھی الاباحة کے قاعدہ سے جائز کرلو۔ امام ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) علم اصول کے بڑے جلیل القدر امام ہیں جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

ویکرہ عند القبر کل مالم یعھد من السنة۔[2]

ترجمہ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ عمل جو سنت سے ثابت نہ ہو مکروہ ہے۔

اس موضوع پر یہ بات نہ چلے گی کہ اس پر منع کی دلیل لاؤ اصل ہر چیز میں اباحت ہے۔ یہاں ہر ایسے عمل پر دلیل لانا پڑے گی۔ آگے حضرت علامہ ابن الہمامؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ سنت سے قبر پر کیا کیا احکام ثابت ہیں۔ ۱۔ قبروں کی زیارت۔ ۲۔ اور ان کے پاس دعا کرنا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے حضرت ام المومنین فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بقیع کے قبرستان میں دعا کرتے دیکھا:۔

فاطال القیام ثم رفع یدیه ثلاث مرات ثم انحرف۔[3]

ترجمہ۔ آپ کافی عرصہ وہاں کھڑے رہے (کچھ پڑھتے رہے)، پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے تین دفعہ اور پھر آپ چلے گئے۔

---

[1] الاعتصام لعلامہ الشاطبی الغرناطی جلد ۲ صد ۱۴۷ [2] فتح القدیر جلد ۲ صد ۲۲ مصر [3] صحیح مسلم جلد ۱ صد ۳۱۳

غور فرمائیں یہ دعا آپ نے کن کے لیے کی؟ ان اہل قبور کے لیے — سو دعا کا مفہوم متعین ہوگیا کہ قبرستان میں دعا اہل قبور کے لیے ہے۔ وہاں ان سے اپنے لیے کچھ مانگنا احادیث کی روشنی میں قبروں پر مسنون عمل بس یہی ہیں کہ ان کی زیارت ہو اور مرحومین کے لیے دعا ہو۔

قبروں کی زیارت سے قبروں کا وجود پہلے سے ہے۔ ابن ہمامؒ کے اس اصول میں اموات کو دفن کرنے ان پر مٹی ڈالنے اور اس پر پانی چھڑکنے اور قبر بنانے کی ہرگز رکاوٹ نہیں۔ ان امور کے بغیر قبر کیسے بنے گی اور اس کی زیارت کیسے ہوگی۔ قبر ہوگی تو اس کی زیارت بھی ہوگی اور مدفون کے لیے دعا بھی ہوگی۔ یہ اصول قبر بننے پر کارفرما ہوگا کہ وہاں صرف دو عمل ہوں۔ ایک زیارت اور دوسرا مرحوم کے لیے دعا۔

افسوس کہ مفتی احمد یار خاں صاحب نے ابن ہمامؒ کے اس اصول کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے۔

> اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا تختہ دینا مٹی ڈالنا ..... یہ سب ممنوع ہو۔[1]

مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ دفن کے بعد جب قبر بن جائے تو پھر وہاں اذان بھی کہی جائے۔ یہ قبر پر اذان نہیں دفن کے وقت کی اذان ہے۔ یہ عجیب فرق ہے جو مفتی صاحب کر رہے ہیں۔ ٹھیک کہتے غرض مند دیوانہ ہوتا ہے۔ صاحب غرض مجنون۔

یہ دفن کے وقت کی اذان کیسے ہوگئی؟ دفن کرنے کے بعد اب تو قبر بھی بنا چکے ہیں۔ اب اس قبر پہ صرف وہی عمل درست ہوگا جو سنت سے ثابت ہو۔

یہ کہنا کہ امام ابن ہمامؒ کا بیان کردہ اصول ویکرہ عند القبر کل مالم یعھد من السنۃ تازہ قبروں کے بارے میں نہیں پرانی قبروں کے بارے میں ہے ایک بڑا ڈھکوسلا ہے جس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔ قبر قبر ہے خواہ ابھی بنی ہو اور یہاں امر معمور وہی ہے جو امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بس دو ہی عمل ہیں۔

---

[1] جاء الحق ص ۳۰۲

مولانا احمد رضا خاں کی ابن ہمامؒ کے اصول کے تحت رہنے کی کوشش

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ جب قبر کے پاس دعا جائز ہے تو اذان بھی تو ایک دعا ہی ہے سو اذان کہنے سے انسان اس سنت معہودہ سے نہ نکلے گا اور قبر کے پاس اذان کہنا جائز ہو گا مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

اذان خود دعا ہے بلکہ بہترین دعا ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ہر ذکر الٰہی دعا۔ تو وہ (دعا) سنت ثابتہ کی ایک فرد ہوئی [1]

دعا عربی میں بلانے اور پکارنے کو کہتے ہیں۔ اللہ کے حضور جب ہم دعا کرتے ہیں تو اسے پکارتے ہیں۔ اذان میں اگر بلانا ہے تو مسلمانوں کو نہ کہ خدا کو —— حی علی الصلوٰۃ کی پکار مسلمانوں کے لیے ہے۔ خدا کو پکارنا اذان میں نہیں ہے۔ ذکر الٰہی بالواسطہ دعا ہے براہ راست دعا نہیں ہے۔

اذان کو دعا بایں طور تو کہا جا سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو نماز کی طرف بلایا جاتا ہے لیکن یہ بایں طور دعا نہیں کہ اس میں خدا سے کچھ مانگا جا رہا ہو۔ دعا اذان کے بعد کرتے ہیں اذان کہنے والے بھی اور سننے والے بھی —— سو یہ دعا کا مقام اذان کے بعد ہے اور اس کے لیے دعا حدیث میں موجود ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کا اذان کو دعا کہہ کر اذان عند القبر ثابت کرنا ایک دھکا زوری کے سوا کچھ نہیں —— معلوم نہیں ان لوگوں کے نزدیک دین اتنا یتیم کیوں ہو گیا ہے کہ جو بدعتی چاہے جب چاہے اس پہ بدعت کا ہاتھ رکھ دے۔ ہمارا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خاں جب یہ کچی بات لکھ رہے ہوں گے تو ان کا اپنا ضمیر بھی انہیں ضرور ملامت کر رہا ہو گا یہ اس لیے کہ وہ خود کہہ چکے ہیں :-

اذان ...... یہ تو خالص ذکر بھی نہیں۔ [2]

قبر کے پاس دعا میت کے لیے ہے اور یہ اللہ کے حضور ایک طلب اور استدعا ہے۔ اذان

---

[1] ایذان الاجر صفحہ [2] فتاوے رضویہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۲

میں بلانا زندہ مسلمانوں کے لیے ہے اور اس میں اللہ کے حضور کوئی طلب اور استدعا نہیں۔ وہ طلب بعد اذان دعا کی صورت میں کی جاتی ہے۔

قبر پر اذان کہنے میں اہل بدعت کا اختلاف

جب یہ بدعت چلی تو اہل بدعت میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دیتے تھے۔ اہلسنت اس وقت بسم اللہ وعلی سنۃ رسول اللہ کہتے ہیں۔ اہل بدعت پھر اس سے بھی کچھ بدلے اور اذان اس وقت کہنے لگے جب میت دفن ہو جائے اور قبر بن جائے اور وہ یہ سمجھیں کہ اب قبر میں سوال و جواب ہو رہا ہے اور اب اذان سے میت کے دل کو مانوس کرنا مطلوب ہے۔

میت کے لیے اس وقت دعا کرنا تو احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس وقت وہاں اذان کہنا یہ کسی روایت سے ثابت نہیں۔

فقہ کی کتاب دُرر البحار میں دفن کے بعد اذان ایک ہندی رسم بتایا گیا ہے اور اسے بدعت لکھا گیا ہے کہ یہ ہندوستان میں رائج ہوئی تھی۔

مغنی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت ملتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔
لایزال المیت یسمع الاذان مالم یطین۔[1]

ترجمہ میت برابر اذان سنتی رہتی ہے جب تک قبر پر مٹی نہ لیپ دی جائے۔

اس میں میت کے اذان سننے کا تو بیان ہے وہ یہ کہ میت قبر مکمل ہونے تک مسلسل اذان سنتی رہتی ہے۔ لیکن اذان دے کون رہا ہے؟ اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے اور ایسی مسلسل اذان کہاں سے آرہی ہے جو قبر میں داخل کرنے سے لے کر اس آخری مرحلے تک برابر جاری رہے —— کیا اذان اتنی لمبی ہے کہ اس وقت تک وہ جاری رہے۔ اتنی لمبی تو شیعوں کی اذان بھی نہیں ہوتی۔

تاہم اس روایت سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ قبر مکمل ہونے کے بعد مردہ اذان نہیں سنتا۔ اب اس دور میں جو بریلوی دفن کے بعد اس خیال سے اذان دیتے ہیں کہ مرنے والا ان کلمات سے مانوس ہو۔ ان کا یہ خیال تو یکسر غلط ثابت ہوا۔ مُردہ دفن کے بعد اسے سُن ہی نہیں رہا۔ اس کی ضد اس حدیث

---

[1] غنیہ ص۵۹۹ وحاشیہ فتاوےٰ برہنہ ص

میں بیان کر دی گئی۔

پھر اذان کا اتنا لمبا ہونا کہ قبر مکمل ہونے تک یہ مسلسل جاری رہے کسی طرح قابل فہم نہیں بجز اینکہ اذان بمعنی آواز ہو اور اس سے اذان عرفی مراد نہ ہو اور مطلب اس روایت کا یہ ہو کہ میت اس وقت تک لوگوں کی آوازیں بلکہ ان کے چلنے سے جو جوتیوں کی آواز پیدا ہوتی ہے اسے برابر سنتا رہتا ہے جب تک کہ قبر مکمل نہ ہو جائے اور میت کے ایسا سننے سے اہلحدیث حضرات کو بھی انکار نہیں ہے۔ ہفت روزہ الاعتصام کی ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں دیکھئے:۔

اللہ تعالیٰ تازہ دفنائے ہوئے مردے کو قدموں کی آہٹ سنوا دیتا ہے۔

حضرات اہلحدیث نے تازہ دفنائے ہوئے مردے میں اور پرانے مردے میں جو فرق کیا ہے وہ قرآن و حدیث میں تطبیق پیدا کرنے کے لیے کیا ہے۔ پھر تازہ مردے میں اور باسی مردے میں کیا فرق ہے اسے یہ اہلحدیث حضرات ہی بہتر بتا سکیں گے۔

اذان کے مختلف معانی

اذان عربی میں آواز اور اعلان کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس کے ایک معنی اجازت کے بھی ہیں قرآن کریم میں ایک مؤذن کی اذان یہ بتائی گئی ہے:۔

ثم اذن مؤذن ایتھا العیر انکم لسارقون۔ (پ ۱۳ یوسف ع ۹)

ترجمہ: پھر مؤذن نے آواز دی اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو۔

ایک اور مقام پہ فرمایا:۔

واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر۔ (پ ۱۰ توبہ ع ۱)

ترجمہ: اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن۔

سو یہاں اس روایت میں بھی (اگر یہ سنداً کہیں ثابت ہو) اذان سے مراد آواز ہے۔ اذان عرفی مراد ہوتی تو صحابہؓ کے عہد میں کہیں تو کسی قبر پہ اذان دی گئی ہوتی۔ جب ایسا نہیں تو یقیناً یہ کسی دوسرے معنی

میں ہے۔ ہاں اگر اذان عرفی ہی مراد لینی ہے تو یہ ان اذانوں کا سننا ہے جو اس علاقے کی مساجد میں ہو رہی ہوں یہ نہیں کہ وہ اذان اس قبرستان میں ہی ہو رہی ہو۔

مولانا احمد رضا خاں کا ایک اور اجتہاد

مولانا احمد رضا خاں کا چودھویں صدی کا ایک اور اجتہاد سنیئے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

قبر میں جب فرشتے آکر سوال کرتے ہیں تو شیطان بھی وہاں جا کر کھڑا ہوتا ہے۔ اب شیطان کو ہٹانے کے لیے اذان سے بہتر اور کوئی راہ نہیں۔ اس سوال نکیرین کے وقت باہر سے اذان کہنی مستحب ہے۔ (ملخصاً)

شیطان کی کارکردگی صرف اسی دنیا تک ہے۔ مرنے پر انسان عالم تکلیفی سے نکل جاتا ہے وہ جہاں اور ہے۔ اب اس قبر میں شیطان کی تلبیس مزاج شرع سے لگا نہیں کھاتی۔ پھر اگر شیطان کو دور ہٹانے کی یہی راہ ہے تو حضرات صحابہ کرامؓ تابعین عظام اور مجتہدین کرام نے یہ راہ کیوں اختیار نہ کی۔ شریعت کے مسائل ایسے قیاسات واہیہ سے تو ثابت نہیں ہوتے کہ شیطان کو بھگانے کے لیے قبرستان میں اذان شروع کر دو۔

سے
ستر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

خان صاحب کے اس چودھویں صدی کے اجتہاد پر لازم آئے گا کہ جہاں جہاں شیطان مسلمانوں کے پاس آپہنچتا ہو وہیں وہیں اذانیں شروع کر دی جائیں۔ لیجئے بریلوی حضرات یہاں بھی اس اصول پر چلیں اور وسیع پیمانے پر ان بدعات کا بھی آغاز کریں:۔

(۱) جب بیوی کے پاس جائیں اور اللہ تعالیٰ سے جنبنا الشیطان (اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا) کی دعا کریں تو وہاں بھی کسی کو اذان دینے کے لیے کھڑا کر لیا کریں۔ کیونکہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے۔ آپ اپنا کام کریں اور مؤذن اپنا کام کرے تا شیطان وہاں نہ رہے۔

(۲) قضاء حاجت کے وقت بھی شیطان آٹپکتا ہے۔ حضرت زید بن ارقم رض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انّ ھٰذہ الحشوش محتضرۃ۔

ترجمہ۔ ان مقامات پر شیطان حاضر باش رہتے ہیں۔

یہاں بھی بریلوی حضرات کو کچھ اذانوں کا انتظام کرنا چاہیئے۔ یہ انتظام بیت الخلاء میں کریں تاکہ شیطان بھاگ جائیں۔ ہر بیت الخلاء میں کسی نہ کسی مؤذن کا انتظام ہو۔

(۳) گھروں میں ساری ساری رات اذانوں کا انتظام کریں تاکہ وہاں شیطان کسی کو خواب میں آلودہ نہ کر سکے۔ والحلم من الشّیطان سے بچنے کی یہی راہ ہے۔

(۴) کاروبار کی منڈیوں میں شیاطین اس تیزی اور باریکی میں گھومتے ہیں کہ وہ خطوط زمین پر شر بقاع الارض بنے ہوتے ہیں۔ سو بازاروں اور منڈیوں میں مؤذن مقرر کرنے چاہئیں۔

آپ غور فرمائیں کیا اس قسم کے دلائل پر شریعت کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے؟ ہمارا دین اور ہماری فقہ کیا پہلے سے کتابوں میں مدون نہیں؟ بریلوی حضرات وہاں سے دین کو کیوں نہیں لاتے۔ مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب پر چلنا یہ کیسے سب سے بڑا فرض ہو گیا؟ خان صاحب جیسے دو چار اور مجتہد اس دور میں پیدا ہو جاتے تو دین کا جو تھوڑا بہت نقشہ اب سامنے ہے یہ بھی کہیں باقی نہ رہتا۔

قبر پر اذان کا یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے؟

یوں تو یہ صحیح ہے کہ قبر پر اذان کا یہ سلسلہ خیر القرون میں کہیں نہ تھا۔ اسلام کی پہلی سات صدیوں میں یہ اذان کہیں نہ سنی گئی تھی۔ البتہ آٹھویں صدی کے علامہ ابن حجر مکی رح (۹۷۳ھ) نے اپنے فتاویٰ میں اسے بدعت لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صدی میں یہ بدعت رائج ہو چکی تھی۔

علامہ شامی رح (۱۲۵۲ھ) اپنے ہاں اسے میت کو قبر میں داخل کرنے کے وقت کا ایک عمل

بتاتے ہیں جو ان کے ہاں اس وقت رائج تھا۔ آپ امام ابن ہمامؒ کے بیان کردہ اصول (کہ قبروں پہ زیارت کے لیے جاؤ یا دعا کے لیے اور کسی کام کے لیے نہیں) کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وفی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارۃ الی انہ لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو معتاد الاٰن وقد صرح ابن حجرؒ فی فتاواہ بانہ بدعۃ۔[1]

ترجمہ۔ قبروں پر جو کام شریعت میں وارد ہوئے انہی پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت جو اذان دی جاتی ہے یہ اوپر سے کہیں منقول نہیں اور علامہ ابن حجر نے اپنے فتاوے میں تصریح کی ہے کہ قبر پہ اذان دینا بدعت ہے (شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے)۔

فتح القدیر کی یہ عبارت کہ قبر پر جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ مکروہ ہے بتلاتی ہے کہ یہاں سنت کے بعد مستحب یا مباح درجے کا کوئی عمل نہیں ہے۔ ورنہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) اسے مکروہ علی الاطلاق نہ کہتے۔ علامہ شامیؒ کا فتح القدیر کی اس عبارت پہ یہ ارشاد کہ اس میں اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا جیسا کہ آج کل رائج ہو چکا ہے ہرگز مسنون نہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قبر پہ اذان دینا مطلقاً مکروہ ہے۔ مسنون نہ ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید مستحب یا مباح کی راہ کھلی ہو۔ قبرستان میں اگر اذان جائز ہوتی تو خود نماز جنازہ کے لیے اذان کیوں نہ ہوتی۔

لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ ——— میں استحباب اور اباحت ہر ایک کی نفی ہے۔ سنت کے سوا یہاں پر عمل جو بھی اس کے نیچے تصور کیا جا سکتا ہے مکروہ ہے۔

سو متن درمختار کی یہ عبارت لایسن لغیرھا (کہ فرض نمازوں کے سوا اذان کہیں مسنون نہیں) فتح القدیر کی اس عبارت کی روشنی میں پڑھی جائے گی کہ اذان جہاں سنت میں منقول نہیں۔ وہاں اذان دینا مکروہ ہے۔ سو اذان علی القبر کا کوئی جواز نہیں۔

---

[1] ردالمحتار جلد ۱ ص ۶۵۹

علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں علامہ ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) سے ان مقامات کی ایک فہرست نقل کی ہے جہاں اذان دینا مسنون نہیں (مکروہ ہے) اور وہ یہ ہے :-

الوتر والجنازۃ والکسوف والاستسقاء والتراویح والسنن والروابت[1]

ترجمہ. وتر کے لیے (جب وہ رات کے پچھلے پہر پڑھے جائیں) جنازہ کے لیے چاند گرہن کے موقعہ پہ. بارش طلبی کی دعایں. تراویح میں اور سنن روابت میں اذان ہرگز مسنون نہیں (مکروہ ہے).

نماز جنازہ کے وقت اذان ہو یا قبر میں اُتارتے وقت یا دفن کرنے کے بعد جنازہ کے لیے کسی موقع پہ اذان دینا جائز نہیں علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ قبر پہ جو عمل سنّت سے ثابت نہیں وہ وہاں مکروہ ہے ہاں مولویوں کو اپنی اہمیت جتلانی پیشِ نظر ہو تو یہ امر دیگر ہے.

علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں :-

وفی فتح القدیر یکرہ عند القبر کل مالم یعھد من السنۃ و المعھود منھا لیس الا زیارتھا والدعاء عندھا قائماً کما کان یفعل صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع[2]

ترجمہ. حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں قبر کے پاس ہر وہ عمل مکروہ (قریب بحرام) ہے جو سنّت سے منقول نہ ہو اور منقول صرف زیارت ہے اور وہیں کھڑے کھڑے دعا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں کیا کرتے تھے.

مولویوں کے لیے ایک اور کام پیدا کرنے کی نیکی

بریلوی علماء اپنے حلقوں میں ایک یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب لوگ علماء سے تقریباً فارغ ہوتے جا رہے ہیں اور سوائے نکاح اور جنازہ کے یا مسجد کی اذان اور امامت کے ان کی

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار جلد ۱ ص۱۸۵ [2] ایضاً ص۲۸۳ نقلاً عن البحر

ضرورت اور کہیں نہیں سمجھی جاتی تو اگر قبر پہ اذان دینے اور ختموں وغیرہ کو بھی اسلام میں جگہ دینے کی یہ کوشش کی جائے تو اس اذان عند القبر سے عام لوگوں کی نگاہوں میں مردوں کے لیے ایک اور ضرورت پیدا ہو جائے گی جسے اس وقت کے صدمہ میں کوئی نظر انداز نہ کر سکے گا۔ سو یہ حلقہ علماء سے ایک نیکی ہے اور ان کی اس موقع پر ضرورت ثابت کرتے ہوئے ان مؤذنوں کے لیے ایک مالی امداد ہے اور مسلمان ایک دوسرے کی جس طرح بھی بن پڑے مدد کریں گے اور میت سامنے ہوگی تو کوئی مسلمان اس اذان عند القبر کا انکار نہ کر سکے گا۔

اس وقت اس مسئلہ کی اور تفصیل کی گنجائش نہیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے اصحاب النظر کے نام سے مولانا احمد رضا خاں کے رسالہ ایذان الاجر فی صلوۃ القبر کا نہایت مفصل اور مدلل جواب لکھا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے دونوں کی علمی حیثیت آپ کے سامنے آجائے گی اور آپ معلوم کر لیں گے کہ اعلیحضرت بس اپنے حلقے کے ہی اعلیحضرت ہیں۔

⑩ قبروں کو پکا بنانا اور وہاں کھانے لے جانا

پختہ عمارتیں اور کھانے پینے کی محفلیں اس زندگی کا نشان ہیں لیکن قبر فنا کا نشان ہے سو انہیں پختہ کرنا فطرت کے خلاف ہوگا یہ فنا میں بقا کے آثار پیدا کرنا ہے۔ دین فطرت اجازت نہیں دیتا کہ فنا پر بقا کے نشان قائم کیے جائیں اور قبروں اور مقبروں کو زندوں کی عمارات کی سی سج دھج دی جائے قبروں پر چھت بنانا بھی روا نہیں۔ ہاں چھت پہلے سے ہو اور اس کے نیچے قبر بنے یہ امر دیگر ہے۔ یہ بناء علی القبر نہیں قبر فی البناء ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں:۔

نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یقعد علیہ و ان یبنیٰ علیہ[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبر چونا لگا کر پختہ کی جائے اس پر بیٹھ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صـ۳۱۲

جائیں اور یہ کہ اس پر چھت بنائی جائے۔

امام الائمہ امام محمد (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں :-

ولا نری ان یزاد علیٰ ما خرج منہ ونکرہ ان یجصص او یطین..... ان النبیؐ نھی عن تربیع القبور وتجصیصھا قال محمد بہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃؒ! [۱]

ترجمہ ہم صحیح نہیں سمجھتے کہ زمین سے جو کچھ نکلا اس سے زیادہ قبر پر ڈالا جائے اور ہم مکروہ جانتے ہیں کہ اس پر پلستر کیا جائے یا لپائی کی جائے۔ حضورؐ نے اسے چوکور کرنے سے بھی منع کیا اور چونا لگانے سے بھی اور یہی ہمارا فیصلہ ہے۔

کھانے قبروں پہ لے جاتے

یہاں کے کھانے یہاں کے زندوں کے لیے ہیں اگلے جہان کے کھانے یہاں کے لیے نہیں وہ جدی نوع کے ہیں ان کا فضلہ نہیں بنتا۔ یہاں کی قبروں پر یہاں کے کھانے پینے کی چیزیں لے جانا اس کی کسی طرح دینِ فطرت سے مناسبت نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے جنازہ کے ساتھ ان کے پیرو جو دودھ لے گئے تھے اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ دودھ کہاں گیا۔ یہ بات بھی جائز نہیں سمجھی جا سکتی کہ قبر میں ہی کسی کونے میں رکھ دیا ہو گا۔ قبر پہ چھینٹا ہو یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ وصایا شریف کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں :-

ایک صاحب بوقت دفن بلا اطلاع دودھ برف خانہ ساز لے آئے۔ [۲]

اس سے یہ قرینہ چلا کہ دفن کے وقت یہ دودھ کا برف لایا گیا لیکن یہ پتہ نہیں ملا کہ وہ دودھ کہاں گیا۔ قبر کے کسی کونے میں رکھا گیا حضرت کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو ساٹھ سال سے اوپر ہو رہے ہیں مگر اب تک ہمیں اس کا پتہ نہیں دیا گیا۔

مولانا احمد رضا خاں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ یہ کھانے ہفتہ میں ایک دو بار

---

[۱] کتاب الآثار صفحہ ۴۹ روح المعانی جلد ۵ اص ۲۱۹ | [۲] وصایا شریف صفحہ ۸

بھیج دیا کریں. یہ ایصالِ ثواب کی تجویز نہیں ہو سکتی ان کھانوں کے بھیجنے کی تلقین ہے. وصایا شریف میں ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے عمدہ اور لذیذ کھانوں کی یہ فہرست مرتب فرمائی اور کہا :-

اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں. [1]

فوت شدگان کو ثواب تو بھیجا جا سکتا ہے یہ چیزیں کیسے بھیجی جا سکتی ہیں. کفن بھیجنے کی ایک ترکیب مولانا احمد رضا خاں نے یہ تجویز کی :-

ایک بی بی نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرا کفن ایسا خراب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے. پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے اس کے کفن میں اچھے کپڑے کا کفن رکھ دینا. صبح کو صاحبزادے نے اُٹھ کر اس شخص کو دریافت کیا معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور کوئی مرض نہیں تیسرے روز خبر ملی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے. لڑکے فوراً نیا عمدہ کفن سلوا کر اس کے کفن میں رکھ دیا اور کہا کہ یہ میری ماں کو پہنچا دینا. رات کو وہ صالحہ خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا خدا تمہیں جزائے خیر دے تم نے بہت اچھا کفن بھیجا. (ملفوظات مولانا احمد رضا خاں جلد ا ص۱۰۶)

چیزیں بھیجنے کا یہ عمل ان چیزوں کو ضائع کرنا ہے. کیا اس سے بہتر یہ نہیں تھا کہ کسی مسکین کو اس کے کپڑے بنا دیئے جاتے.

مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ جو دودھ کا برف خانہ ساز بھیجا گیا تھا اُسے پڑھ کر ہمارے برما کے ایک دوست نے ہمیں ایک اطلاع دی کہ یہ بدعت بریلویوں کی اپنی بنائی نہیں بلکہ

---

[1] ایضاً

یہ عمل صدیوں سے چینیوں میں چلا آرہا ہے بریلویوں نے یہ عمل چینیوں سے لیا ہے ہمارے وہ دوست ایک خط میں لکھتے ہیں:

ہم نے بذاتِ خود چینیوں کے کئی جنازے دیکھے ہیں برما میں چینی قوم ایک بڑی تعداد میں آباد ہے اُن کے جب کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو تین دن آنے جانے والوں کی ضیافت ہوتی ہے تیسرے دن میت کو قبرستان میں لے جاتے ہیں اور مرنے والے کی مرغوب غذاؤں کی ایک لمبی قطار جنازہ کے پیچھے پیچھے بھیجی جاتی ہے یہ چیزیں قبرستان تک میت کے ساتھ ساتھ جاتی ہیں اور وہاں رکھ دی جاتی ہیں ... الخ

یہیں سے بریلویوں کے تیجے کا مسئلہ بھی سمجھ میں آگیا علامہ البیرونی نے کتاب الہند میں تیجے کو ہندوؤں کی ایک مذہبی رسم قرار دیا ہے لیکن ہمیں برما کے اس واقف حال دوست نے بتایا کہ ہندوستان میں بھی یہ رسم چینیوں سے گئی ہوگی۔ یہ بات ہمیں ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی کہ مولانا احمد رضا خاں کا چینیوں سے کیا تعلق تھا جو اُن کے تیجے کے عمدہ کھانوں پر انھوں نے برّ صغیر پاک و ہند میں اپنے پیروؤں کو ایک لمبی فہرست کے اعلیٰ اور عمدہ کھانوں پر جمع کر دیا۔ چینی تو سانپ بھی کھاتے ہیں تو کیا بریلوی بھی سانپ کھانے پر آجائیں گے

(۱۱) قبروں پر سجادہ نشین اور مجاوروں کے ڈیرے

قبروں کے پکا ہونے نے معاشرے میں خاندانی سجادہ نشینوں کا ایک طبقہ لا بٹھایا۔ صاحبزادگان نے وہاں کی رونقوں سے پورا فائدہ اُٹھایا اور مجاوروں نے اپنے خفیہ کاروبار چلائے۔ علماء حق نے اگر کہیں ان بدعات سے روکا تو بریلوی علماء نے ان سجادہ نشینوں اور مجاوروں کو پورا تحفظ دیا۔ جب تک پولیس نہ آئے وہاں ہر طرح کے جرائم کو پناہ مل جاتی ہے اور عام بریلوی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ والے ہیں جن کے سائے میں گنہگاروں کی پردہ پوشی ہوتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے تو ان سب کو خبیث لوگ کہہ کر اپنی ذمہ داری پوری کر دی لیکن بریلوی علماء کبھی ان عرسوں پر ہونے والی کارروائیوں کے خلاف زبان نہیں کھولتے اور وہ کھولیں بھی کیوں کہ مجاوروں نے انہیں بُلا کر

عرسوں میں تقریریں کرا کر اور ان کی جیبیں گرما کر ان کے گلے پر حلوے کا سیمنٹ لگا رکھا ہے۔

(۱۲) مزاروں پر غلط قسم کا کاروبار

بزرگوں کے مزاروں پر کیا کچھ ہوتا ہے اسے آپ مولانا احمد رضا خاں کے حوالے سے ملاحظہ کر چکے۔ حضرت احمد بدوی کے مزار سے حضرت سیدی عبد الوہاب کو جو آواز آئی تھی کہ اس کنیز کو فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو اسے بھی آپ نے ملفوظات کے حوالہ سے سُن لیا۔ اب یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ حجروں کی یہ آوازیں ابھی تک باقی ہیں اور بہت سی قبروں پہ یہ کاروبار جاری ہے۔

ایک صحافی جو بھیس بدل کر ایک دربار پہ رہا

ان عرسوں پر عورتوں کی حاضری کے جو مفاسد سامنے آئے ہیں کیا آپ نے کبھی ان پہ غور کیا۔ ایک صحافی حضرت علی ہجویری کے مزار پہ بھیس بدل کر گیا اس نے وہاں کیا دیکھا؟

روزنامہ پاکستان کا فیچر رائٹر انور جاوید ڈوگر نے فقیر اور پیر کے روپ میں لاہور میں داتا دربار پہ سات روز گزارے اور انہوں نے وہاں بھی اضافی کمروں کی یہی صدائے بازگشت سُنی، انہیں بتایا گیا تھا کہ داتا دربار پہ گھومنے والی لڑکیوں کو اگر کوئی نوٹوں کا لفافہ پکڑا دے تو وہ اس دل کھونے کو فوراً سمجھ جاتی ہیں۔ ڈوگر صاحب نے یہی کیا اور ایک رقم ایک لڑکی کے ہاتھ میں تھما دی اُس نے کیا کیا اُسے آپ روزنامہ پاکستان کے سنڈے ایڈیشن میں بہ عنوان "ہم بنے داتا کے ملنگ" خود پڑھ لیں ۲۹ اگست کے سنڈے پاکستان کے صفحہ ۱۴ پر دوسری تیسری سُرخی یہ ہے۔

"اب بتایئے کہاں چلنا ہے؟ آپ کے پاس جگہ ہے یا میں کسی کمرے کی چابی حاصل کروں؟" وہ رقم پکڑ کر بولی، میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس لمحے میں

ضمیر کا مجرم بنا کھڑا تھا۔

آپ نے دیکھا مولانا احمد رضا خاں کے ذکر کردہ حجرے کی یاد داتا کے ملنگ کو کس مقام پر لے آئی اس میں اس لڑکی کی یہ بات کہ کیا میں کسی کمرے کی چابی حاصل کروں بتاتی ہے کہ کمروں کی یہ چابیاں ان لڑکیوں کے پاس نہیں ہوتیں جو خادم ان کمروں کے انچارج ہوتے ہیں لڑکیوں کو چابی وہ دیتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے مذکورہ الفاظ کہ فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو بھی لائق شرم ہیں اور داتا دربار کی اس زائرہ کے الفاظ کہ میں کس کمرے کی چابی حاصل کروں اور زیادہ لائق شرم ہیں اور یہ سب کھیل مذہب کے مقدس پردہ کے پیچھے کھیلا جارہا ہے۔

پاؤڈر بیچنے والے بھی ان حلقوں میں بہت ملیں گے اور کئی چور اور ڈاکو اور چھپے قاتل ان درگاہوں میں مولا علی کے ملنگ بیٹھے کسی گھناؤنے کاروبار میں مصروف نظر آئیں گے اور جو ان پر ذرا انگلی اٹھائے اس پر علی الفور وہابی ہونے کا فتوے لگ جائے گا۔

(۱۴) مرید عورتیں پیروں کی باندیاں

مرید عورتوں کا پیر سے رشتہ کتنا مخلصانہ اور گہرا کیوں نہ ہو اس پر شریعت کی پوری گرفت قائم رہنی ضروری ہے۔ طریقت شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ نہیں اس کے ماتحت ہے شریعت میں پیر سے پردہ واجب ہے۔ یہاں مرید عورت باندی کے درجے میں نہیں ہے کہ پیر ان پر قرآن کا یہ حکم جاری کرے:۔

والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ماملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین۔ (پ۱۸ المومنون ۶)

ترجمہ۔ وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں یہ حکم بیویوں اور باندیوں کے بارے میں نہیں ہے۔ ان کے بارے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔
مگر افسوس کہ بریلوی علماء ان مرید خواتین کو پیروں کی باندیاں قرار دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے زنانخانہ میں پیر صاحب کی اچانک آمد

عام طور پر پیر صاحبان کی ایسی آمد کا کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب زنانخانہ میں داخل ہوئے لیکن کبھی چل بھی جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک سید صاحب غلطی سے مولانا احمد رضا خاں کے زنانخانہ میں چلے گئے۔ سید صاحب نے جب معذرت کی تو مولانا احمد رضا خاں نے فرمایا۔ مریدوں کی یہ عورتیں سب پیروں کی باندیاں ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں :-

حضرت یہ سب آپ کی باندیاں ہیں۔ آپ آقا (مالک) اور آقا زادے ہیں معذرت کی کیا حاجت ہے میں خوب سمجھتا ہوں حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں۔[1]

مریدوں کی بیویاں شرعاً باندیاں نہیں ہوتیں نہ ان سے باندی والے معاملات جائز ہیں افسوس قوم کی وہ بیٹیاں جنہیں ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا مولانا احمد رضا خاں نے ایک فتوے کی جبت میں انہیں باندیاں بنا دیا اور اپنے گھر پیروں کے لیے کھول دیئے۔

---

[1] ماہنامہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر ص ۳۲۷

⑭ جنازہ دیکھتے کھڑے ہو جانا

بریلوی اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ کسی بزرگ کا جنازہ نکلے تو عوام کا فرض ہے کہ اسے دیکھتے کھڑے ہو جائیں۔ اُن کے ہاں جب زندہ بزرگوں کے لیے قیام تعظیمی کیا جاتا ہے تو اُن کے جنازے کے لیے قیام تعظیمی کیوں نہ کیا جائے اپنے اس موقف کی تائید میں بریلوی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رایتم الجنازہ فقوموا فمن تبعها فلا یقعدن حتی توضع ۔ جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۴

(ترجمہ) جب تم کسی جنازہ کو آتے دیکھو تو دیکھتے کھڑے ہو جاؤ جو اس کے پیچھے چلے وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک (چارپائی) زمین پر نہ رکھ دی جائے

فقال ابو عیسیٰ حدیث ابی سعید فی ھذا الباب حدیث حسن صحیح وھو قول احمد و اسحاق قالا من تبع الجنازہ فلا یقعد حتی توضع عن اعناق الرجال

یہ امام احمد اور امام اسحاق کا مسلک ہے۔

ہم اس مسئلہ میں امام احمد اور امام اسحاق کے مسلک پر نہیں ہیں کاش بریلویوں نے اس مسئلہ میں بھی حنفی مذہب بھی معلوم کیا ہوتا۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) کے موطا میں اس پہ ایک مستقل باب ہے۔ باب القیام للجنازہ اور اس میں یہ حدیث روایت کی ہے۔

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم للجنازہ ثم جلس بعد قال محمد و بھذا ناخذ لا نری القیام للجنازہ کان ھذا شیاء فنزک وھو قول ابی حنیفہ ۔ (موطا امام محمد ص ۱۶۸)

(ترجمہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے لیے کھڑے ہو جاتے پھر اس کے بعد بیٹھ جاتے (امام) محمد کہتے ہیں یہی ہمارا موقف ہے ہم جنازہ کے لیے کھڑے ہونے کا نہیں کہتے ایسا کچھ وقت کے لیے تھا پھر اُسے چھوڑ دیا گیا اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

امام ترمذیؒ حضرت علیؓ کی اس حدیث کا حاصل ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

ومعنی قول علی قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنازہ ثم قعد یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقوم اذا رای الجنازۃ ثم ترك ذلك بعد فکان لا یقوم اذا رای الجنازۃ [1]

(ترجمہ) حضرت علیؓ کا یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے پھر بیٹھ جاتے اس کا معنی یہی ہے کہ ایسا پہلے ہوتا تھا پھر آپ نے اسے چھوڑ دیا پھر آپ جنازہ دیکھتے کھڑا نہ ہوا کرتے تھے۔

پھر یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ یہ کھڑا ہونا کسی مسلمان کے لیے اعظاماً ہوتا تھا یا کسی کافر کا جنازہ بھی ہو تو یہ کھڑا ہونا بطورِ اظہارِ افسوس ہو سکتا تھا۔

ان للموت فزعًا فاذا رأیتم جنازۃ فقوموا۔ [2]

ترجمہ: موت پر ایک گھبراہٹ ہے سو جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو ٹھہر جایا کرو

صحیح بخاری میں حضرت جابر سے مروی ہے۔

مرّ بنا جنازۃ فقام لها النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقمنا فقلنا یا رسول اللہ انها جنازۃ یهودی قال فاذا رایتم الجنازۃ فقوموا [3]

حضرت سہل بن حنیف کہتے ہیں آپ نے فرمایا الیست نفسًا (کیا وہ یہودی جان نہیں) [4]

حضرت عبداللہ بن عمرو کی ایک روایت میں ہے انما قمنا اعظامًا للذی یقبض [5]

ہم حیران ہیں کہ جنازہ کے اس قیام سے بریلویوں نے یہ بات کہاں سے نکال لی کہ یہ عمل بزرگوں کے جنازہ کے لیے ہے اور پھر اس سے یہ لوگ تعظیمی قیام ثابت کرنے لگے ہیں۔

---

[1] جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲ [2] صحیح ابن حبان جلد ۵ ص ۲۳ [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۷۵ [4] ایضاً ص ۱۷۵ [5] صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۲۴

قبروں پر چراغاں کرنا

بریلویوں نے یہ غلط عقیدہ اختیار کر رکھا ہے کہ قبروں پر جو چراغ جلائے جاتے ہیں انکی روشنی قبر کے اندر پہنچتی ہے اور سینکڑوں جہلا ایسے گذرے جو ان مزارات پر تیل کی نذریں مانتے رہے کبھی ان مجاوروں سے پوچھو جو اس تیل کو جمع کرتے رہے ہیں اور ہر ماہ اسے بیچ کر اچھی خاصی رقم حاصل کرتے ہیں اور جو شریف آدمی ان مزاروں پر تیل چڑھانے سے روکے اسے بزرگوں کا گستاخ سمجھتے ہیں۔

بزرگانِ دین کی قبریں ان کے نورِ ایمان سے روشن ہیں انہیں باہر کے چراغوں کی ضرورت نہیں۔ باہر اگر روشنی کی جائے تو یہ صرف زائرین کی مدد کے لیے ہو سکتی ہے صاحبِ مزار کی مدد کے لیے نہیں وہ اس باہر کی روشنی سے مستغنی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں :-

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج۔[1]

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو بار بار قبروں پر جائیں اور ان مردوں پر جو وہاں جاکر نمازیں پڑھیں (کہ ان نمازوں سے انہیں سکون ملتا ہے) اور وہاں چراغاں کریں۔

---

[1] رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی مشکوٰۃ صلے

⑥ ایصالِ ثواب میں پیدا کی گئی بدعات

ایصالِ ثواب برحق ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب فوت شدگان کو پہنچتا ہے بشرطیکہ ۱۔ اس دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوئے ہوں۔ ۲۔ زندوں نے وہ عمل اخلاص سے کیے ہوں۔ ۳۔ اس عمل میں انفاق مال ہو تو وہ مالِ حلال ہو۔ ۴۔ عمل وجود میں آئے تو پھر اس کا ایصال ہو۔

پہلی شرط کہ غیر مومن کو کوئی نیک عمل ایصال نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صرف اللہ کے علم میں ہے کہ کسی کا ایمان پر خاتمہ ہوا یا نہیں۔ اس لیے ہم اس پر سر دست کچھ نہیں کہتے۔

دوسری شرط کہ زندوں نے وہ عمل اخلاص سے کیا ہو۔ اس میں رضائے الٰہی مطلوب ہو اُجرت لینا پیش نظر نہ ہو اسے بریلویوں کی عملی حلقوں میں دیکھیں کیا طالب علموں کی پارٹیاں مدارس اور مساجد سے قرآن خوانی کے لیے نہیں بھیجی جاتیں اور ان طلبہ کی اس پر مالی خدمت نہیں کی جاتی اور کیا کئی لوگ ان مجلسوں میں صرف کھانے کے لیے ہی نہیں آتے۔ اب خود اندازہ کریں کہ ان کے اس عمل میں اخلاص اور رضاء الٰہی کی طلب کہاں تک ہوتی ہوگی۔

تیسری شرط کہ ایصالِ ثواب میں انفاق مال، مال حلال سے ہو اس شرط پر کہاں تک عمل ہوتا ہے اسے تیجے دسویں اور چالیسویں کے موقع پر دیکھیں کہ مرحوم کا مال ابھی وراثت میں نہیں آیا اس کے کمسن یتیم بچے اذن دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں مگر بریلوی مولویوں کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ختم کی تمام اشیاء اس ایک بیوہ اور یتیموں کے مال سے آ رہی ہیں۔ کیا یہ مالِ حلال پر ایصالِ ثواب ہو رہا ہے۔

چوتھی شرط کو دیکھیے کہ کھانا ابھی کسی مسکین و محتاج کے حلق سے نہیں اترا ابھی وہ مولوی صاحب کے سامنے دھرا ہے۔ یہ نیک عمل کہ کوئی مستحق اسے کھائے ابھی وجود میں نہیں آیا۔ ختم پڑھ کر اس عمل کا ایصالِ ثواب کیا جا رہا ہے جو ابھی سرے سے واقع نہیں ہوا۔ کھانا کھلا کر دعا ہوتی تو بے شک ایک عمل کا ایصالِ ثواب تھا لیکن اب یہ ختم ایک ڈرامہ بازی کے سوا اور کیا درجہ رکھتا ہے اسے آپ سوچیں

یہ ختم قبل از ختم کیسا؟ کھانا بھی وہیں دھرا ہے اور پورے مجمع میں آواز لگادی جاتی ہے "ختم ہو گیا"، اتنا تو بے شک ختم ہو گیا جو مولوی صاحب کے برتنوں میں ڈال دیا گیا لیکن باقی تو وہیں دھرا ہے کسی مسکین کے گلے سے ایک لقمہ نہیں اترا مگر مولوی صاحب کا اعلان سنیے "ختم ہو گیا"، اور حیرت کا سر دھنیے۔

ایصالِ ثواب کا نام شرعی الفاظ میں تھا اسے یہ ختم کا نام کیوں دیا گیا تاکہ انسانوں کا شعور اسی اسی میں کھو جائے کہ یہ ختم سے پہلے ختم کیسا۔ اسے اگر کوئی اور نام دیا جا سکتا ہے تو یہ کہ اہل میت کے ہاں دعوتیں کیسے اڑائی جائیں اسے ہم آگے بیان کریں گے۔ یہاں آپ ان چند بدعات کا بھی مطالعہ فرمالیں۔

① ایصالِ ثواب کے لیے تاریخوں کا تعیّن

کسی تاریخ کا تعین برائے انتظام یہ عمل ہرگز محل اعتراض نہیں۔ کسی تاریخ کو کسی کام کے لیے باعثِ فضیلت سمجھنا یہ اپنی طرف سے دین میں اضافہ کرنا ہے۔ عید کے دن کو باقی دنوں پر خدا نے فضیلت دی ہے۔ مہینوں میں رمضان کو خدا نے فضیلت دی ہے۔ جگہوں میں مسجد کی جگہ کو خدا نے فضیلت دی ہے۔ یہ فضیلت دینا کسی انسان کا کام نہیں جو پیدا کرے اسی کا حق ہے کہ کسی چیز کو اس کے دوسرے ابنائے جنس پر برتر کردے۔ کسی وقت کو دوسرے اوقات پر فضیلت دینا یہ کسی کے اپنے اختیار میں نہیں:۔

وربك يخلق ما يشاء ويختار ما كان لهم الخيرة سبحان الله وتعالىٰ عما يشركون. (پ۲۰ القصص ٦٨)

ترجمہ اور تیرا پروردگار جو چاہے پیدا کرے اور جسے چاہے چن لے کسی کو فضیلت دینا کسی کے بس میں نہیں۔ وہ پاک ہے اس سے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں

بریلوی مولویوں نے قمری مہینے کی گیارہ تاریخ کو اعتقادی فضیلت دے رکھی ہے۔ نتیجے

دسویں اور چالیسویں کو بھی وہ اعتقادی فضیلت دیتے ہیں اور پھر ہر ۱۲ ربیع الاول کو وہ اسی طرح ایک خوشی کا دن بتاتے ہیں، جب حضورؐ پیدا ہوئے تھے یہ دنوں کا تعین ان کی اپنی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں فضیلت کی سالانہ گردش نہیں دی. علامہ شامی لکھتے ہیں :-

ان تخصیص الذکر بوقت لم یرد به الشرع غیر مشروع .[1]

ترجمہ. بیشک ذکر کو کسی وقت کے ساتھ خاص کرنا جس پر دلیل وارد نہیں ناجائز ہے.

مولانا احمد رضا خاں کہتے ہیں :-

جب چاہیں کریں انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے.[2]

② ایصالِ ثواب میں مختلف کھانوں کا تعیّن

بریلویوں کے ہاں حضرت شیخ عبدالحق کے ختم میں سہمنی (روٹی) شاہ مدار کے ختم میں مالیدہ. شیخ سدو کے گلگلے. بوعلی قلندر کے ختم میں پاپے. گیارہویں شریف میں کھیر اور دیگر کئی مختلف الانواع کھانوں میں ممتاز ہیں. مولانا احمد رضا خاں نے اپنے لیے اکیس کھانوں کی فہرست مرتب فرمائی جو وصایا شریف میں درج ہے. کھانوں کی مقدار طے نہیں مولانا احمد رضا خاں سے سوال کیا گیا :-

مسئلہ. میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہیئے اگر چھوہاروں پر فاتحہ دی جائے تو ان کا کس قدر وزن ہو.

الجواب. کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں اتنے ہوں جن میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے.[3]

ایک چھوہارا اگر نصف تولے کا ہو تو بریلویوں کے ہر تیجہ میں دس من، ۳ سیر آٹھ چھٹانک چھوہارے ضروری ہیں.

ایصالِ ثواب کے لیے مختلف کھانوں کا تعیّن کتاب وسنت میں کہیں نہیں مولانا محمد عمر اچھروی نے مقیاس حنفیت میں جو

---

[1] ردالمحتار جلد ۱ ص ۷۷۰ [2] فتاوے رضویہ جلد ۲ ص ۴۳ [3] عرفان شریعت حصہ اول ص ۳

باب باندھے ہیں یہ ان کے اپنے پسند کے باب ہیں شریعت میں یہ سب تعینات بدعات ہیں۔

ایصال ثواب کے مختلف دن مقرر کرنے کی حکمت

بریلوی مولویوں نے ایصالِ ثواب کے لیے جو تیسرے دن ساتویں دن دسویں دن اکیسویں دن اور چالیسویں دن کی تعیین کی وہ اس لیے کہ انہیں دعوت نما کھانے مسلسل بھیجتے رہیں ختم کے یہ دن جمعرات کے علاوہ ہیں۔ پھر محلے میں ایک ہی کے دن تو نہیں چلتے دو تین گھروں کے دن آپس میں اس ترتیب سے چلتے ہیں کہ مولوی صاحبان کو کبھی گھر میں کھانا پکانے کی ضرورت نہیں پڑتی اگر دنوں کی یہ تعیینات نہ ہوتیں تو ایصالِ ثواب کے کھانے اس طرح سنبھالے نہ جا سکتے۔

شامی میں ہے:۔

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم [1]

ترجمہ۔ پہلے تیسرے اور ساتویں دن کھانا پکانا اور کھانے ان خاص دنوں میں مقبروں پر لے جانا مکروہ ہے۔

حضرت علی متقی (ھ) بدعات تعزیت کے ذیل میں تیجے کی رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ان ھذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصًا لیس فیہ فرضیۃ ولا فیہ وجوب ولا فیہ سنۃ ولا فیہ استحباب ولا فیہ منفعۃ ولا فیہ مصلحۃ فی الدین بل فیہ طعن ومذمۃ وملامۃ علی السلف..... فیکون حرامًا لتضمنہ ھذا القبائح۔ [2]

ترجمہ۔ یہ خاص طور پر تیسرے دن کا اجتماع اس کی نہ فرضیت ہے نہ وجوب اور نہ سنیت اور اس میں استحباب بھی نہیں اس میں نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کی کوئی بہتری بلکہ اس میں سلف پر طعن ان کی برائی اور ان پر ملامت ہے سو یہ عمل ان قبائح پر مشتمل ہونے کے باعث حرام ٹھہرے گا۔

[1] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۸۴۲ [2] ماخوذ از تفہیم المسائل صفحہ ۱۶۲

خاص خاص تاریخوں پر خاص خاص اعتقاد

بریلوی علماء نے ہر قمری ماہ کی گیارہ تاریخ کو الٰہی برکت سے متبرک سمجھ رکھا ہے اور دیہات کے جاہل لوگوں میں یہ بات اتنی عام پائی جاتی ہے کہ مجال ہے گیارہ تاریخ کو کوئی گوالہ دودھ لے کر کسی دوکان پر آجائے۔ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جو بھی اس دن کا دودھ گیارہویں شریف کی کھیر میں نہ دے گا اس کی کوئی نہ کوئی بھینس مر جائے گی بھینس کو مارے گا کون؟ اس میں بریلویوں کے دو قول ہیں۔ ایک عوام کا اور ایک ان کے بڑے مولویوں کا — عوام کہتے ہیں کہ حضرت پیرانِ پیر بھینس کو مار دیتے ہیں اور مولوی کہتے ہیں حضرت اس مزاج کے نہیں کہ یونہی بھینسوں کو مارتے پھریں یہ کام ان کا کوئی نائب کرتا ہوگا۔

خیال کیجیے جس عمل کو یہ خود صرف مباح کہتے تھے اس کا التزام اور اس پر اصرار انہیں کہاں سے کہاں لے آیا۔ دنوں میں سے کسی خاص دن کو چن لینا اور اس کی فضیلت کا عقیدہ بنا لینا یا کسی دن کو اپنی طرف سے نحوست قرار دے دینا اور خود ہی بعض کاموں کے لیے بعض کا تعین لازم ٹھہرا لینا یہ عجب اعتقاد ہے جو بریلویوں کے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کا منگل کے بارے میں عقیدہ

ہندوؤں کے ہاں منگل کا دن نحس سمجھا جاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ بھی تھا کہ منگل کے دن کوئی کپڑا نہ کاٹنا چاہیئے اس میں برکت نہ رہے گی۔ آپ نے فرمایا۔

جو کپڑا منگل کے دن قطع ہو وہ جلے گا یا ڈوبے گا یا چوری ہو جائے گا۔[1]

[1] ملفوظات حصہ ۲ ص۴۷

یہی وجہ ہے کہ بریلوی منگل کے دن کبھی حجامت نہیں بنواتے کہ اب یہ سر قطع ہو گا۔ یا جلے گا یا ڈوبے گا۔

ایصالِ ثواب کے لیے جمعرات کا انتخاب

ایصالِ ثواب کے لیے جمعرات کو خاص فضیلت دینا جیسا کہ بریلویوں نے عام دے رکھی ہے یہ ان کی اسی سوچ کا نتیجہ ہے۔ شب برات اگر کبھی جمعرات کو آجائے تو ان کے مولویوں کے چہرے اکثر غمگین ہوتے ہیں کہ ہمارا ایک ختم مارا گیا۔

گیارہویں کے لیے چاند کی گیارہ کا انتخاب

ایصالِ ثواب کے لیے سب دن برابر تھے لیکن معلوم نہیں کہ ان مولویوں کو گیارہ تاریخ زیادہ کیوں پسند ہے۔ کیا اس لیے تو نہیں کہ گیارہ کے عدد میں ایک کے برابر ایک کھڑا ہے۔ انہیں اس میں شرک کی ایک جھلک دکھائی دی کہ گیارہ (۱۱) کی وضعی صورت اس طرح ہے اور یہ بریلویوں کو بہت پسند ہے۔

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم ان کے گیارہویں شریف کے ختم کو یہاں کچھ تفصیل سے بیان کریں اور اسے اس کے تاریخی پس منظر کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کریں۔

کسی نے ہم سے پوچھا تھا کہ بڑی گیارہویں کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ ہم نے کہا یہ دونوں لفظ (۱) بڑی اور (۲) گیارہویں عربی کے نہیں ہیں اور عرب ممالک میں یہ ہوتی ہی نہیں کہ اس کے لیے کوئی اصطلاح وجود میں آئی ہو۔ مجبوراً ہم اسے گیارہویں شریف کے عنوان سے ہی ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

اہل میت کے ہاں دعوتیں اُڑانا

جن کے ہاں ماتم ہو جائے ان کے عزیز و رشتہ دار بلکہ ہمسائے انہیں کھلاتے ہیں۔ ان کے پاس سے کھاتے نہیں۔ ان پر صدمہ طاری ہوا ہوتا ہے۔ انہیں کھانا پکانے کا ہوش نہیں ہوتا اور نہ انہیں اس ضرورت میں ڈالنا چاہیئے۔

علماء سوء نے ان پر دعوتوں کا عجیب بوجھ ڈال رکھا ہے۔ پہلے تیسرے دن ایک کھانے پینے کی مختصر دعوت ہوتی ہے۔ قل شریف کے نام سے حاضرین اور ہمسائے اور مولوی صاحبان پھل فروٹ وغیرہ کے گرد خوب اہتمام سے جمع ہوتے ہیں اور گھر والے اپنی میت کی محبت میں ان کو خوب کھلا پلا رہے ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کھانے گویا مُردے ہی کھا رہے ہیں اور واقعی مُردے ہی کھا رہے ہیں۔

دسویں دن پر ایک ایسی مجلس ہوتی ہے۔ پھر اکیسویں دن اس ماتم والے گھر میں کھانے کی ایک اور دعوت اڑائی جاتی ہے اور پھر کچھ دنوں بعد چہلم کا دن آجاتا ہے۔ دیگیں پکتی ہیں۔ شادی کی مجلسوں کی طرح خیمے لگتے ہیں۔ اعزہ و اقارب اور ہمسائے اور دوست، اغنیاء اور حکام کے درجے کے لوگ بھی جمع ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب ختم پڑھتے ہیں اور پھر سب لوگ کھانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے فوجی دشمنوں پر۔ بعض کا کام وہیں ہو جاتا ہے اور بعض گرفتار کر لیے جاتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غموں کو اس طرح دعوتوں کی مجلسیں بنانا کیا دینِ فطرت میں جائز ہو سکتا ہے؟ دعوتیں تو خوشیوں میں ہوتی ہیں۔ یہ علمائے دستر خوان انہیں غموں میں کیسے لے آئے ہیں؟

فقہائے اسلام تو صدیوں پہلے اس کے جواب سے فارغ ہو چکے ہیں۔ امام فن قاضی خاں (۵۹۲ھ) لکھتے ہیں:-

ویکرہ اتخاذ الضیافة فی ایّام المصیبة لانّھا ایام تاسف فلا یلیق بھا ما کان للسرور[1]

---

[1] فتاوٰے قاضی خاں جلد ۴ ص ۷۹۱

ترجمہ۔ اور غم کے دنوں میں مہمان نوازی کا کھانا دعوت اڑانا مکروہ ہے کیونکہ وہ افسوس کے دن ہیں، وہاں وہ کام اچھے نہیں لگتے جو خوشیوں کے موقع پر ہوتے ہیں۔

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

الطعام فی ایام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشهر السادس والسنة بدعة ممنوعة۔[1]

ترجمہ۔ خاص دنوں میں کھانے کی دعوت کرنا جیسے تیجا، پانچواں، نواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی یہ سب بدعت ممنوعہ ہیں۔

اب آٹھویں صدی میں چلیے۔ علامہ ابن امیر الحاج (۷۳۷ھ) لکھتے ہیں:۔

اما اصلاح اهل المیت طعاما وجمع الناس فلم ینقل فیه شیئ وهو بدعة غیر مستحب۔[2]

ترجمہ۔ اہل میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کو (اس پر) جمع کرنا یہ (سلف سے) منقول نہیں اور یہ بدعت ہے جو پسندیدہ نہیں۔

اب نویں صدی میں چلیں اور دیکھیں اکابر علماء اسلام نے ہر دور میں اسے بدعت کہا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة۔[3]

ترجمہ۔ اور اہل میت کے ہاں کھانے کی دعوتیں اڑانا جائز نہیں ان کی اجازت خوشیوں میں ہے صدموں میں نہیں اور یہ بڑی بُری بدعت ہیں۔

دسویں صدی کے علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) لکھتے ہیں:۔

---

[1] شرح منہاج [2] المدخل جلد ۳ صفحہ ۲۷۵ [3] فتح القدیر لابن الہمامؒ جلد ا صفحہ ۴۷۳

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الحزن قالوا وھی بدعۃ مستقبحۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور اہل میت کی طرف سے کھانے کی دعوت مکروہ ہے یہ خوشیوں کے موقع کا عمل ہے غم کے موقع کی بات نہیں۔ فقہاء کہہ چکے ہیں کہ یہ بڑی قبیح بدعت ہے۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) مذہب حنفی کا فیصلہ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

قرر اصحاب مذھبنا من انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع۔[2]

ترجمہ۔ ہمارے اصحاب نے طے کر رکھا ہے کہ (اہل میت کا) پہلے تیسرے اور دسویں دن کھانے کی دعوت کرنا مکروہ ہے۔

ملا علی قاریؒ نے ایک حدیث کی بنا پر پہلے اپنے اہل مذہب سے کچھ خفیف سا اختلاف کیا تاہم آخر میں آپ پھر اپنے اصحاب کے مذہب پر آگئے۔ شرح نقایہ آپ کی آخری تصنیف ہے۔ اس میں

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیّت لانہ شرع فی السرور لا فی ضدّہ وھی بدعۃ مستقبحۃ۔[3]

ترجمہ۔ اور اہل میت کی طرف سے دعوتِ طعام مکروہ ہے دعوتیں خوشیوں میں ہوتی ہیں صدموں میں نہیں۔ یہ بدعت قبیحہ ہے۔

اب گیارہویں صدی کے محدث حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) سے سُن لیجیے۔

عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است ..... اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام۔[4]

ترجمہ۔ قرون مشہور لہا بالخیر میں یہ طریقہ نہ تھا کہ میت کے لیے اکٹھے ہوں اور قرآن کریم

---

[1] کبیری ص۶۰۹ [2] مرقات جلد ۵ ص۴۸۲ [3] شرح نقایہ جلد ا ص۱۴۰ [4] مدارج النبوۃ جلد ا ص۴۲۲

پڑھیں اور قبروں پر آکر یا کسی دوسری جگہ ختم پڑھیں۔ یہ سب کام بدعت ہیں ..... یہ خاص تیسرے دن کا اجتماع اور دوسرے تکلفات اور مرحوم کی وصیت کے بغیر یتیموں کے مال سے دعوتیں اڑانا بدعت اور حرام ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب بھی لکھتے ہیں۔

مخدوما: طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم وریا وثواب آں بمیت گزرانیدن خوب است و عبادت بزرگ اما برائے تعیین وقت اصل معتمد علیہ ظاہر نمے شود و روز سوم گل دادن بروان بدعت است۔[1]

مخدوم! اللہ تعالیٰ کے نام پر بغیر رسم ٹھہرائے اور بغیر دکھاوا کے (غریبوں کو) کھانا کھلانا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا اچھی بات اور بڑی (مالی) عبادت ہے لیکن اس کے لیے کوئی وقت مقرر ٹھہرانا اس کے لیے شریعت میں کوئی اصل جس پر اعتماد کیا جا سکے نہیں ملتی۔ اور تیجے پر پھول لانا بدعت ہے۔

اب حضرت علامہ شامیؒ کا فیصلہ بھی سن لیں۔ آپ حدیث جریر پر اعتماد کرتے ہیں۔

استدلالاً بحدیث المذکور علی الکراھۃ ولاسیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب مع قطع النظر عما یحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع و القنادیل .... واخذ الاجرۃ علی الذکر وقرأۃ القرآن وغیر ذلک مما ھو مشاھد فی ھذہ الازمان وما کان کذلک فلا شک فی حرمتہ وبطلان الوصیۃ بہ۔[2]

ترجمہ۔ اہل میت کے ہاں سے کھانا حدیث مذکور کی بنا پر مکروہ ہے خصوصاً جبکہ کچھ وارث نابالغ ہوں یا کوئی وارث غائب ہو۔ قطع نظر ان بہت سی منکرات کے جو ایسے موقع پر کی جاتی ہیں جیسے شمعیں اور قندیلیں جلانا ..... اور ذکر اور قرآن خوانی پر اُجرت لینا وغیرہ جو آج کل ہمارے مشاہدہ میں آرہی ہیں اور جو اس طرح کا عمل ہو اس کے حرام

---

[1] مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصومؒ مکتوب ۱۱ [2] ردالمختار جلد ۲ ص ۲۴۱ طبع قدیم

ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کی وصیت بھی ہو تو یہ وصیت باطل ہے۔

نقشبندی سلسلے کے شیخ کبیر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کی وصیت ملاحظہ فرمائیں جو مالابد منہ کے ساتھ چھپی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم بستم وچہلم وششماہی و برسینی ہیچ نکنند [۱]

ترجمہ: میری وفات پر دنیوی رسمیں جیسے دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی وغیرہ کچھ نہ کریں۔

اب چودہویں صدی میں چلیے۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں:۔

مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و او را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست۔ صاحب نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ [۲]

ترجمہ: تیسرا دن خاص طور پر مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ صاحب نصاب الاحتساب نے اسے مکروہ لکھا ہے۔

چودہویں صدی کے مولانا احمد رضا خاں بھی لکھتے ہیں:۔

اہل میت کا اہتمام طعام کرنا سرے سے ناجائز ہے [۳]

اور اس سے پہلے آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں:۔

یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ وقبیحہ ہے امام احمدؒ اپنے مسند میں اور ابن ماجہؒ سنن میں بہ سند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں:۔

کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعہم الطعام من النیاحۃ۔ ہم گروہ صحابہؓ اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں [۴]

علامہ حلبیؒ (۹۵۶ھ) اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) نے عاصم بن کلیب کی روایت میں استقبلہ

---

[۱] مالابد منہ ص۱۹۱ [۲] فتاوی مولانا عبدالحیؒ جلد ۳ ص۷۷ [۳] احکام شریعت حصہ سوم ص۱۹۳ بستی پریس مراد آباد [۴] ایضاً ص۱۹۲

داعیِ امرأئمہ کے الفاظ دیکھ کر جو اس مسئلے میں خفیف سی راہ نکلی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ان دونوں بزرگوں کے بارے میں لکھتے ہیں :-

ولورای الفاضلان الحلبی والقاری ماعلیہ بلادنا لاطلقا القول جازمین بالتحریم ولاشک ان فی ترخیصہ فتح باب الشیطان رجیم[۱]

ترجمہ۔ علامہ حلبیؒ اور ملا علی قاریؒ اگر ہمارے ملک کے رواجوں کو دیکھتے تو مطلقاً ان کے حرام ہونے پر یقین کرتے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی اجازت دینے میں شیطان مردود کی راہ کھلتا ہے۔

خان صاحب نے یہ عبارت عربی میں لکھی ہے۔ مبادا اُن پڑھ بریلوی ان پر وہابی ہونے کا لیبل نہ لگادیں ـــــ بہرحال خان صاحب نے اس مسئلہ میں حنفی مذہب کو ترک نہیں کیا۔

اسلام کی یہ چودہ صدیوں کی شہادت آپ کے سامنے ہے اور آج کل کے دیگر بریلوی علماء کے غلط فتوؤں سے جو کچھ نقشہ عمل ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ ان کے بعد بریلویوں نے ان دعوتوں کے شوق میں نہ صرف فقہ حنفی کو رد کر رکھا ہے بلکہ اس میں یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بھی خلاف صف بنا رکھی ہے۔

بریلوی علماء کے اہل میت کے ہاں کھانے کے فتوے

سب سے پہلے پروفیسر نور بخش صاحب توکلی بانی انجمن نعمانیہ ہند لاہور مولانا احمد رضا خاں کے اس فتوے کے خلاف اُٹھے۔ آپ لکھتے ہیں :-

فقہاء نے بعض عوارض کی وجہ سے اہل میت کے طعام کو مکروہ کہا ہے۔ اگر یہ عوارض یا کوئی اور محظور شرعی دعوت میں نہ ہو تو وہ طعام ہرگز مکروہ نہ ہوگا[۲]

مولانا نور بخش توکلی نے مرقات سے جو عوارض نقل کیے ہیں مولانا احمد رضا خاں ان سب کے

---

[۱] احکام شریعت جلد ۳ ص۱۹۷ [۲] کتاب البرزخ ص۱۲۴ تالیف ۱۳۴۹ھ سٹیم پریس لاہور

جواب دے چکے ہیں مگر معلوم نہیں بریلوی علماء کھانے کے مسئلوں میں کیوں اس قدر دلدادہ ہو چکے ہیں کہ اپنے اعلیحضرت کی مخالفت سے ہی نہیں چوکتے۔

بریلوی علماء اس مسئلے میں مولانا احمد رضا خاں کے نہیں مولانا عبدالسمیع رامپوری کے پیچھے چلے ہیں۔ بدعات میں بریلویوں کے امام دراصل وہ ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی زیادہ شہرت تکفیر کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بدعات میں ان کے اصل پیشوا مولانا عبدالسمیع رامپوری مؤلف انوار ساطعہ ہیں

مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا ہے طعام المیت یمیت القلب۔۔۔ بلکہ وہ ہے قبول کرنا اس کھانے کا جس کو روح میت کے واسطے کیا ہووے ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیثیں جو ترغیب خیرات میں میت کی طرف سے آئی ہیں اور باجماعِ امت وہ مقبول ہیں ان کا کیا جواب دو گے۔[1]

پھر اسی حدیث پر مولانا محمد عمر اچھروی اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے اپنے موقف کی بناء رکھی ہے۔ وہ حدیث مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ سے واپس آ رہے تھے کہ ایک شخص مرحوم کی عورت کی طرف سے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں آیا اور آپؐ کو اور دیگر صحابہ کرامؓ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپؐ گئے اور صحابہ بھی گئے اور وہاں کھانا کھایا۔ اس حدیث میں یہ الفاظ تحقیق طلب ہیں:۔

فلا رجع استقبلہ داعی امرأتہ۔[2]

ترجمہ۔ جب آپ واپس لوٹے تو آپ کو اس کی بیوی کے ایک قاصد نے بلایا۔

صاحبِ مشکوٰۃ (۷۴۲ھ) نے اس حدیث پر ابوداؤد اور بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔ علامہ طیبیؒ (۷۵۲ھ) نے اس کے لیے امام احمد کا حوالہ دیا ہے:۔

ما رواہ الامام احمد بسند صحیح وابوداؤد عن عاصم بن کلیب۔[3]

---

[1] انوار ساطعہ ص۱۴۴ [2] مشکوٰۃ ص [3] کبیری ص۶۰۹

تحقیق روایت عاصم بن کلیب

صاحب مشکوٰۃ اور علامہ حلبی کے ان حوالوں کی جب اصل کتابوں سے تلاش کی گئی تو معاملہ برعکس نظر آیا۔ وہاں داعی امرأتہ کے الفاظ نہیں ملے۔

سنن ابی داؤد کے کتاب البیوع میں باب فی اجتناب الشبہات میں یہ روایت اس طرح ہے:۔

فلما رجع استقبلہ داعی امرأۃ فجاء فجئ بالطعام فوضع یدہ۔[1]

ترجمہ۔ جب آپ واپس ہوئے تو آپ کو کسی عورت کا ایلچی ملا۔ سو آپ تشریف لائے اور کھانا لایا گیا پس آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا۔

علامہ حلبیؒ کے حوالے کے لیے مسند احمد کو دیکھا تو وہاں یہ الفاظ ملے:۔

فلما رجعنا لقینا داعی امرأۃ من قریش۔[2]

ترجمہ۔ پس ہم جب واپس ہوئے تو ہم (رستے میں) ایک قریشی عورت کے قاصد سے ملے

پھر یہ روایت طحاوی شریف کے کتاب الصید والذبائح جلد ۲ ص۳۲۰ میں بھی مل گئی۔ اس میں بھی امرأۃ من قریش کے الفاظ ہیں۔ امرأتہ (اس مرحوم کی عورت) کے الفاظ کسی مستند کتاب میں نہیں ملے۔ حضورؐ کو کھانے پہ دعوت دینے والی کوئی اور عورت تھی مرحوم کی بیوی نہ تھی۔

مشکوٰۃ میں امام بیہقی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ بیہقی کی روایت میں بھی دعت امرأۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی طعام کے الفاظ ہیں اسے علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبرےٰ میں اس باب میں نقل کیا ہے:۔

باب اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشاۃ التی اخذت بغیر حق۔[3]

ترجمہ۔ یہ باب اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس بکری کی خبر دی جو بغیر اجازت مالک کے حاصل کی گئی تھی۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص۴۷۳ [2] مسند امام احمد جلد ۵ ص۲۹۳ [3] خصائص کبریٰ جلد ۲ ص۱۰۳

اس روایت میں اگرچہ جنازے کا ذکر نہیں لیکن اس بکری کا ذکر موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے سے واپس لوٹنے کا ذکر ہے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اہل میت کے ہاں دعوتیں اُڑانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں جس روایت کے برتے بریلوی علماء لمبے چوڑے ختم پڑھنے گھروں میں پہنچ جاتے ہیں یہ ایک ان کی اپنی بنائی راہ ہے فقہ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایصالِ ثواب کا کھانا کون لوگ کھائیں

اہلسنت کا بریلویوں سے ایک یہ اختلاف بھی چلا آتا ہے کہ جو کھانا بلاتعیینِ دن میت کو ثواب پہنچانے کے لیے کھلایا جائے اسے کون کھائیں؟ اہل سنت کہتے ہیں یہ صرف مساکین اور غرباء کا حق ہے۔ بریلوی کہتے ہیں ہمارے مولوی صاحبان اور اپنے اعزہ واقارب بھی کھا سکتے ہیں۔

بریلوی عوام کو چاہیئے کہ وہ خود بھی سوچیں۔ اپنے مولویوں کا لقمہ نہ بنے رہیں۔ خود سوچیں کہ ثواب کس طرح زیادہ بنتا ہے؟ مولویوں کو کھلانے سے یا مسکینوں یتیموں کو کھلانے سے؟ ایصالِ ثواب اسی ثواب پہنچانے کا نام ہے جتنا ثواب بنے گا اتنا ہی مرحوم کو پہنچے گا۔ مولویوں کو کھلانا ان کی دعوت ہے خیرات نہیں اور ثواب خیرات کا ہوتا ہے صدقات کا ہوتا ہے دعوتوں کا نہیں۔ ایصالِ ثواب کا کھانا صرف غرباء کا حق ہے۔ افسوس کہ بریلوی مولوی یہاں مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو بھی بھول جاتے ہیں کہ میت کا کھانا غنی نہ کھائے۔

مُردہ کا کھانا صرف غرباء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔[1]

پھر یہ بھی لکھتے ہیں:۔

انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔[2]

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم صـ۵۳، [2] فتاوے رضویہ جلد ۲ صـ۲۳،

ان دنوں یہ کون لوگ تھے جو دنوں کی تعیین ضرور جانتے تھے؛ ظاہر ہے کہ یہ دیوبندی یا اہلحدیث کہلانے والے تو نہ ہوں گے. شیعہ ویسے ہی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو نہیں مانتے. وہ ان کے لیے گیارہ تاریخ کیا مقرر کریں گے. آخر یہ کون لوگ تھے جو تیجے. دسویں اور چالیسویں دن ختم کا التزام کرتے تھے اور ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو متبرک جانتے تھے.

یہ لوگ ہیں جن کو مولانا احمد رضا خاں نے جہلا ٹھہرایا ہے اور یہی ہیں جن کو آج کل بریلوی کہتے ہیں. مولانا احمد رضا خاں نے یہاں اپنے قلم سے بریلویوں کو جہالت کی سند دی ہے.

افسوس ان جہلاء پر نہیں، ان بریلویوں پر ہے جو ان جہلاء کے ختموں پر چلتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر کھانے سامنے رکھ کر ان خاص دنوں میں ختم پڑھتے ہیں. مولانا احمد رضا خاں نے کھانا سامنے رکھنے کو بے کار بات قرار دیا ہے. مگر یہ اپنے اعلیٰحضرت سے جہالت کی سند لینے والے کھانا آگے رکھے بغیر ختم نہیں پڑھتے. کہتے ہیں کھانے کی خوشبو سے دورانِ ختم دل مطمئن رہتا ہے.

بریلویوں کے ہاں اہلِ میت پر عمدہ کھانوں کا پہلا بوجھ تیجے سے شروع ہوتا ہے ابھی مرحوم کے ورثہ کی تقسیم میں نہیں ہو پاتی کہ یتیموں اور بیوہ کے مال سے تیجے دسویں اکیسویں اور چہلم کی دعوتیں شروع ہو جاتی ہیں۔

پھر ایسا بھی دیکھا گیا کہ میت کو (محلے کے مولوی صاحب کی معرفت) چالیس دن تک کھانا بھیجا جاتا ہے. صحابہ کرام جس طرح تین دن سے زیادہ میت کے سوگ کو ناجائز سمجھتے تھے اسی طرح اہلِ میت کے ہاں کھانا کھانے کو بھی نیاحت شمار کرتے تھے

حالات کو زیادہ قریب سے دیکھا جائے تو ان دعوتوں کی بڑی ذمہ داری ان مولوی حضرات پر عائد ہوتی ہے جو اپنے محلے کے ماتمی مواقع کو اپنے مسلکی غنائم سمجھتے ہیں اور جو شخص اس عقیدے کے ساتھ کہ ان مولوی صاحب کا اہلِ میت پر اس طرح بوجھ بننا شرعاً درست نہیں کچھ کہے تو وہ علمائے کرام اپنی صفائی اس عامی زبان میں دیتے ہیں۔

پیارے سنی بھائیو! کیا سوجی حرام نہیں، کیا دودھ حرام ہے؟ کیا چینی حرام ہے؟ جب ان میں سے کوئی چیز بھی حرام نہیں تو یہ تیجے کا حلوہ کیسے حرام ہوگیا اور پھر سب ایک دوسرے کو دکھا کر حلوہ کھائیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا اس دعوت سے مقصد صرف ان لوگوں کی تردید ہے جو ہمارے ان طریقوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ اہل میت پر (بلا وارثوں کی اجازت کے) ان تمام رسوم کا اور ختموں کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے۔ خیرات کے یہ کھانے بھی غربا۔ و مساکین تک نہیں پہنچتے۔ بڑے بڑے اہل ثروت حضرات اور تاجر لوگ خیرات کے ان کھانوں کو اس عزت و آبرو کے ساتھ کھاتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں یہ گمان نہیں گزرتا کہ یہ صدقات غربا۔ و مساکین اور یتیموں اور بیواؤں کا حق ہے اور اگر کوئی سعادت مند صالح شخص اس پر کچھ لب کشائی کرتا ہے تو محلہ کے پیشہ ور بدعتی یہ کہہ کر اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہو جاتے ہیں کہ علمار کا اپنا اپنا خیال ہے کچھ ایسے لوگ ہیں جو ختموں کو نہیں مانتے ہم سنی عقیدہ کے لوگ تو ہمیشہ سے تیجا اور چہلم کھاتے آرہے ہیں۔

ہندوؤں کے تہواروں کی مٹھائی

علامہ البیرونی جو سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے لکھتے ہیں کہ اموات کو ثواب پہنچانے کے لیے خاص خاص دنوں کی تعیین دراصل ہندوؤں کی رسم ہے وہ مختلف ذاتوں کے مردوں کو مختلف دنوں میں کھانے بھیجنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں ختم کو سرادھ کہتے ہیں سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اس پر پنڈت وید پڑھتے ہیں تب یہ کھانا ان کی اموات کو پہنچتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ہندوؤں کے اس عقیدے کو جانتے تھے اس لیے وہ ان کے ساتھ ان معین دنوں میں شریک ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے مسئلہ بنایا کہ جب ان کا طے کردہ دن گزر جائے تو اگلے دن تم ان کے کھانے کھا سکتے ہو۔

عرض : کافر جو ہولی دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں مسلمانوں کو لینا جائز ہے یا نہیں ؟

ارشاد : اس روز نہ لے ہاں اگر دوسرے روز دے تو لے لے۔ یہ نہ سمجھو کہ ان خبثاء کے تہوار کی مٹھائی ہے۔ [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے ہاں خاص کاموں کے لیے خاص دنوں کی تعیین ایک اصولی فاصلہ رکھتی ہے ورنہ وہ مال موذی نصیب غازی کے طور پر اسی دن وہ مٹھائی کھا لیتے یہ جو کہا اگلے دن کھا لے بتلاتا ہے کہ وہ اس غیر شرعی تعیین میں ہولی کی مٹھائی کھانا پسند نہ کرتے تھے۔ سو جو علماء حق اہل بدعت کی غیر شرعی تعیین میں ختموں میں شامل نہیں ہوتے وہ حق بجانب ہیں۔

غیر مسلموں کے تہواروں پر انہیں تحفے دینا

ہندوؤں کی ہولی کی مٹھائی اگلے دن لینا کس نام کی مٹھائی لینا ہوگا۔ یہی نا کہ یہ ہولی کی مٹھائی ہے۔ نام تو یہی چلے گا۔ مجوس نوروز کا دن اور مہرجان کا دن مناتے تھے۔ فقہاء نے ان ناموں سے انہیں ہدیہ دینا ناجائز ٹھہرایا۔ جب انہیں ہدیہ دینے کی اجازت نہیں تو لینے کی کیسے ہوگی — درمختار میں ہے :-

روالاعطاء باسم النیروز والمھرجان لا یجوز ای الھدایا باسم ھذین الیومین حرام۔

اور اگر اس دن کی کچھ تعظیم بھی ساتھ شامل ہو جیسے آج کل کئی مسلمان کرسمس پر عیسائیوں کو کرسمس کارڈ بھیجتے ہیں تو یہ اور بھی بڑا گناہ ہوگا۔ درمختار میں اس سے آگے لکھا ہے :-

---

[1] ملفوظات حصہ اول ص۱۰۶

(وان قصد تعظیمہ) کمایعظمہ المشرکون ریکفر) قال ابوحفص الکبیر

لوان رجلا عبد اللہ خمسین سنۃ ثم اھدی لمشرک یوم نیروز بیضۃ یرید

تعظیم الیوم فقد کفر وحبط عملہ ؎

ترجمہ: اور اگر اس نے اس دن کی تعظیم پیش نظر رکھی جیسا کہ مشرکین اس دن (نوروز کے دن) کی تعظیم کرتے ہیں تو اس نے کفر کیا۔ امام ابو حفص کبیر کہتے ہیں اگر کسی شخص نے پچاس سال ایک خدا کی عبادت کی پھر اس نے کسی مشرک کو یوم نوروز پر ایک انڈا ہدیہ میں دیا اس سے اس کی مراد اس دن کی تعظیم تھی تو وہ کافر ہو گیا اور اس کے تمام پہلے عمل جاتے رہے۔

معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کس طرح ہولی کی مٹھائی اگلے دن لینا جائز سمجھتے تھے۔ کیا وہ مٹھائی ان ہندوؤں کی اپنی بنائی ہوئی نہ ہوتی تھی؟ یہ بات بھی سوچنے کی ہے

(۱۱)

گیارہویں شریف

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد:

کسی مسئلہ کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس مسئلے کی عملی صورت کیا ہے اور جس طرح اسلام میں اعمال کے پیچھے عقائد کا پس منظر ہوتا ہے. اس گیارہویں کے پیچھے کون سے عقائد کارفرما ہیں. گیارہویں کا فیصلہ اس کے پس پشت پر بسنے والے عقائد کے پیش نظر اس کی عملی صورت پر دیا جائے گا ___ اور عملی صورت سے مراد کسی خاص فرد یا خاص مسجد میں دی جانے والی گیارہویں نہیں. اس میں عامۃ الناس کے عمل و دخل کو دیکھا جائے گا. جو مسئلہ عام طور پر رائج ہو اس میں عوام کا اعتبار ہونا چاہیئے نہ چند خواص کا جو ظاہر طور پر اس کی حدودِ ممنوعہ کا کسی درجے میں سدباب کر دیتے ہیں.

علماء کو چاہیئے کہ ایسے مسائل میں وہ عوامی ذہن اور عمل کا لحاظ کریں. اپنی فقہی موشگافیوں سے عوام کو بدعات میں نہ لے جائیں. عوام کے مبلغ علم ان کی سوچ اور فکر اور ان کے عقیدہ وعمل کو سامنے رکھیں. علماء کرام اپنی مقتدا حیثیت میں عوام کے حالات کو جاننے اور سمجھنے اور ان کے مطابق انہیں گمراہی سے نکالنے یا اس میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں. محض اپنے فائدے یا آئے دن پکے پکائے کھانے ملنے کی سہولت میں اپنی اور اپنے مقتدیوں کی آخرت کو برباد کرنا یہ کوئی ایسی چھوٹی غلطی نہیں ہے کہ آپ سے آخرت میں اس کے بارے میں کوئی سوال نہ ہو. ؎

تو اِدھر اُدھر کی بات نہ کر تو بتا لُٹا کہاں قافلہ
مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں تری راہبری کا سوال ہے

سو گیارہویں کے موضوع پر اس کے اعتقادی پس منظر عملی صورتِ حال اور عرفی پیرایہ عمل ہی وہ امور ہیں جن کے جانے بغیر اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینا جلد بازی ہو گی. اس کی شرعی

حیثیت چوتھے درجہ میں زیر بحث آنی چاہیئے۔ بلکہ ان چاروں سے پہلے ان کا تاریخی منظر بھی سامنے ہونا چاہیئے۔

ہم ان شاء اللہ العزیز ان پانچ امور پہ ترتیب سے گفتگو کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔ اب اس کی شرعی حیثیت پانچویں نمبر پہ آئے گی اور اس میں یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ اس میں اور کتنی بدعات لپٹی ہوئی ہیں اور اس کی نسبت حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف کرنا اور اسے (گیارہویں شریف کو) ان کے ذمے لگانا کتنا بڑا ظلم اور ظلم بالائے ظلم ہے۔

گیارہویں کا تاریخی پس منظر

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) چھٹی صدی میں ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے (اسلام کی پہلی پانچ صدیوں میں) حضرت سرکار بغداد کے نام ایصال ثواب کی یہ رسم یا تقریب کہیں نہ تھی۔ اب آپ کے بعد یہ کب جاری ہوئی۔ اس کی تاریخی تحقیق نہایت ضروری ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) پھر آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بلکہ ان سے آگے آنے والے عمدہ مشائخ نقشبندیہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) اور خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) ان بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اس کا ذکر نہیں کرتا —— اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرھویں صدی کے نصف اول تک اہل السنۃ والجماعۃ میں گیارہویں کے نام سے کوئی دینی تقریب یا مذہبی رسم قائم نہ ہوئی تھی۔

ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار ہے) اور مصر و شام بلکہ ملائیشیا اور انڈونیشیا تک کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب اس نام سے کی گئی ہو اگر کوئی دوست اس پہ کوئی مستند حوالہ پیش کر دے تو ہم اس کے بہت ممنون ہوں گے۔

گیارہویں کو تاریخی استناد دینے کے لیے بریلوی علماء کی پہلی کوشش

قصور کے مولانا محمد شریف نوری چودہویں صدی کے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے گیارہویں کو تاریخی استناد مہیا کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے گیارہویں شریف کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:۔

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ (۱۰۶۷ھ) عہد شاہجہاں میں ہوئے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کے والد حضرت شاہ ولی اللہؒ اورنگ زیبؒ کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے۔ اب حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے جوڑنا بریلوی مفتیوں کا ہی کام ہو سکتا ہے ہم جیسے کمزور تو اس کی جرأت نہیں کر سکتے۔

بریلوی علماء کے عوامی مغالطے

قرآن و حدیث میں جہاں کہیں گیارہ کا لفظ آجائے بریلوی علماء پکار اُٹھتے ہیں لیجئے گیارہویں ثابت ہوگئی۔ مولانا محمد عمر اچھروی قرآن کی اس آیت سے گیارہویں ثابت کرتے تھے جس میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کو خواب میں سجدہ کرتے دیکھا۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی والفجر ولیالٍ عشرٍ (قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی) سے گیارہ کا مجموعہ بناتے تھے۔

بریلوی عوام اپنے ان اکابر کے ان دلائل پہ اب تک ناز کرتے ہیں کہ دیکھا گیارہویں قرآن کریم سے ثابت ہوئی یا نہ؟ حالانکہ وہ خود جانتے ہوتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے وقت حضرت سید

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیدا نہ ہوئے تھے. نہ کسی نے ان دنوں ان آیات پہ گیارہویں شریف کا عمل کیا تھا — پھر جب یہ حدیث سے اپنا مسئلہ ثابت کرنے پہ آتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عشرہ مبشرہ کے دس صحابہ کو ملا کر گیارہویں ثابت کرتے ہیں.

گیارہویں تو گیارہ کا نام نہیں, نہ یہ گیارہ کے مجموعے کا نام ہے. گیارہواں یا گیارہویں ایک تاریخ کا نام ہے. یہ گیارہ دنوں یا گیارہ راتوں یا گیارہ افراد کا نام نہیں. جس طرح دوسرا تیسرا چوتھا اور پانچواں ایک ایک فرد کا نام ہے. گیارہواں یا گیارہویں ایک عدد ہے اور وہ عدد ترتیبی ہے. حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں گیارہ ستاروں نے سجدہ کیا تھا. (ایک) گیارہویں ستارے نے نہیں والفجر ولیال عشر میں بھی دس راتوں کا ذکر ہے دسویں ایک رات کا نہیں. عشرہ مبشرہ بھی دس اصحاب تھے ایک نہیں کہ اس کی وجہ سے چاند کی گیارہ تاریخ کو متبرک بنا دیا جائے.

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گیارہویں چلی کہاں سے ہے اور ہندوستان میں انگریز کی آمد سے پہلے کیا کبھی گیارہویں کا عمل کسی جگہ ہوا تھا — ہم تو اس کی تلاش کرتے کرتے تھک گئے, مگر افسوس کہ ہمارے بریلوی دوستوں نے بھی اس سلسلہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کی اور اس باب میں کوئی مستند حوالہ ہمیں نہیں دکھا سکے.

ہندوستان میں محدثین دہلی (حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) کے خلاف اُٹھنے والے پہلے بزرگ مولانا فضل رسول بدایونی ہیں. آپ اپنے ہم ذوق احباب و تلامذہ کو جمع کر کے ایک مجلس کیا کرتے تھے جس میں وہ ان محدثین دہلی کے خلاف دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے اس کے لیے آپ کو روزانہ گیارہ روپے ملتے تھے. مؤرخ اسلام جناب محمد یعقوب قادری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس بڑھتی ہوئی ہمت اور چڑھتے ہوئے ولولہ نے خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو آخر اس جستجو پہ بارادہ ریاست گوالیار گھر سے عقد سفر کیا.[1]

---

[1] اکمل التاریخ جلد ۲ صہ ۳۸

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں

حکام وقت نے قدردانی اور مرتبہ شناسی کے دست طلب بڑھانا شروع کر دیئے اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں کی انجام دہی کے لیے مانگنا چاہا۔[۱]

اس وقت اس سے ہمیں بحث نہیں کہ وہ سرکاری کام کیا تھے ؟ اس وقت ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہاں کے نواب محی الدولہ نے ان کی راہ معاش قائم کرادی جناب یعقوب قادری صاحب آپ کی سرکاری خدمات کی یہ تنخواہ بیان کرتے تھے۔

اس وقت سے یہ روپیہ اب تک گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست فرخ نہاد سے برابر جاری ہے جس کی تعداد سرکاری سکّے سے دوسو ساٹھ روپے ماہوار کے قریب ہوئی۔[۲]

یہ گیارہ روپے روزانہ صرف مولانا فضل رسول بدایونی (۱۳۲۱ھ) کے ہاں ہی متبرک نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بھی گیارہ روپے کے اس تبرک کے قائل تھے۔ آپ نے جب مولانا کچھوچھوی کو اپنے ہاں افتاء کے لیے بلایا تو آپ نے اسی رقم سے نیک فال لی۔ مولانا کچھوچھوی مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھتے ہیں :-

مجھے کار افتاء پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی اپنے پلنگ پر مجھے بٹھا کر۔[۳]

اپنے پلنگ پر کیوں بٹھایا ؟ یہ اس لیے کہ مولانا احمد رضا خاں کو بھی تو نواب رامپور نے اپنے خاص پلنگ پر بٹھایا تھا۔ رامپور کے نواب کلب علی خاں شیعہ حلقوں میں اس پہلو سے بہت معروف تھے۔

انہیں ایک ایسے طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی ہو۔ جب حضرت (مولانا احمد رضا خاں) نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور بہت لطف و کرم سے باتیں کرتے رہے۔[۴]

---

[۱] مکمل التاریخ جلد ۲ صہ ۱۵ [۲] ایضاً [۳] رسالہ ضیائے حرم ۸۳ ماہ اوّل ص۱۵ [۴] المیزان امام احمد رضا نمبر ص۳۳۲

نواب صاحب کا چودہ سال کی عمر کا انتخاب پھر اپنے خاص پلنگ پہ لے جانا اور لطف و محبت کی باتیں کرنا یہ اس وقت زیر بحث نہیں دونوں خان تھے۔ ہم یہاں صرف گیارہ روپے کے متبرک روزینہ کی بات کر رہے ہیں کہ مولانا فضل رسول بدایونی کو سرکار سے یہ جو تنخواہ ملتی تھی مولانا احمد رضا خاں نے بھی اس عدد متبرک کو یاد رکھا۔ اب ان گیارہ روپوں سے جو مجلس ہوتی تھی اس کا نام گیارہویں کی مجلس ہو گیا۔ ہندوستان میں یہ گیارہویں شریف کی تاریخ ہے۔

انگریزی عملداری میں گیارہویں کی یہ مجلس جس طرح گیارہ روپے کی انگریزی تنخواہ سے چلی اسے انگریزوں کے مخالف حلقوں میں کچھ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

جنگ عظیم اول انگریزوں اور جرمنوں میں لڑی جا رہی تھی ترک جرمنوں کے حلیف تھے اور روس انگریزوں کے ساتھ تھا۔ ہندوستان میں بریلوی شریف تک کے قصیدے پڑھ رہے تھے اور علماء دیوبند کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں ظاہر ہے کہ ان حالات میں جرمن انگریزوں اور ان کے تمام حلیفوں کے سخت خلاف تھے۔

جرمنوں نے دیکھا کہ بریلوی مولوی گیارہویں شریف کے عنوان سے بریلوی حمایت کی صفیں بچھا رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں محفل دیوانگان مشہور کر دیا اور اب تک یہ محفل دیوانگان جرمنی میں بڑے احترام سے منائی جاتی ہے۔

نوائے وقت لاہور نے اپنی ۱۸ دسمبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں ۱۱ دسمبر کی یہ خبر صفحہ ۲ پہ اس عنوان سے شائع کی۔

پاگلوں کی عید لیکن مذاق اڑانا منع ہے

واشنگٹن (انٹرنیشنل ڈیسک) جرمنی میں گیارہویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو رات گیارہ بجکر گیارہ منٹ پہ پاگلوں کی عید منائی گئی۔ تقریب کے شرکاء کو اختیار تھا کہ وہ جو چاہیں پہنیں اور جو جی میں آئے کر گزریں۔ شرکاء نے عجیب و غریب لباس پہن رکھے تھے اور انٹ شنٹ حرکتیں کر رہے تھے۔ میلے میں شریک ہونے کے قواعد کی رو سے ایک دوسرے پر ہنسنا اور مذاق اڑانا منع تھا۔

نوائے وقت نے اپنی ۱۴ نومبر کی اشاعت میں سرِ راہے میں یہ بھی لکھا ہے:۔

جرمنی میں ہر سال گیارہویں مہینے یعنی نومبر کی گیارہ تاریخ کو گیارہ بجکر گیارہ منٹ پہ پاگلوں کی عید منائی جاتی ہے۔ چنانچہ امسال بھی گیارہ نومبر کو پاگل عید کا تہوار منایا گیا۔ اس تقریب میں شرکا کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جیسا لباس چاہیں پہنیں اور جیسی حرکتیں چاہیں کریں چنانچہ لوگ عجیب و غریب لباس پہن کر اس تقریب میں شریک ہوئے جنہیں دیکھ کر ہنسی ضبط کرنا مشکل تھا......

جرمنی میں تو یہ عید سال کے بعد منائی جاتی ہے مگر پاکستان میں ہر ماہ یہ سلسلہ چلتا ہے جرمنی میں پاگلوں کی اس عید میں دیگوں کی کوئی چہل پہل نہیں ہوتی لیکن ہمارے ہاں اس میں منہ کا مزا بدلنے کا پورا سامان ہوتا ہے۔ نوائے وقت کے سپورٹس ایڈیشن میں اس خبر کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے:۔

ہمارے ہاں بھی اس قسم کے میلے منعقد ہوتے رہتے ہیں بلکہ جرمنی کے برعکس ہمارے ہاں سال بھر پاگل میلے کا سا سماں جاری رہتا ہے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ہم کبھی ایک آدھ روز سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ گیارہویں شریف پہ جمع ہونے والے لکھنؤ کے یہ بانکے سب ہوشمند بزرگ ہیں یا یہ واقعی اپنے ذکی اور علمی حواس کھو چکے ہیں، ہمیں اس کی تاریخ اس سے پہلے کی نہیں ملتی۔ جب انگریزی سرکار کی طرف سے اس کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کو گیارہ روپے یومیہ وظیفہ ملتا تھا۔

یاد رکھیے گیارہویں شریف کی اس رسم یا پاگلوں کی اس عید کا سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ایصالِ ثواب کے لیے بدعات کی آلائش کے بغیر جو کارِ خیر سرانجام پائیں اس کا تقدس پاگلوں کی ان محفلوں سے ہرگز مجروح نہیں ہوتا۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ان کے کھانے پینے کے سامان اور خوشبو سے مہکتی دیگیں ہی تو وہ سامان جذب ہے جس پہ ہر طرف سے جہلا کھچے چلے آتے ہیں۔

جرمنوں کو ایک طرف رکھئے صرف مسلمانوں کو لیجئے ان کے عوام جس حسن عقیدت سے ان دیگوں اور حلووں کے جلووں پہ ایمان قربان کرتے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے علماء تو تاویل کر کے اپنے نکلنے کی راہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن زبوں حالی ان عوام کی قابلِ رحم ہے جو بھینس کا پورا دودھ اس راہ میں لگا دیتے ہیں مبادا گیارہویں والے پیر صاحب ہماری بھینس مار نہ دیں یا اس کا دودھ خشک نہ کر دیں۔

مسئلہ گیارہویں میں عوام و خواص کے دو مسلک

جہاں تک عوام کا تعلق ہے یہ ایک مشاہدے کا موضوع ہے اس پہ کتابی حوالے کی بات نہیں چلتی۔ وہ اپنی بات کتابوں میں لکھیں تو عوام ہی کیا ہوئے۔ اس اہلیت کے لوگ تو پھر ان کے خواص میں بیٹھیں گے۔ سو اس باب میں آپ ان عوام کے عمل اور ان کے انہماک کو دیکھیں۔

گیارہویں دینے والے عوام میں آپ کو ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ملے گی جو باقاعدگی سے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ وہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ گیارہویں حضرت پیر صاحب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور انہیں خوش کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ جو گیارہویں نہیں دیتا اسے وہ برملا کہتے ہیں کہ وہ گیارہویں والے پیر صاحب کو مانتا ہی نہیں۔ گویا گیارہویں دینا حضرت پیر صاحب کے حضور ان کی پیروی کو ماننے کا اقرار ہے۔

اہلِ علم غور فرمائیں۔ کیا یہ نذر لغیر اللہ نہ ہوئی؟ کیا ان جاہلوں کا یہ عقیدہ نہ ٹھہرا کہ اگر ہم گیارہویں نہ دیں گے ہماری بھینس مر جائے گی۔ نہ بھی مرے تو پیر صاحب کم از کم اس کا دودھ تو ضرور کم کر دیں گے اور یہ کہ حضرت پیر صاحب متصرف فی الامور ہیں۔ دنیا کا نظام وہی چلا رہے ہیں۔

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بغداد والے کے
بلائیں ٹال دینا کام کس کا غوث اعظم کا
تحکمی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر
تصرف انس و جن سب پہ ہے آقا غوث اعظم کا[1]

---

[1] ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ مئی ۱۹۷۳ء

اس عقیدے سے کہ حضرت پوری دنیا میں متصرف الامور ہیں بلائیں وارد کرنا اور ٹالنا سب انہیں کے ہاتھ میں گیارہویں شریف کا ختم محض ایک ایصالِ ثواب کا عمل نہیں رہ جاتا. حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذر ہے ایک نیاز ہے اور حضرت کو اپنے اوپر خوش کرنے کی ایک عاجزانہ صدا ہے.

اب یہ مسئلہ تو فقہا سے پوچھیں کہ کیا اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جائز ہے؟ اگر آپ حنفی ہیں تو فقہ حنفی کی اس صراحت کو دیکھ لیں:۔

والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لاتکون للمخلوق.[1]

ترجمہ۔ اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی روا نہیں.

اور آگے جاکر علامہ شامی یہ بھی لکھتے ہیں:۔

ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقاده ذلک کفر.[2]

ترجمہ۔ اگر اس نے گمان کیا کہ مرحوم بزرگ دنیوی امور میں تصرف کرتے ہیں اور اس کا اعتقاد یہی ہے تو اس نے کفر کیا.

فقہ حنفی کے اس فیصلے کے خلاف بریلویوں کا یہ اعلان ایک دفعہ پھر پڑھ لیں. مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

ان کا حکم جہاں میں نافذ قبضہ کل رکھتے یہ ہیں
قادرِ کل کے نائب اکبر کن کا رنگ دکھاتے یہ ہیں[3]

جہاں تک تصرف کا تعلق ہے ان کا تصوف بدوں اعتقاد تصرف ہے ہی نہیں اور اس کے بغیر یہ چل ہی نہیں سکتے. یہ اعتقاد تصرف ہی ہے جو انہیں خانقاہوں اور مقبروں پر جمع کئے رکھتا ہے.

---

[1] رد المحتار جلد ۲ صد ۱۳۱ [2] ایضاً [3] حدائق بخشش حصہ ۲ صد ۵۲

ے ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے
کارِ عالم کا مدبّر بھی ہے عبد القادر[۱]

اب اگر ماہنامہ رضائے مصطفےٰ نے یہ کہہ دیا تو یہ مولانا احمد رضا خاں کی کہی بات ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

ے فحکمی نافذ فی کل حال سے ہوا نافذ
تصرف انس و جان سب پہ ہے آقا غوث اعظم کا

اس عربی کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے:۔
سو میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے کون ہے جو میرے تصرف کو روک سکے۔

عوام حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو اس طرح مدبّر عالم اور متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے ان کی گیارہویں دیتے ہیں اور اعتقاد کے اس پس منظر کے ساتھ یہ صریحاً نذر لغیر اللہ ہے جو شرک کی سرحد کو چھو رہی ہے۔

پھر تاریخ کا تعین عوام کے ہاں واجبات میں سے ہے دن کو ختم ہو تو گیارہ تاریخ کو یہ گیارہ بجے ختم دلوائیں گے۔ رات کو ہو تو یہ رات گیارہ بجے ختم شروع کریں گے اور گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر اسے ختم کریں گے۔ خواص کے کھانے کی مجلس میں پہلے گیارہ پلیٹیں رکھی جائیں گی اور پھر گیارہ قسم کے کھانے بڑی گیارہویں شریف کے موقع پر زیب دستر خواں ہوں گے۔ عوام اسے گیارہ کے تصور میں اتنے کھو چکے ہیں کہ بسا اوقات ان کے علماء بھی ان کی اس گیارہ پرستی سے تنگ آ جاتے ہیں۔ جب تک کھانا سامنے نہ لا کر رکھیں۔ ختم خواں کا گلا بھی پورا کام نہیں کرتا۔

یہ بات بریلوی عوام کی ہو رہی تھی۔ اب بریلوی خواص کی بات سُن لیں انہیں اپنے ان اعمال بدعت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو وہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ اسلام میں یہ کوئی ضروری عمل نہیں ہے۔

مولانا ابو البرکات کے صاحبزادے مولانا محمود احمد رضوی نے اپنے والد کی زندگی میں گیارہویں

کے بارے میں اعلان کیا تھا :-

نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ جواز کے درجہ میں رکھتے ہیں[1]۔ جو شخص حضور غوث اعظم کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے[2]۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :-

۱. دن معین کرنا بھی ہمارے ہاں ضروری نہیں۔ ۲. کھانا سامنے رکھا جائے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا جائے۔ ۳. غرباء میں کھانا وغیرہ تقسیم کر کے ثواب پہنچایا جائے یا قرآن پڑھ کر ہر طرح جائز ہے[3]۔

جب دن معین کرنا ضروری نہیں تو ان کے علماء جو گیارہ تاریخ کے افضل ہونے پر یا گیارہ کے عدد کے متبرک ہونے پر تقریریں کرتے ہیں۔ کیا وہ سب کی سب بیکار نہ ہو گئیں۔

ہاں مولانا نے کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھنے کی جو صورت بیان کی ہے۔ یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتی مولانا کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھ کر کیسے کھاتے ہوں گے۔ یہ تو بڑا مشکل کام ہے اور کیا یہ کھانے کی صریح بے ادبی نہیں۔ کھانا ہمیشہ سامنے رکھ کر ہی کھانا چاہیئے اور یہی سنت ہے۔

مولانا نے [3] میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ختم پڑھنا کھانا کھلانے سے پہلے ضروری نہیں کھانا کھلا کر بھی ایصالِ ثواب کی نیت کی جا سکتی ہے ــــ کھانا نہ ہو تو صرف قرآن کریم کا بھی ایصالِ ثواب کیا جا

---

[1] یعنی ثواب کے درجہ میں نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ٹرین سے سفر کرنا جائز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے ثواب ملے گا۔ جن کاموں پر ثواب ملے ان کا کم از کم درجہ مستحب کا ہے یہ مستحب ایک شرعی حکم ہے جس کی دلیل شریعت سے لانی پڑتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے رضوی صاحب یہاں مباح کا لفظ استعمال کرتے ہیں شریعت میں مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو نہ یہ کہ کوئی اسے کارِ ثواب سمجھے)۔ [2] ماہنامہ رضوان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر مولانا محمود احمد رضوی۔

[3] ایضاً شمارہ ۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

سکتا ہے — گیارہویں کے بارے میں یہ ان کے خواص کی رائے ہے۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں کے ہاں مسئلہ گیارہویں پر بالکل دو متضاد ذہن کام کر رہے ہیں۔ ایک ان کے عوام کا اور ایک ان کے خواص کا — یہ خواص جب اپنے عوام میں جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب نہ گیارہ تاریخ کی کوئی تخصیص ہے نہ گیارہ بجے کی اور نہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی۔

کیا ہم اس مقام پر پوچھ سکتے ہیں کہ گیارہویں کے موضوع پر مسجدوں میں جو آئے دن سر پھٹول ہوتی رہتی ہے کیا وہ اتنے کمزور موضوع کی بات ہے جو مستحب یا مباح سے کچھ آگے نہیں بڑھتا اور اگر اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے یہ چھوٹے درجے کے اعمال یکسر چھوڑ دیئے جائیں تو اس میں کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ بریلویوں کو چاہیئے کہ وہ ایسے چھوٹے درجے کے اختلافات کو جو مستحب یا مباح کے آگے کسی درجے میں نہ ہوں، یکسر چھوڑ دیں۔

بریلویوں کے مولانا محمود احمد رضوی نے جس طرح کھل کر بات کہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے گیارہویں شریف کو کوئی ضروری عمل نہیں صرف مباح کے درجے کا ہے۔ اس طرح جمعیت علمائے پاکستان کے متعدد رہنما شاہ فرید الحق نے بھی مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے ایک بہت اچھی بات کہی ہے۔ روزنامہ جنگ راولپنڈی نے اپنی ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں آپ کے اس بیان کو نمایاں طور پر شائع کیا ہے:۔

جو چیزیں فرائض اور واجبات میں شامل نہیں انہیں ختم کر دینا چاہیئے

بریلوی اپنے ان کاموں کو جو آئے دن امت میں اختلاف کا موجب بنتے رہتے ہیں ختم کرتے ہیں یا نہیں ہمیں اس سے بحث نہیں۔ تاہم ہم یہ عرض کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ نے اس طرح کے ایصالِ ثواب کو نہیں چھوڑنا تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ گیارہویں شریف کا کھانا خود نہ کھائیں نہ دیگر اغنیاء کو کھلائیں۔ اسے صرف غریبوں کا حق سمجھیں اور یہ کھانا انہی تک پہنچائیں۔ پھر دیکھئے اس نیک کام سے

مسلمانوں میں اتفاق بڑھتا ہے یا نہ۔

حالات یہ ہیں کہ کوئی شخص بریلوی مولویوں کو گیارہویں کے ان کھانوں سے نہیں ہٹا سکتا۔ یہ پلاؤ زردہ حلوہ اور کھیر تو ان کے دلوں کی جان اور ان کی دولت ایمان ہیں۔ کاش کہ یہ مولوی مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو ہی مان لیں :۔

مُردہ (مرحومین) کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے۔ [۱]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں :۔

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن۔ باقی یہ تعین عرفی ہے جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ [۲]

عوام و خواص کے اختلاف کی صورت میں راہِ عمل

آپ یہ بات تفصیل سے پڑھ آئے ہیں کہ گیارہویں کے مسئلے میں عوامی ذہن اور بریلوی علماء کے عقیدے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عوام و خواص کے اس اختلاف کی صورت میں ان کے لیے راہِ عمل کیا ہے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں اس صورتِ حال میں عوام کی بات کا اعتبار ہو گا خواص کا نہیں۔ عوام کو شرک و بدعت کے اس اندھیرے سے نکالنے کے لیے ایسے اعمال کو یکسر ختم کرنا ہو گا۔ رہے علماء تو ان کو نقصان صرف ان طرح طرح کے کھانوں سے محرومی کا ہو گا اور یہ کوئی بڑا نقصان نہیں عوام کا دین و ایمان تو بچ جائے گا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان کے مولوی جو عوام کی دولت پہ پلتے ہیں انہی کے ایمان اور ان کی آخرت کو تباہ کرتے ہیں۔

نماز کے بعد سجدہ کرنا اپنی ذات میں کوئی عمل ناجائز نہیں مباح ہے لیکن عوام اسے سنت

---

[۱] احکام شریعت حصہ دوم ص۵۳ [۲] فتاوے رضویہ جلد دوم ص۱۴۴

یا واجب سمجھنے لگیں تو یہ سجدہ شکر خواص کے لیے بھی ناجائز ہو جائے گا کیونکہ ایسے اختلاف کی صورت میں اعتبار عوام کا ہو گا خواص کا نہیں جلیل القدر حنفی فقیہ علامہ حلبی لکھتے ہیں :-

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجھال یعتقدونہا سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فمکروہ[1]

ترجمہ۔ اور یہ جو نماز کے بعد سجدہ کا رواج ہو چلا ہے یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام اسے سنت یا واجب سمجھنے لگیں گے اور ہر مباح جو (عوام کی نظر میں) اس درجہ پہ سمجھا جانے لگے وہ مکروہ ہے۔

اب کیا عوام اور بریلوی جاہل اس عمل گیارہویں کو اپنے ذہن میں سنت اور واجب کے درجے میں نہیں سمجھتے ہیں تو اب بریلوی علماء کو چاہیئے کہ انہیں ان بدعات سے روکیں نہ کہ انہیں تنہائی میں کہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف دیوبندی اعتراضات کو ٹالنے کے لیے ایسی باتیں لکھتے ہیں یہ نہیں کہ ہمارے اصل عقیدے ایسے ہوں۔ اصل عقیدے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

واذا خلوا الیٰ شیاطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزءون۔

یاد رکھئے ان لوگوں کو ان کی یہ تجارت ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی انہوں نے خود ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رکھی ہے

اولٓئک الذین اشتروا الضلٰلۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین۔

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ سو نہ فائدہ دیا ان کو ان کی تجارت نے اور نہ ہیں وہ ہدایت پانے والے۔

یہ حضرات اندر سے خود بھی اپنے عوام کے ساتھ ہیں اسے محض ایصال ثواب نہیں جانتے نہ سمجھتے ہیں ا سے محض ایک مباح عمل سمجھتے تو شاہ فرید اسحٰق کے مشورے پر اسے چھوڑ دیتے۔

---

[1] غنیۃ المتملی ص۶۱۷

اب اگر بریلوی مولوی اتحادِ ملت کے وسیع تر مقصد کے لیے گیارہویں کی رسم نہیں چھوڑتے تو سوا اس کے کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اسے صرف ایصالِ ثواب نہیں سمجھتے. حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی عظمت و سطوت کے آگے نذر مانتے ہیں. مبادا حضرت پیر صاحبؒ کا جلال ان کی بھینسوں کو نہ مار ڈالے.

اب آپ ہی بتائیں کیا یہ محض ایصالِ ثواب ہے یا نذر لغیر اللہ ہے؟ کیا اس میں حضرت پیر صاحب کی تعظیم ساتھ نہیں اور کیا یہ گیارہویں دلانے والے حضرت پیر صاحب کے جلال کے آگے جھکے نہیں جا رہے ہے ایصالِ ثواب عام اموات کا بے شک ایصالِ ثواب ہوگا لیکن گیارہویں کو تو یہ لوگ حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم اور ایک منت سمجھتے ہیں جس سے ان کے بگڑے کام بنتے ہیں اور ڈوبے بیڑے ترتے ہیں. یہ ایک نیاز ہے جسے یہ پیر صاحب کے حضور پیش کرتے ہیں.

اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ان کے ہاں گیارہویں صرف ایصال ثواب نہیں یہ پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم ہے. ایک نیاز ہے اور ایک منت ہے. بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت کو دیکھیے :-

مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں.[1]

یہ ختم گیارہویں پیر صاحب کی ایک منت ہے. اس کے لیے قصور کے مولوی عبید اللہ صاحب کے رسالہ نذر اولیاء کا صہ ۲۸ ملاحظہ ہو آپ لکھتے ہیں :-

سرکار بغداد کی نذریں مانی جاتی تھیں.[2]

اب آپ ہی انصاف کریں یہ گیارہویں کا ختم کیا محض ایصالِ ثواب ہے یا یہ حضرت پیر صاحب کی منت ہے کہ آپ کہیں ہماری بھینس کو نہ ماردیں اس لیے یہ نذرانہ تعظیم پیش کیا جا رہا ہے.

---

[1] احکام شریعت صہ ۲۶ [2] نذر اولیاء صہ ۲۸

نذر کرنا تو دینے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ مگر نذر ماننا دینے کے معنی میں نہیں آتا۔ نذر ماننا ان بزرگوں کے تقرب کی تلاش اور ان سے اپنے کام نکلوانے کی ایک التجا ہے اور یہ پیشکش اس کے لیے ایک نذرانہ ——— جو اُن کے بگڑے کام بناتا ہے اور انہیں شرک کی دلدل میں گراتا ہے ——— ہے کوئی خوش نصیب جو اس دلدل سے نکلے اور شرک سے توبہ کرے

افسوس کہ یہ لوگ تو بتوں پر چڑھائی گئی نذروں کو بھی حلال سمجھتے ہیں انہیں کھانے سے غرض ہے اور صورت جو بھی ہو ہوتی رہے۔ اور گیارہویں میں تو بتوں کی بات نہیں حضرت پیران پیرؒ کو تعظیماً ثواب ہدیہ کیا تھا۔ کیا یہ ان کے نام کی نذریں نہیں ؟ ایصالِ ثواب میں تعظیم کی نیت آنے سے ہی یہ عمل نذر بن جاتا ہے۔

جب ان کے ہاں کوئی نذر ممنوع نہیں تو گیارہویں شریف جسے یہ حضرت پیرانِ پیرؒ کی نذر مانتے ہیں ظاہر ہے کہ ان پر اس کے نذر لغیر اللہ ہونے کا کوئی بوجھ نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اپنے عوام کو مغالطہ دینے کے لیے اسے ایصالِ ثواب کہتے رہیں تو یہ صرف ان کی ایک مصلحت ہے لیکن اس مصلحت سے یہ نذر ایصالِ ثواب نہیں بن جاتی۔

شیخ سدو کے بکرے اور شاہ مدار کے مُرغے

بات صرف گیارہویں کی کھیر کی نہیں نہ یہ کہ یہ ایصالِ ثواب نہیں یہ ان بزرگوں کی تعظیماً نذر ماننا ہے۔ یہ لوگ جب شیخ سدو کے مزار پر بکرے لے جاتے ہیں تو انہیں وہاں خدا کے نام سے ذبح کرتے ہیں مگر اس میں تعظیم اور تقرب شیخ سدو کا ملحوظ ہوتا ہے۔ گھر کی عورتیں بھی جب نذر مان لیں تو ان کے ہاں خاوند کو اس نذر کا پورا کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ۔ اب یہ ایصالِ ثواب ہوا یا نذر ماننا۔ آپ فیصلہ کریں یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ اعمال گیارہویں کی کھیر ہو یا شیخ سدو کے بکرے، شیخ عبدالحق

کی سہمنی ہو یا شاہ مدار کے مرغے سب منذریں ہیں۔ مگر بریلویوں نے اہل سنت میں پذیرائی پانے کے لیے اس کا نام ایصالِ ثواب بنا رکھا ہے اور اصل نیت ان کا نذر ماننا ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا نقی علی خاں لکھتے ہیں:۔

جب گھر کی بی بی نے شیخ سدو کا بکرا یا مدار صاحب کا مرغا مان لیا تو میاں کو کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ رہے[1]

ماننے کے لفظ پر غور کیجئے۔ یہ منت ماننا ہے یا ایصالِ ثواب کرنا۔ آپ ہی فیصلہ کریں۔ ہم کہیں گے تو آپ کو شکایت ہوگی کہ ہمارے رازوں سے پردہ کیوں اٹھ رہا ہے۔ ہم کہیں گے

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

کیا مولانا احمد رضا خاں کے والد بھی دیوبندیوں سے ملے ہوئے تھے۔

بریلوی مولویوں کی اپنے لیے نذر جائز کرنے کی دلیل

جب ہم کہتے ہیں کہ نذر و نیاز کی دیگیں اور ختم کے کھانے اغنیاء اور مولویوں کے لیے جائز نہیں یہ خالصۃً غرباء اور مساکین و یتامیٰ کا حق ہے۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ فقہ کے اس قانون سے ہم مستثنیٰ ہیں۔ نذر کا کھانا مذہبی پیشواؤں کے لیے شروع سے جائز رہا ہے۔ انجیل میں اس کی شہادت موجود ہے اور شریعتِ محمدی نے اسے منسوخ نہیں کیا۔ یہ اصل ہے ہمارے پاس ختم اور ایصالِ ثواب کے چالیسویں کھانے کی یہ اصل موجود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان حضرت داؤد کے ذکر میں موجود ہے

وہ خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں جن کا کھانا نہ اس کو روا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو مگر صرف کاہنوں کو۔[2]

کاہن یہودیوں کے مذہبی پیشوا تھے۔ وہ نذر کے کھانے بے دریغ ہڑپ کرتے تھے۔ حضرت

---

[1] سرور القلوب ص۱۴۳ [2] انجیل متی باب ۱۲ آیت ۴ طبع ۱۹۰۸ء مشن سٹیم پریس لدھیانہ

عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے منڈھیوں اور ختم کے کھانے کو جائز نہیں کیا۔ آپ نے یہ بات ایک ناراض دل سے کہی ہے جیسے آج ہم کہیں کہ بریلوی مولوی کس طرح غریبوں اور یتیموں کا حق بلا ڈکار ہضم کرتے ہیں۔ اس اہمیت سے اگلی آیت ملاحظہ ہو:۔

تم نے تورات میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل میں سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ یہ بات بطور طنز فرما رہے ہیں۔ ان پروہتوں میں اور بریلوی مولویوں میں فرق ہے تو سبت اور جمعرات کا ـــ وہ سبت کے دن نذر کی روٹیاں توڑتے تھے، اور یہ جمعرات کو۔

ثانیاً عیسائی پادری اگر انجیل کے اس جزئیہ سے استدلال کریں تو کر سکتے ہیں۔ ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ پادری تنخواہ نہیں لیتا۔ شادی شدہ نہیں ہوتا۔ نہ وہ کوئی جائداد خریدتا ہے۔ وہ اگر نذرانوں پر گزر اوقات کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن بریلوی مولوی تو اس حال میں نہیں ہیں ان کے لیے یہ ایصالِ ثواب کا کھانا اور جمعرات کا ختم کیسے حلال ہو گئے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تم نے اگر عیسائیوں کے پیچھے چلنا ہی ہے تو یہ خطرہ بھی لینا پڑے گا کہ دنیا کہے بریلویت عیسائیت کی ہی ایک نشأۃ جدیدہ ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے تو مطلقاً یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اس میں بریلویوں کے لیے انجیل کے بیان کی طرح کوئی استثناء نہیں رکھا تھا۔ تم کہاں کھو گئے۔ اس خلافِ مراد مسئلے پر اپنے اعلیٰحضرت کو بھی بھول گئے۔

ہم اس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

---

(۱۲)

عیدِ میلادُ النبیؐ

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الّذین اصطفیٰ امّا بعد :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی اجتماعی طور پر منانا عید میلاد النبی کہلاتا ہے۔ عید یہاں خوشی کے معنی میں ہے۔ جیسے کوئی دوست دیر سے ملے تو مبالغۃً کہتے ہیں کہ لو آج عید ہوگئی۔ عید میلاد النبی میں بھی عید اسی معنی میں ہے۔ عید کی حقیقت شرعی اس میں مراد نہیں ہوتی۔ جس طرح عیدین کے دن اجتماعی خوشی ہوتی ہے۔ کسی خوشی کو عید بنانا اسے اجتماعی شکل میں منانا ہے۔ ولادت النبی کی اجتماعی خوشی کرنے کو عید میلاد النبی کہا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشی کو اجتماعی طور پر منانا ایک ایسا عمل ہے جس کا سبب باعث اور محرکات سب عہدِ صحابہ میں بھی موجود تھے۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو آج سامنے آیا ہو۔ وہ تمام محرکات و دواعی جن پر آج عمل کی بناء رکھی جاتی ہے۔ عہدِ صحابہؓ اور قرون مشہود لہا بالخیر میں باحساس اتم موجود تھے۔ لیکن ہمیں کوئی اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کبھی اس موقع پر اجتماعی خوشی کی ہو آخر کیوں ؟ اور نہ ہی کبھی آپؐ کی اولاد حضرت سیدہ فاطمہؓ حضرت ام کلثومؓ، حضرت امامہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے ہی کبھی اپنے والد اور نانا کا یوم ولادت منایا ہو اس کا آپ کو کبھی ثبوت نہ ملے گا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ کیا آپ نے اس پر کبھی غور کیا۔

ولادت اور وفات کا تعلق ذاتیات سے ہے۔ نکاح اور اولاد کا موضوع بھی انسان کی ذات ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئینہ ذات میں نہیں آئینہ رسالت میں دیکھتے تھے۔ آپ کی ولادت کی خوشی بھی اسی لیے ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ورنہ محض ولادت کی خوشی تو ابولہب کو بھی ہوئی تھی جس نے آپ کی ولادت کی خبر سنتے ہی خبر دینے والی باندی آزاد

کر دی تھی۔

ولادت کو ذات کے اعتبار سے دیکھیں تو خوشی کا انداز جذباتی ہو گا۔ رسالت کے اعتبار سے دیکھیں تو ہمہ تن اطاعت غالب ہو گی۔ مجال ہے اس کی خوشی کسی ایسے طور پہ ہو جس کی تعلیم اللہ رب العزت اور اس کے رسول برحق نے خود نہ دی ہو۔ صحابہؓ نے آپ کا کلمہ بڑے خلوص اور بڑی ذمہ داری سے پڑھا تھا۔ وہ اسی ماحول کو قائم رکھنا جسے حضور رسالت مآبؐ نے ترتیب دیا اور سنوارا اپنے ہر جذباتی عمل اور جذباتی نعرے سے فائق اور مقدم سمجھتے تھے۔ چھینک بھی آئے تو وہ یہ دیکھتے تھے کہ ایسے موقع پہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیا ہے۔

مطلق محبت جذبات اور ان کا اظہار چاہتی ہے اور جس محبت کے پیچھے کوئی روشن سبب کارفرما ہو اس محبت کے داعی محبوب کی عقیدت اور اطاعت میں گھلے چلے جاتے ہیں۔ وہ پھڑکنے بھی نہیں پاتے مگر یہ کہ قربان ہو جاتے ہیں۔

ے اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

آج بھی جس دل و دماغ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جلوہ پیرا ہو گی وہ آپ کی ولادت کی خوشی کو ذاتیات کے پہلو سے نہ دیکھے گا۔ آئینہ رسالت میں دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی کے ہر قدم کو آپ کی سنت اور سیرت کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے گا۔ صحابہؓ آپ کے اسی جذبۂ محبت سے سرشار تھے۔ اس لیے انہوں نے کبھی آپ سے مطلق محبت کے جذبات کا اظہار نہ کیا تھا۔

آپ کی ولادت کی اجتماعی خوشی کرنا کب سے شروع ہوا

صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد دو قرن یہ وہ زمانے ہیں جن کے خیر ہونے کی خبر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ ان قرون ثلثۃ مشہود لہا بالخیر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت کی خوشی اجتماعی طور پر منائی گئی تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود دنیا میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت بھی صحابہ کرامؓ نے کبھی آپ کو آپ کے یوم پیدائش پر مبارکباد نہ کہی تھی۔ نہ ہی آپ کے سامنے آپ کے یوم پیدائش کا کبھی تذکرہ کیا تھا۔

آپ کی تاریخ پیدائش میں تو کچھ اختلاف ہے (محقق بات ۹ ربیع الاول ہے) لیکن یوم ولادت (سوموار) میں کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے غالباً اسی حکمت سے کہ آپ کے یوم پیدائش کو کہیں کوئی شرعی تقدس نہ دے سوموار کو ہی پہلی وحی فرمائی۔ آپؐ غار حرا میں تھے جب پہلی وحی آئی اور وہ سوموار کا دن تھا۔ اب اس دن کو ایک یاد نے نہیں دو یادوں نے گھیر لیا۔ بایں اس دن کو کوئی شرعی حیثیت نہیں دی گئی۔ شرعی حیثیت دنوں میں سے صرف جمعہ کو حاصل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کا روزہ رکھا مگر کبھی صحابہؓ کو اس کی تعلیم نہ دی نہ کبھی اجتماعی طور پر اسے منانے کا حکم دیا۔ صحابہؓ نے آپ سے سن کر اسے اپنے ہاں رائج نہ کیا نہ کسی امام اور مجتہد نے اس دن کے روزے کو اجتماعی صورت دی ہے۔

حضرت ابو قتادہ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے سوموار کے دن روزہ رکھنے کا پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

ذاك يوم ولدت فيه ويوم بعثت او انزل علی فيه[۱]

ترجمہ۔ اس دن میں پیدا ہوا تھا اور اسی دن میری بعثت ہوئی یا فرمایا سوموار کے دن ہی مجھ پر (پہلی) وحی اتری۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی پوچھنے پر ارشاد فرمائی۔ صحابہؓ کو اس یوم ولادت پر نہ کسی عمل کا حکم دیا نہ روزے کا۔ اللہ رب العزت نے اسی دن آپ پر وحی کا آغاز فرمایا۔ اب کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اس ولادت کی خوشی میں سوموار کا روزہ رکھ سکے۔ جب وہ ایسا کرے گا آپ کی بعثت کا تصور خواہ مخواہ اس پر محیط ہوگا اور دونوں کے ملنے سے بات یہاں پر آئے

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۶۸

گی۔ مسلمانوں کے لیے آپ کی ولادت کی خوشی بھی رسالت کے باعث ہے۔ نہ وہ خوشی جو آپ کی پیدائش پہ ابولہب نے کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کی بعثت کو احسان فرمایا ہے۔ اس بعثت سے چالیس سال پہلے آپ کی ولادت ہو چکی تھی مگر اس ولادت پہ بہار اس وقت آئی جب اللہ تعالیٰ نے بطور رسول آپ کی بعثت فرمائی اور آپ اللہ تعالیٰ کے نمائندے ٹھہرے لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً۔

آپ کی اس حیثیت کو سامنے رکھے بغیر جب آپ کی ولادت کی خوشی منائی جائے گی تو اس میں مطلق محبت کا اظہار تو ہو سکے گا ولادت آئینہ رسالت میں نہ دیکھی جائے گی۔ یہ وہ محبت ہے جو ہر کسی کی برات نہیں اہل تقوے کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت کی اجتماعی خوشی منانا عہد صحابہؓ اور اگلے دونوں قرنوں میں نہ تھا لیکن یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ اس کا آغاز کب ہوا۔

سب سے پہلے ملک اربل مظفر ابوسعید (۶۳۰ھ) نے محفل میلاد قائم کی اور اس کے بدعت ہونے سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہے بریلوی بھی اسے بدعت تسلیم کرتے ہیں۔ گو اس سے آگے وہ اسے حسنہ کہہ کر اپنے لیے معافی کی گنجائش پیدا کر لیتے ہیں۔

محفل میلاد کا مرکزی عمل قیام تعظیمی ہوتا ہے اس کے بارے میں مولانا محمود احمد رضوی مدیر ماہنامہ رضوان صراحت سے لکھتے ہیں:۔

> لوگوں کی یہ عادت جاری ہو گئی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مبارک کا ذکر سنا۔ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے یہ قیام بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں یعنی بدعت حسنہ۔[۱]

بھلا وہ بدعت بھی جس کی سرے سے کوئی اصل نہ ہو بدعت حسنہ ہو سکتی ہے۔ اس پہ آپ خود غور فرمائیں۔ تاہم مولانا محمود احمد رضوی کی یہ بات لائق تحسین ہے کہ انہوں نے سیرت حلبیہ کی پیری

---

[۱] ماہنامہ رضوان لاہور نومبر ۱۹۸۶ء صفحہ ۱۸

میں تسلیم کرلیا کہ یہ قیام تعظیمی بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں. رہی یہ بات کہ ان کے نزدیک یہ بدعتِ حسنہ ہے تو اس کے جواب میں ہم اسس پر اکتفا کریں گے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ہمیں کسی بدعتِ حسنہ کو بھی اپنانے کی اجازت نہیں دی. آپ فرماتے ہیں :-

بدعت کیا اور حسن کیا. فقیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا. یہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے اس سے پوری طرح بچنا چاہیئے.

قیام تعظیمی تو ایک طرف رہا آپ تو خود محفل میلاد کو بھی پسند نہیں کرتے. اپنے مخدوم زادوں کو لکھتے ہیں :-

بہ نظر انصاف بہ بینند کہ فرضاً حضرت ایشاں دریں اوان در دنیا مے بودند و ایں مجلس و اجتماع منعقد مے شد آیا بہ ایں راضی مے شدند و ایں اجتماع را مے پسندیدند یا نہ ؟ یقین فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نہ فرمودند بلکہ انکار مے نمودند[1]

ترجمہ. انصاف سے دیکھیئے اور فرض کیجئے کہ اگر حضرت والا اس وقت دنیا میں موجود ہوتے اور یہ مجالس و اجتماع منعقد ہوتے تو کیا آپ اس سے راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند کرتے. مجھے یقین ہے آپ اسے ہرگز جائز نہ فرماتے بلکہ اسے منکرات میں شمار کرتے.

یہاں یہ بحث نہیں کہ حضرت مجدد ثانیؒ کے عقیدے میں حضرت والاؐ اس وقت اس دنیا میں موجود ہیں یا نہ ؟ ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ آپ اگر یہاں ہوتے تو ان محافل و مجالس کو قطعاً پسند نہ کرتے ــــــ رہا یہ امر کہ لوگ حضورؐ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں. آپ نے دنیا میں رہتے ہوئے کبھی اس کی اجازت نہ دی تھی. صحابہ کرامؓ کبھی آپ کے لیے دائرہ باندھ کر یا صف بنا کر کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

---

[1] دفتر اول مکتوب ٢٧٣

لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک[۱]

ترجمہ: کوئی شخص صحابہ کرامؓ کو آنحضرتؐ سے زیادہ پیارا نہ تھا لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ اس قیام تعظیمی کو ناپسند کرتے ہیں۔

یہ کون سا قیام ہے جس سے صحابہؓ رکے رہتے تھے اور نظر رسالت سے اسے مکروہ جانتے تھے ۱۔ یہ وہ قیام ہے جو اتفاقی ہو کہ حضورؐ کہیں ادھر سے آنکلے اور یہ ادب سے اٹھ کھڑے ہوں۔ ۲۔ حضورؐ سامنے ہوں اور یہ قیام آپ کے سامنے ہو —— جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قیام تعظیمی کو بھی مکروہ جانتے تھے جو آپ اگر کہیں وہ قیام دیکھ لیتے جو آج بریلویوں میں رائج ہے تو اس سے آپ کس قدر پریشان ہوتے یہ آپ سوچیں۔

سامنے حاضری کی صورت میں قیام تو کسی خدمت کے لیے بھی ہو سکتا ہے جیسے حضرت سعد بن معاذؓ جب آئے تو چونکہ وہ زخمی تھے آپؐ نے صحابہؓ کو کہا قوموا الی سیدکم —— یہ قیام الخدمت تھا۔ فانزلوہ من الحمار۔ (رواہ احمد) اس قیام کی تو کچھ سمجھ آتی ہے لیکن جب سامنے بھی کوئی نظر نہ آتے اور یہ قیام تعظیمی صرف غائبانہ تصور باندھ کر ہو اور اسی تصور میں پھر نماز کی طرح ہاتھ بھی باندھ لیے جائیں تو یہ قیام اس قیام سے اور بھی وحشت ناک ہو جائے گا جسے صحابہ کرامؓ نظر رسالت میں مکروہ سمجھتے تھے۔ یہ قیام تعظیمی تو اب قیام تعبدی کے قریب قریب آلگا ہے۔

پھر اس سے آگے کی منزل اور بھی خطرناک ہے کہ سلام پڑھنے والا آپ کو حاضر و ناظر بھی اعتقاد کر رہا ہو اور اسے واجب بھی جانتا ہو۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری جو تجویز بدعات میں بریلویوں کے اعلیحضرت ہیں (جس طرح تکفیر میں مولانا احمد رضا خاں ان کے اعلیحضرت ہیں) قائلین قیام کے ۵، نمبر مفتی سے نقل کرتے ہیں اور قیام کو واجب ٹھہراتے ہیں۔

---

[۱] ترمذی جلد ۲ صنا مسند امام احمد جلد ۳ صہ ۱۵ مشکوٰۃ ص۴۰۳

یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ العلماء الاعلام وقداۃ الدین والاسلام۔[1]

ترجمہ۔ حضورؐ کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا واجب ہے اس واجب کرنے کو بڑے بڑے علماء نے پسند کیا ہے۔

ہم مفتی احمد یار صاحب گجراتی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے انوار ساطعہ کے اس فتوے کی کھلے طور پر تردید فرما دی۔ لیکن افسوس کہ جھوٹ بول کر — کہ وجوب قیام کا فتوےٰ اب تک ان کے کسی عالم نے نہیں دیا۔ دیکھئے کیا یہ کھلا جھوٹ نہیں مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں نہ کسی عالم دین نے لکھا ہے کہ قیام واجب ہے۔[2]

جب میلاد شریف قیام کے بغیر بھی ہو جاتا ہے تو آج قیام تعظیمی محفل میلاد کا رکن اعظم کیوں بنا ہوا ہے؟ بریلوی علماء اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ دوسرے عقیدے کے لوگ اگر کسی مشترک اجتماع میں آ نکلیں اور وہاں حضورؐ کی ولادت کا بیان ہو تو انہیں مجلس سے نکالنے کے لیے یہ قیام واجب ہو جاتا ہے کہ وہ تو اس بدعت میں شامل ہونے سے معذور ہوں گے یا بیٹھے رہیں گے یا چلیں جائیں گے پہلی صورت میں وہ تارک واجب ہوں گے اور دوسری صورت میں وہ آسانی سے درود وسلام کے منکر قرار دیئے جا سکیں گے بس یہ ایک ضرورت ہے اور اس صورت میں قیام واجب ہو جاتا ہے سو یہ قیام تعظیمی نہ ہوا قیام تفرقہ ہوا جس کا مقصد مسلمانوں کے ایک دوسرے طبقے کو مجلس سے اٹھانا یا تفرقہ پیدا کرنا ہوتا ہے بہرحال اس میں شک نہیں کہ ان کے ہاں ایک صورت میں یہ قیام واجب بھی ہے اور مفتی احمد یار صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں جو اس کا انکار کیا ہے وہ درست نہیں ہے:۔

مجلس میلاد میں بوقت صلوٰۃ وسلام قیام کرنا مستحب ومستحسن ہے اور ایک صورت میں واجب ہے۔[3]

---

[1] انوار ساطعہ ص۲۶۳ [2] جاء الحق ص۲۴۵ [3] جامع الفتاویٰ جلد ص۲۱۶

قیام بوقت صلوٰۃ وسلام ہے یا بوقت ذکر ولادت. اسے ملا نظام الدین ملتانی بھی بھول لئے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کی زیادہ توجہ صرف اس صورت پر تھی جس میں یہ قیام واجب ہو جاتا ہے اور تفرقے کی کوئی صورت نکل ہی آتی ہے.

بریلوی علماء کا جب اصل مقصد ہی تفرقہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کی باہمی تفریق ہے تو کیا وہ اپنا یہ مقصد کسی اور طریق سے حاصل نہیں کر سکتے. اپنے اس مذموم مقصد کے لیے حضورؐ کے نام کو استعمال کرنا کون سا ایمان اور کس قسم کی تعظیم شان رسالت ہے. یہ آپ سوچیں.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو تفرقہ بین المسلمین کے غلط مقصد کے لیے استعمال کرنا اور وہ چیز جو شرعاً واجب نہ تھی اسے اس لیے واجب کرنا کہ بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے قائلین (جیسا کہ نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے) مجلس سے نکل جائیں. یہ ایسی مذموم حرکت ہے کہ اس کے مجوز بریلوی علماء شاید ہی اس باب میں اللہ کے حضور کوئی عذر پیش کر سکیں.

ملک اربل کے محفل میلاد مقرر کرنے پر علماء کا ردِعمل

ملک اربل کا اصل مقصد علماء کرام کو ائمہ مجتہدین کی پیروی سے ہٹانا اور خود نئے نئے اجتہادات کا خوگر کرنا تھا. جب وہ قرآن وحدیث سے آزادانہ اجتہاد اور استنباط کریں گے تو پھر کون سی بات ہے جو ثابت نہ ہو سکے اور کون سی بات ہے جو رد نہ ہو سکے ـــــ اصول فقہ کی جب پیروی نہیں تو اب جو مسئلہ چاہو قرآن وحدیث کے نام سے چلا دو. کیا مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی پوری سیاسی گاڑی اسی راہ سے نہیں چلائی ـــــ یاد رکھئے اگر کوئی چیز اس بے دینی راہ روی سے روک سکتی ہے تو وہ ائمہ سلف کی پیروی ہے اور ملک اربل اس کا مخالف تھا.

ملک اربل کے پس پردہ جو غیر مقلد عالم اس فتنے کو ہوا دے رہا تھا وہ عمر بن دحیہ ابو الخطاب (۶۳۳ھ) تھا. اس کا مسلک حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) کی زبان سے سنیئے :-

كثير الوقيعة فى الائمة وفى السلف من العلماء خبيث اللسان احمق

شدید الکبر قلیل النظر فی امور الدین متھاونا۔[1]

ترجمہ۔ وہ ائمہ دین اور علما سلف کی شان میں بہت گستاخیاں کیا کرتا تھا بڑا بد گو تھا بڑا احمق تھا اپنے آپ کو بڑا عالم سمجھتا تھا غور و فکر (فقہ) میں بہت کم تھا دین کے کاموں میں بہت سست تھا۔

اس غیر مقلد کے ساتھ اور بھی کئی مولوی لگ گئے۔ بادشاہ اس محفل میلاد پر ہر سال تین لاکھ روپیہ خرچ کرتا اور ان مجالس کو دنیوی اعتبار سے ہر طرح کی رونق سے آراستہ و پیراستہ کیا جاتا۔ دنیا پرست مولوی اس سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے یہ وہ راہ ہے جس سے اس امت میں بدعات داخل ہوئیں اور یہی وہ تحریک ہے جس نے بریلویت کی شکل اختیار کر رکھی ہے۔ مولانا محمد عمر اچھروی بھی غیر مقلد تھے اچانک بریلوی قبا میں جلوہ گر ہوئے اور فقہ سے ہٹ کر قرآن و حدیث کے نام سے اپنے عقائد شرکیہ اور اعمال بدعت کو علمی استناد مہیا کیا۔ ١٩٥٩ء میں انہوں نے قوم کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ حضورؐ کے یوم پیدائش پر عید میلاد کی نماز قائم کی جائے اور مسلمان اپنے نبی کی پیدائش کی خوشی میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کریں۔ مولانا ابوالحسنات قادری نے اس کی مخالفت کی اور اس طرح یہ تجویز آگے نہ چل سکی۔ بریلویوں کے لیے بازار گلیاں سجانا آسان تھا مگر نماز پڑھنے کی زحمت ان کے لیے سخت تھی۔

اہل حدیث حضرات حضورؐ کی پیدائش کی خوشی میں آپ کے یوم پیدائش پر روزہ رکھنے کے قائل ہیں۔ اہل السنّۃ کے نزدیک یہ عمل صحابہؓ سے ثابت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل جسے صحابہؓ نے اختیار نہ کیا ہو کسی علت خفیہ سے متعلق ہوتا ہے وہ امت کے لیے راہ عمل نہیں بنتا امت کے لیے آپ نے شاہراہ ما انا علیہ واصحابی قائم کی ہے۔ ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور کے ٢٨ نومبر ١٩٨٦ء کے شمارے میں ہے۔

مسلمان اگر ولادت نبوی کے شکرانے میں یوم ولادت پر روزہ رکھیں تو یہ بلاشبہ

---

[1] لسان المیزان جلد ۴ صـ ٢٩٦

جائز ہے بلکہ سنتِ رسول ہے۔

حضورؐ کے سوموار کے روزے میں تو یوم بعثت کا بھی ذکر ہے۔ معلوم نہیں اہلحدیث بزرگوں نے یہ یوم پیدائش کا روزہ اور وہ بھی بہ نیت شکرانہ یہ کہاں سے نکال لیا ہے۔

ہم نہ یوم پیدائش پر شکرانے کی نماز کی تائید کرتے ہیں نہ روزے کی۔ اگر یہ کوئی لائق عمل بات ہوتی تو کیا صحابہ کرامؓ اس پر عمل پیرانہ ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح مظفرالدین ملک اربل نے اپنے وقت کے غیر مقلد عالم عمر بن وحیہ ابوالخطاب کے فتوے سے ڈالی تھی ـــــ علمائے اہلسنت نے حنفی ہوں یا حنبلی، مالکی ہوں یا شافعی کسی نے اس اجتماعی خوشی کو شرعی تقدس نہیں دیا نہ اس باب میں صحابہؓ کا کوئی خاص عمل منقول ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش پیر کا دن ہے جو ہر ہفتے آتا ہے۔ معلوم نہیں بریلوی حضرات اس یوم پیدائش کو ۱۲ ربیع الاول پر کیسے لے آئے اور افسوس ہے کہ اہلحدیث حضرات نے آپ کے یوم پیدائش کا روزہ رکھنے کو ۱۲ ربیع الاول کی بحث میں کیسے سیٹ کر دیا۔ اگر ان کے علماء آپ کے یوم پیدائش پر شکرانے کا روزہ رکھتے ہیں تو انہیں اس بات کی وضاحت کر دینی چاہیئے تھی کہ ہم سوموار کے دن حضورؐ کی پیدائش کے شکرانہ میں روزہ رکھتے ہیں نہ کہ ربیع الاول کے کسی خاص دن جب حضورؐ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

علمائے دیوبند کے ہاں صرف ذکر ولادت مندوب ہے اور وہ بھی کسی خاص دن سے مخصوص نہیں۔ محفل میلاد اور چیز ہے اور ذکر ولادت بالتخصیص وقت و دن اور چیز ـــــ لوگ اس امر مندوب پر جتنی قیدیں بڑھاتے جائیں گے اس عمل میں کراہت آتی جائے گی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں:۔

نفس ذکر ولادت مندوب ہے اور اس میں کراہت قیود کے سبب سے آئی ہے۔[1]

ملک اربل نے غیر مقلد علماء کی اکساہٹ پر جو محفل میلاد ترتیب دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵

کے یوم پیدائش کو اجتماعی طور پر منانے کی طرح ڈالی. علامہ نصیر الدین شافعی، علامہ ابن امیر الحاج مالکی، حافظ ابن تیمیہ حنبلی (٧٢٨ھ) اور حضرت مجدد الف ثانی حنفی (١٠٣٥ھ) نے اپنے اپنے وقت میں اس کی پرزور تردید کی اور بدعت کے سیلاب کے آگے ہر طرف سے روک کے پل باندھے. علامہ ابن امیر الحاج مالکی لکھتے ہیں:۔

ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذٰلك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه فى الشهر الربيع الاوّل من المولد وقد احتوى ذٰلك على بدع ومحرمات ..... لان ذٰلك زيادة فى الدين وليس من عمل السلف الماضيين.[1]

ترجمہ. ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے قائم کر رکھی ہیں کہ یہ بڑی عبادات ہیں اور شعائر اسلام کا اظہار ہیں وہ عمل بھی ہے جو یہ ربیع الاول میں آپ کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور ممنوعات پر مشتمل ہو گیا ہے ...... یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ثابت نہیں.

کسی عمل کا ناجائز ہونا درکنار اگر ادنیٰ گمان بھی پیدا ہو کہ یہ کام بدعت ہے یا سنت. تو علماء احناف نے اس کے چھوڑنے کا ہی حکم دیا ہے.

علامہ ابن نجیم (٩٧٠ھ) لکھتے ہیں:۔

ويلزم ان ما تردد بين بدعة وواجب اصطلاحى فانه يترك كالسنة.[2]

ترجمہ. اور جو چیز بدعت ہونے اور سنت ہونے میں زیر بحث ہو اُسے چھوڑ دیا جائے.

اور علامہ شامیؒ (١٢٥٣ھ) لکھتے ہیں:۔

---

[1] مدخل جلد ١ صفحہ ٨٥ [2] البحر الرائق جلد ٢ صفحہ ١٦٥

اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجحًا علی فعل البدعۃ

ترجمہ: جب کوئی مسئلہ سنت اور بدعت میں اٹکا ہو تو اس سنت کو چھوڑنا بدعت کا خطرہ لینے سے بہتر ہے۔

علامہ شامی کا یہ فیصلہ آپ کے سامنے ہے احناف ہمیشہ اسی اصول پر چلے ہیں۔ اور اہل بدعت نے ہمیشہ یہ کہہ کر بدعات کے لیے راہ ہموار کی کہ اس میں حرج کیا ہے۔ ہم اسے کوئی دین کا حکم نہیں سمجھتے۔

ہندوستان میں ربیع الاول کے جلسے

انگریزوں کے ہندوستان آنے پر یہاں کے مذہب کی عجب حالت تھی۔ انگریز اپنی ضرورات کے تحت دین میں ترامیم لانے کے ضرورت مند تھے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف شدھی اور سنگٹھن کی تحریکوں پر لایا جا رہا تھا اور عیسائی اپنے سکولوں ہسپتالوں اور گرجوں میں کرسمس کی جھنڈیاں لگاتے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے وقت کا تقاضا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و سیرت اور صداقت و رسالت پر جلسے شروع کریں۔ اس جلسوں میں اس بات کا پورا دھیان رکھا جاتا تھا کہ ان جلسوں کا موضوع محض ولادت نہیں صداقت رسالت ہوتا کہ مسلمان عیسائیوں کی کرسمس اور ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے کسی مشابہت اور متابعت کا خطرہ مول نہ لیں اور یہ بھی ایک وقتی ضرورت تھی۔

مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب محدث دہلوی نے اس موقع پر ان جلسوں کی عام اجازت دے دی۔ آپ نے کہا:۔

تاریخ کا یہ تعین کسی شرعی پیمانے پر نہیں ایک انتظامی پر درجے پر سمجھا جائے تو یہ تقریب بدعت نہیں بنتی۔ اس تاریخ پر اس اجتماع کا ہونا دین نہیں سمجھا جائے گا اور اسے یوم ولادت کی تخصیص نہ دی جائے کسی دن کو کوئی تخصیص دینا کسی عالم یا گروہ کے اختیار میں نہیں یہ صرف شریعت ہے جو کسی عام کی تخصیص کرے

یا کسی مطلق میں تعیین لائے۔

آنحضرتؐ کی ولادت کی تاریخی یاد

مسلمان اپنے دین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بعثت کو اپنا انعام قرار دیا ہے۔ رہی آپ کی ولادت وہ اس سے چالیس سال پہلے ہو چکی تھی اور حضورؐ نے اپنی قبل از بعثت کی زندگی میں بھی کبھی اپنی تاریخ نہ منائی تھی نہ عربوں میں انگریزوں کی طرح یوم پیدائش منانے کا کہیں کوئی رواج تھا۔

انگریز کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یاد میں مناتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے خود مسلمانوں کے لیے ۱۲ ربیع الاول کی چھٹی طے کی مگر علماء اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو محض ایک تاریخی حیثیت دیتے رہے اسے کوئی شرعی حیثیت نہ دی۔

محمدی اسلام کا آغاز آپ کی بعثت سے

کرۂ ارض کے نصیب جاگے جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی نوع انسان کی الٰہی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ کی بعثت مومنین کے لیے اللہ رب العزت کا ایک بہت بڑا احسان تھا

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم (پ ۴ آل عمران ۱۶۴)

آپ کی بعثت کب ہوئی؟ ولادت کے تقریباً چالیس سال بعد جب آپ حرا میں فروکش تھے اور تنہائی میں آپ کا دل لگا ہوا تھا۔ مورخین اس کی تاریخیں مختلف بتاتے ہیں صحابہ کرامؓ اس دن کی تعیین پر متفق نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ مسلمان آپ کی بعثت کو آئندہ ہر سال نہ منائیں جن مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے وہ ایک تاریخی حیثیت سے ہے شرعی حیثیت سے نہیں اور محدثین اسے درس و تدریس کے پیرایہ میں آگے بیان کرتے رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسلام نے اسے بھی ایک شرعی حیثیت نہیں دی نہ اس دن کے لیے بطور

اظہار تشکر شریعت میں کچھ اعمال مقرر فرمائے. محدثین نے اسے ایک تاریخی حقیقت کے طور پہ ذکر کیا ہے. مسلمان ہمیشہ بلا تعیین تاریخ آپ کے ایام ولادت میں ربیع الاول یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد فرداً فرداً خوشی کا اظہار کرتے رہے ہے. صحابہؓ کے عہد میں اجتماعی طور پر اس یاد میں کوئی اجتماعی عمل اختیار نہیں کیا گیا اور اس میں بھی مورخین مختلف رہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ربیع الاول کی کس تاریخ کو ہوئی. محققین نے آپ کی تاریخ ولادت ۹, ربیع الاول بتلائی ہے. مسلمان آپ کی ولادت اور اس وقت کے واقعات کو جتنی تاریخی عظمت دیں کم ہے لیکن شریعت میں اس دن کی یاد میں کوئی اجتماعی عمل نہیں رکھا گیا نہ خلفائے راشدینؓ نے کبھی اس دن کی کبھی چھٹی کی تھی. یہ حقیقت ہے کہ اس دن بنی نوع انسان پر اللہ رب العزت کا اتنا بڑا احسان ہوا کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے.

اسی طرح انبیاء سابقین کی دنیا میں تشریف آوری اور ان کے کارنامے اسلام کا عظیم تاریخی سرمایہ ہیں لیکن شریعت محمدی میں ان دنوں کی یاد میں کوئی اعمال طے نہیں کیے گئے. تاریخ کے ہر عظیم واقعہ کو سالانہ شرعی آداب دینا دین فطرت میں کسی طرح ممکن نہ تھا.

قرآن کریم نے ان تاریخی واقعات کو تذکیر کا سامان قرار دیا ہے تقریب کا نہیں. قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا :-

ولقد ارسلنا موسیٰ بآیٰتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور وذکرھم بایّام اللہ . (پ ۱۳ ابراہیم ۵)

ترجمہ. اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنے نشان دے کر بھیجا کہ نکال اپنی قوم کو اندھیرے سے اجالے میں اور یاد دلا ان کو ایام اللہ کے.

یعنی ان دنوں کے واقعات یاد دلاؤ جب ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان سے رہائی نصیب فرمائی. یہ خدا کی قدرت کے نشان ہیں. دیکھو وہ کس طرح دلوں کو دنوں سے بدلتا ہے. تلک الایام نداولھا بین الناس.

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے پانچ علوم قرآن میں پچھلے تین علوم ان عنوانوں سے ذکر فرمائے ہیں:۔

۳۔ تذکیر بآلاء اللہ ۴۔ تذکیر بایام اللہ ۵۔ تذکیر بما بعد الموت

سو مسلمانوں میں اہم ایام گذشتہ کا بیان بطور تذکیر رہا نہ بطور تقریب کہ شریعت نے ان دنوں کے کچھ اعمال مقرر فرمائے ہوں اور صحابہ کرامؓ نے ان وقائع کو تاریخی اہمیت تو دی لیکن ان دنوں کی کبھی تقریبات نہ کی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے ارہاصات اور واقعات کو اگر تاریخی حیثیت سے بیان کیا جائے اور ان میں کسی تاریخ کا تعین شرعی حیثیت سے نہ ہو صرف انتظامی طور پر بے شک ہو اور اس میں صرف ذکر ولادت نہیں آپ کی بعثت اور پھر سیرت کا بیان بھی ہو جائے تو اس میں کوئی شرعی گرفت نہ آئے گی۔ ربیع الاول میں یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد ایسے جلسے ہوتے رہیں تو اس سے ربیع الاول کی کچھ تخصیص بھی لازم نہ آئے گی۔

ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو مسلمانوں میں اس کی تاریخی حیثیت خود بخود تازہ ہو جاتی ہے۔ ان ایام مولد میں مسلمان اگر آپ کی ولادت، بعثت، معجزات اور سیرت کا عام ذکر کریں کسی دن کی شرعی تعیین نہ سمجھیں تو اس میں اہل سنت کا اہل بدعت سے کوئی اختلاف نہیں۔ اختلافات ان بدعات اور شرکیہ عقائد کی وجہ سے ہیں جو ان اہل بدعت نے اپنی مروجہ محفل میلاد میں داخل کر رکھے ہیں۔ اکابر علماء اہل سنت نے حضورؐ کے ذکر ولادت کو ہمیشہ مستحسن قرار دیا ہے۔

علمائے اہل سنت کے ہاں حضورؐ کی ولادت کا ذکر

(۱) حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:۔

نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔

ذکر ولادت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم مستحسن ہے۔ ص۱۷۲

رہا نفس ذکر وہ سب کے نزدیک مندوب ہے۔ ص۱۷۲

معاذ اللہ فخر عالم کے ذکر ولادت کو کوئی بُرا نہیں جانتا ہے مناکیر کو بُرا جانتے ہیں۔ ص۱۷۶

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ لکھتے ہیں :-

وہ محفل میلاد جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ نہ قیود سے مطلق ہو مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے کسی نے ان کو اہتمام سے نہیں بُلایا کسی اور ضرورت سے بُلائے گئے تھے۔ اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پُرنور سرور عالم فخر آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات شریفہ (ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات وغیرہ) اور دیگر اخلاق وشمائل ومعجزات و فضائل مبارکہ صحیح صحیح روایات سے بیان کیے گئے اور اثنا بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و بیان احکام کی دیکھی جاوے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا گیا یا اصل اجتماع استماع وعظ و احکام (وعظ سننے کے لیے) اور اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ (ولادت باسعادت کے واقعات) و فضائل کا بیان بھی آگیا یہ وہ صورت کہ بلانکیر (انکار) جائز بلکہ مستحب وسنت ہے۔[۱]

خاص یوم ولادت کی بجائے ایام مولد میں عیسائیوں کے ولادت مسیح منانے (کرسمس منانے) سے بھی مشابہت نہیں رہتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ کے والد محترم شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ نقشبندی سلسلے کے ایک بڑے بزرگ تھے۔ آپ یوم ولادت کی بجائے ایام مولد میں کبھی ایسا کرتے کہ لوگوں میں کچھ کھانا اور مٹھائی

ع مثلاً یہ کہ فلاں جگہ فلاں صاحب کا وعظ ہو گا اور ایمان و یقین کی باتیں ہوں گی۔

[۱] اصلاح الرسوم ص۱۲۱

وغیرہ تقسیم کرتے اور اس کا ایصالِ ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ عالی کے لیے ہوتا۔ اتنے بڑے بزرگ کا خاص یومِ ولادت کی تعیین نہ کرنا اور ایام مولد کے عنوان سے اسے عام رکھنا بتاتا ہے کہ وہ کس قدر محتاط تھے۔ آپ اپنی کتاب الدر الثمین میں بائیسویں حدیث میں لکھتے ہیں :-

اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع فی ایام المولد طعاماً صلۃً بالنبیّ صلی اللہ علیہ وسلم .... فقسمتہ بین الناس۔[1]

ترجمہ۔ مجھے میرے آقا والد محترم نے بتایا کہ میں ایام مولد میں کھانا بناتا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال کے لیے .... پھر میں اسے لوگوں میں تقسیم کر دیتا

یہ اظہار خوشی مسجد میں نہیں نہ اس کام کے لیے کوئی مجلس بیٹھتی۔ شیخ کا عمل شریعت میں حجت نہیں اور نہ ہی دیکھا گیا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رح نے خود کبھی یہ عمل کیا ہو۔ کھانے کا ایصال ثواب اپنی جگہ جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ بدعات کی آمیزش نہ ہو۔ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رح لکھتے ہیں :-

ایصالِ ثواب طعام و قرأت باموات کو کسی نے منع نہیں کیا۔ اس باب میں جو منع ہے تو اس طرح وہیئت سے ایصال کو منع کرتے ہیں جس میں تشبہ بکفّار لازم آجاوے یا تقیید مطلق کی آجاوے۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ رح ایک دفعہ اتفاقی طور پر خاص آپ کے یوم ولادت میں (مثلاً ۹، ربیع الاول کو) آپ کے مکان ولادت (مکہ مکرمہ میں آپ کے مکان) پر جا نکلے اور وہاں مشاہدہ کیا کہ بڑے عجیب وغریب انوار اُتر رہے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :-

فتاملت تلک الانوار فوجدتها من قبل الملئکۃ الموکلین بامثال هذا المشاهد و بامثال هذه المجالس ورایت یخالط انوار الملئکۃ انوار الرحمۃ۔[3]

---

[1] الدر الثمین ص۴۰ [2] براہین قاطعہ ص۸ [3] فیوض الحرمین ص۸

ترجمہ. میں نے ان انوار پر غور کیا میں نے دیکھا کہ وہ ان فرشتوں کی طرف سے آرہے ہیں. جو ایسے مقامات پر اور ایسی مجالس پر موکل ہیں اور میں نے دیکھا فرشتوں کے اور انوار رحمت آپس میں مل رہے ہیں.

کیا وہ انوار اسی دن اُتر رہے تھے ؟ نہیں ایسے مشاہد (زیارت گاہوں پر) فرشتے یہ انوار لیے دن رات حاضر رہتے ہیں اور ان کی یہ مجالس ہمیشہ کے لیے ہیں ان کے سپرد یہی حاضری ہے وہ اس کام کے موکلین میں سے ہیں. پھر ان انوار ملئکہ سے انوار رحمت الٰہیہ ملتے ہیں اور وہاں دن رات یہ سماں بندھا ہے کاش کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو.

بریلویوں کا یہ کہنا کہ وہ انوار صرف اسی دن اُترے تھے جس دن شاہ صاحب نے انہیں دیکھا. اس لیے ہم میلاد کی مجلسیں عین میلاد کے دن کرتے ہیں صحیح نہیں. شاہ صاحب نے یہ کہیں نہیں کہا کہ وہ انوار صرف اسی دن اترے تھے. اس طرح تو بریلوی یہ بھی کہہ دیں گے کہ روضہ انور پر بھی وہ انوار صرف وفات کے دن اُترے ہیں اس لیے وہ بارہ وفات مناتے ہیں. استغفر اللہ

اللہ تعالیٰ نے زمین پر سیاح فرشتوں کا بھی ایک سلسلہ قائم کر رکھا ہے جو امتیوں کا درود وسلام لے کر دن رات روضہ انور پر حاضری دیتے ہیں.

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح بھی خاص یوم ولادت کی بجائے پورے شہر ربیع الاول میں کچھ ایسی محفلوں کے منعقد ہونے کا ذکر کرتے ہیں. یہ کون لوگ تھے جو ایسا کرتے تھے یہ عام اہلِ اسلام کا تذکرہ ہے. معلوم ہوتا ہے اس وقت میلاد النبی ص کے کسی خاص دن کی تعیین نہ تھی. تاہم حضرت شیخ نے ان بدعات کا سختی سے نوٹس لیا ہے. جو اہلِ بدعت نے ان محفلوں میں قائم کر رکھی تھیں آپ لکھتے ہیں :-

ولا یزال اهل الاسلام یحتفلون بشهر مولده صلی الله علیه وسلم... ولقد اطنب ابن الحاج فی المدخل فی الانکار علی ما احدثه الناس من البدع

والاھواء والغناء بالآلات المحرمة عند عمل مولده الشریف فاللّٰہ تعالیٰ یثیبه علیٰ قصده الجمیل ویسلک بنا سبیل السنة فانه حسبنا ونعم الوکیل. [1]

ترجمہ:

اور اہل اسلام ربیع الاول میں ایسی محفلیں کرتے چلے آرہے ہیں اور علامہ ابن امیر الحاج نے المدخل میں بڑی تفصیل سے ان بدعات کا رد کیا ہے جو لوگوں نے اس میں پیدا کی ہیں وہ خواہشات کے درپے ہوئے اور حرام کردہ آلات سے حضورؐ کے عمل ولادت پر گانے لگے سو اللہ تعالیٰ علامہ ابن امیر الحاج کو اپنے اس قصد پر اجر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں سبیل سنت پر چلائے وہ ہمیں کافی ہے اور بہت اچھا کارساز ہے۔

حضرت شیخ نے جو یہ کہا ہے کہ لوگ ہمیشہ سے یہ محفلیں منعقد کرتے چلے آرہے ہیں اس سے ان کی مراد ساتویں صدی سے ہے کہ (جب ان محافل کی ابتداء ہوئی تھی) ان کے اپنے دور کی بات ہے۔ یہ نہیں کہ قرون ثلثہ مشہور لہا بالخیر میں بھی یہ محفلیں ہوتی تھیں۔ پھر جب یہ محفلیں قائم ہوئیں تو بہت کم محافل ایسی ہوں گی جن میں یہ بدعات اور خرافات نہ آگھسی ہوں۔ تاہم علمائے حق کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ وہ ہمیشہ ان بدعات پر انکار کرتے رہتے ہیں۔

علامہ امیر ابن الحاج مالکی (ھ) کا انکار علی البدعات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے علامہ امیر ابن الحاج کے انکار علی البدعات کی بہت تعریف فرمائی ہے اور انہیں دعائیں دی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی بھی ایک عبارت ہدیہ قارئین کردیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

---

[1] ماثبت بالسنة ص۱۰۳

من جملہ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذلک من اکبر العبادات

واظہار الشرائع مایفعلونہ فی الشہر الربیع الاول من المولد وقد

احتوی ذلک علی بدع ومحرمات.... لان ذلک زیادۃ فی الدین لیس

من عمل السلف الماضین۔[1]

ترجمہ۔ ان بدعات میں سے جو لوگوں نے اس اعتقاد سے کر رکھی ہیں کہ یہ بڑی عبادات ہیں اور شعائر اسلام کا اظہار ہیں ان میں وہ عمل بھی ہے جو یہ ربیع الاول میں آپ کی پیدائش پر کرتے ہیں اور اب یہ کام بہت سی بدعات اور ممنوعات پر مشتمل ہو گیا ہے.... یہ سب دین میں زیادتی ہے اور اس پر سلف صالحین کا عمل ثابت نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق کی نظر میں یہ محافل میلاد کیا ہیں اسے ان کی اس عبارت کے آئینہ میں دیکھیں:۔

بے شک امام ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل میں ان بدعتوں، نفسانی خواہشوں اور حرام آلات کے ساتھ گانے بجانے پر شدید انکار کیا ہے جو لوگ محفلِ میلاد میں کرتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ کے دور میں عام محافل میلاد ان بدعات سے پوری طرح ملوث ہو چکی تھیں۔ آج بریلوی حضرات حضرت شیخ کے انکار کے وارث نہیں۔ وہ ان محافل میلاد کے پوری بدعات سمیت رسیا ہو چکے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیثمی (۹۷۲ھ) حضرت شیخ (۱۰۵۲ھ) سے کچھ پہلے ہوئے ہیں۔ آپ نے اکثر محافل میلاد کو خیر و شر کا مجموعہ بتلایا ہے ظاہر ہے کہ حق و باطل کا مجموعہ اسفل کے تابع ہو گا نہ کہ اعلیٰ کے تابع۔ آپ لکھتے ہیں:۔

---

[1] مدخل ص۸۵

اکثر محافل میلاد جو ہمارے ہاں رائج ہیں ان میں اچھی اور بُری دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ خیر کی باتیں مثلاً صدقہ وخیرات۔ ذکر و درود اور سلام اور حضورؐ کی تعریف — اور بُری باتوں میں سے (میلاد شریف میں آنے والی) عورتوں کا اجنبی مردوں (نعت پڑھنے والوں) کی طرف دیکھنا۔[1]

علامہ ابن حجر کے دور میں کچھ ایسی محفلیں بھی تھیں جن میں کوئی عیب اور شرعی خرابیاں نہ ہوتی تھیں۔ لیکن آپ فرماتے ہیں:۔

لیکن ایسی محفلیں بہت کم اور نادر ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی محفلیں (جن میں بدعات گھس چکی ہوں) ممنوع اور ناجائز ہیں کیونکہ شریعت کا یہ قاعدہ بڑا مشہور ہے کہ فوائد حاصل کرنے سے نقصانات کا دور کرنا مقدم ہے لہذا جو شخص جانتا ہے کہ کسی محفل میلاد میں ایک بھی شرعی خرابی پائی جاتی ہے۔ بایں ہمہ وہ اس میں شرکت کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرنے والا ہے اور گنہگار ہے۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ اس شخص نے اس محفل میلاد میں خیر کے کام بھی کیے تو بھی یہ خیر اس شر کا تدارک نہیں کرسکتا جو اس میں پایا جاتا ہے۔[2]

محفل میلاد کا مرکزی نقطہ عمل

بریلویوں نے مجلس میلاد میں کھڑے ہوکر سلام پڑھنے کو اپنے اس عمل کا مرکزی نقطہ قرار دے رکھا ہے۔ علامہ ابن حجر کے دور میں بھی بدعتی اسے بڑے اہتمام سے عمل میں لاتے تھے بدعتی عوام کے اس گناہ کا بوجھ بھی ان بدعتی مولویوں کے سر ہے جو جاہلوں میں اسے تعظیم کے نام سے فروغ دیتے ہیں اور ان کا نعت خواں اعلان کرتا ہے:۔

نکل جائے مجلس سے جو بے ادب ہو

---

[1] فتاوے حدیثیہ ص۱۲۸ [2] ایضاً ص۱۲۹

علامہ ابن حجر اس عمل کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ونظير ذلك فعل كثير عند ذكر مولده صلى الله عليه وسلم ووضع امه له من القيام وهو ايضاً بدعة لم يرد فيه شئ على ان الناس انما يفعلون ذلك تعظيماً له صلى الله عليه وسلم فالعوام معذورون لذلك بخلاف الخواص والله سبحان الله وتعالىٰ اعلم بالصواب [1]

ترجمہ: بہت سے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت محفل میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وغیرہ نہیں آئی۔ البتہ عوام معذور سمجھے جا سکتے ہیں لیکن اس کے برعکس ان کے خواص (بریلوی مولوی) معذور نہیں ہیں [1] (یعنی سب اٹھنے والوں کے گناہ کا بوجھ ان کے سر ہوگا)

ولادتِ شریفہ کی تصوری یاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کی تاریخی یاد اور اس کا درس و تدریس کے پیرایہ میں ذکر محدثین اور مؤرخین ہمیشہ کرتے آئے ہیں لیکن اس ولادت باسعادت کی تصوری یاد کہ اسے اس وقت کی حقیقت سمجھ کر اس کے تقاضے بجالائے جائیں۔ پوری تاریخ اہل سنت میں کہیں نہیں ملتی۔ مولوی عبدالسمیع رامپوری پہلے شخص ہیں جنہوں نے ولادتِ شریفہ کی تصوری یاد اور تذکرۂ ولادت پر معاً اٹھ کھڑا ہونا اس عمل کی طرح ڈالی۔ مولوی صاحب موصوف نے ولادت کی اس تصوری یاد میں جو دلائل دیئے ہیں انہیں ملاحظہ فرمائیں :۔

ولادت شریفہ تو کوئی امر فرضی نہیں۔ یہ تذکرہ تو امر حسی موجود فی الخارج ہے۔ زبانوں پر اس کے الفاظ جاری۔ کانوں میں اسکی صورت طاری اور دلوں میں اس کا ذوق ساری ہے پس اس وقت میں اگر اصل حقیقت کی طرح (کہ گویا یہ واقعہ ابھی ہوا ہے) تعظیم دی جائے تو اس کی نظیریں انشاء اللہ شرع شریف میں مل جائیں گی [2]

---

[1] فتاویٰ حدیثیہ ص۵۸ [2] انوار ساطعہ ص۲۳۴

آپ اس سے ایک صفحہ پہلے لکھ آئے ہیں :۔

اس وقت دو نظیریں لکھتا ہوں۔ بی بی عائشہ رض نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو قبل احرام باندھنے کے خوشبو لگائی تھی جب حضرت عائشہ رض نے بعد مدت اس حال کو ایک موقع میں روایت کیا تو فرماتی ہیں :۔

کانی انظر الی وبیص الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم وھو محرم۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۰۸)

گویا میں دیکھ رہی ہوں چمک خوشبو کی سر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے اور ابو جحیفہ فرماتے ہیں سرخ حلہ پہنے ہوئے تھے :۔

کانی انظر الی بریق ساقیہ۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں چمک نورانی پنڈلیوں کی۔

(جامع ترمذی جلد ۱ ص۲۷)

الجواب : ان روایات میں حضرت عائشہ رض یا حضرت ابو جحیفہ رض نے جو اپنی صورت ذہنی کانی انظر سے بیان فرمائی ہے اسے انہوں نے اس وقت کا واقعہ قرار نہیں دیا تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ الیہ میں فرق لازمی ہے یہ ذکر مشبہ ہے اور جب یہ واقع ہوا تھا وہ صورت مشبہ الیہ ہے ان حضرات نے ان دو بیانات کو اصل سے تو تشبیہ دی لیکن اس مشبہ (ذکر) سے مشبہ الیہ (اصل واقعہ) کا سا معاملہ نہ کیا نہ اس وقت ان دونوں چمکوں کی یاد میں کوئی عملی تعظیم اختیار فرمائی نہ اُٹھے اور نہ سننے والوں سے تعظیمی قیام کا مطالبہ کیا۔

مولوی عبدالسمیع کی کم فہمی ہے کہ وہ اس تاریخی یاد کو تصوری یاد میں بدل کر اس تصور سے اصل کا معاملہ کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ کے ذکر ولادت کو وہ تعظیم دی جانی چاہیئے جو آپ کی اصل ولادت اور قدوم وجودی کو دی جا سکتی تھی۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں :۔

ہم حضرت کے نام پر ہر جگہ تو کھڑے نہیں ہوتے محض وقت ذکر ولادت شریف کھڑے ہوتے ہیں۔۔۔۔ چونکہ حضرت کی شان عظیم ہے تو جو کچھ بادشاہ یا امیر کے

عین قدوم میں تعظیم دی جاتی ہے وہ آپ کے ذکر قدوم وجودی میں دی
جاتی ہے۔ [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں نے حضورؐ کی ولادتِ شریفہ کی تاریخی یاد کی بجائے
اس کی ایک تصوری یاد کی راہ نکالی ہوئی ہے اور اس تصوری یاد سے وہ اصل والا معاملہ کرتے
ہیں اور تعظیماً فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ام المومنینؓ نے اور حضرت ابو حنیفہؒ نے کانی
انظر کے الفاظ سے ان واقعات کی تصوری یاد کو اسے اس کے خارج میں واقع ہونے کا درجہ نہیں
دیا نہ اس ذکر مبارک پر کوئی حسی تعظیم کا معاملہ کیا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری لکھتے ہیں :۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ آدمی جب کسی گذشتہ امر کو حکایت کرتا ہے تو وہ محکی عنہ
ذہن میں پیش نظر ذہن کے ہو جاتا ہے تو صحابہؓ حالات فخر عالم کے بیان کرتے
تھے تو وہ محکی پاک نظر میں آجاتا تھا خواہ وہ حلیہ ہوتا یا کوئی اور قصہ ہوتا اور
اس کی یاد پُر سرور یا رقت یا کوئی حال مناسب آتا تھا.... مگر یہ تو دیکھو کہ
اس حکایت اور صورت ذہنیہ کے ساتھ معاملہ خود محکی عنہ کا ہوا ہو یہ ان دونوں
راہوں سے ہرگز کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ [2]

افسوس کہ بریلوی حضرات ولادت اور ذکر ولادت کو ایک درجہ دینے پر تلے ہوئے ہیں
ور اس وقت (یعنی وقت ولادت) جو ظہور انوار ہوا اسے اس کے ذکر پر بھی مرتب مانتے ہیں۔
امپوری صاحب لکھتے ہیں :۔

اے حضرت اگر ولادت مکرر نہیں ہوتی (معلوم ہوتا ہے مولوی صاحب کو اس
میں بھی شک ہے) ذکر ولادت باسعادت تو مکرر ہوتا ہے اور اس وقت جو ظہور
انوار و برکات و عجائب حالات ہوا تھا وہ تو مکرر مذکور ہوتا ہے۔ [3]

---

[1] انوار ساطعہ ص۲۳۰ [2] براہین ص۲۳۳ [3] انوار ساطعہ ص۲۳۴

ذکر میں وہ انوار و برکات ماننا جو ولادت میں پیش آئے یہ کند ذہنی اور دھکا زوری نہیں تو اور کیا ہے۔

تاریخی واقعات پر شرعی اعمال کے ترتب کا مغالطہ

عن ابن عباسؓ قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فرای الیہود تصوم یوم عاشوراء فقال ماھذا قالوا ھذا یوم صالح ھذا یوم نجی اللہ بنی اسرائیل من عدوھم فصامہ موسیٰ قال فانا احق بموسیٰ منکم فصامہ وامر بصیامہ۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے اور دیکھا کہ یہود یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ بہت اچھا دن ہے وہ دن جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات بخشی تھی اور اس پر موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے زیادہ حضرت موسیٰ پر حق رکھتا ہوں۔ پس آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس روزے کا دوسروں کو بھی حکم دیا۔

یہود عاشورہ کا روزہ اپنے قیاس سے نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن نجات دی اور آلِ فرعون کو غرق کیا تھا بلکہ ان کے عمل کی بنا اس دن حضرت موسیٰ کا روزہ رکھنا تھا گو وہ از راہِ تشکر ہو اور ظاہر ہے کہ پیغمبر کی اتباع امت کے لیے شرعی دلیل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سالانہ اپنی ولادت کا دن اس طرح منایا۔ عاشورہ کے روزہ پر تو عملِ موسیٰ کی سند موجود تھی۔ حضورؐ کی ولادت سالانہ اس طرح منانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کون سا حکم یا عمل موجود ہے۔ افسوس کہ مولوی عبدالسمیع رامپوری نے صوم عاشورہ کی روایت سے حضورؐ کا یوم ولادت منانے پر استدلال کر لیا۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۶۸

کہاں فرعون کا ڈوبنا اور موسے علیہ السلام کا نجات پانا اور اس کے شکریہ میں موسے علیہ السلام کا روزہ رکھنا اور کہاں یہ ہمارا زمانہ کہ اب تک وہ روزہ چلا آتا ہے۔ حالانکہ حقیقت واقعہ غرق فرعون و نجات موسیٰ تو اسی دور میں ہوئی تھی اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں ..... لیکن ہمیشہ تعظیم کا جاری رہنا بعد انقضاء اصل واقعہ کے نظیر یوم عاشوراء سے ثابت ہو گیا۔[1]

یوم عاشوراء پر یہود کے دو عمل تھے:۔

۱. تعظیم اس دن کی کرنا۔

۲. اس دن روزہ رکھنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزہ کو تو باقی رکھا لیکن اپنی امت کو تعظیم یوم عاشورہ کا حکم نہ دیا۔

عن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشوراء یوما یعظمه الیهود وتتخذه عیداً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموہ انتم۔[2]

ترجمہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ یہود یوم عاشورہ کی تعظیم بجالاتے اور اسے عید بناتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسلمانوں کو) حکم دیا تم بھی اس دن روزہ رکھو۔

کان اهل خیبر یصومون یوم عاشوراء یتخذونه عیداً ویلبسون نساءهم فیه حلیهم وشارتهم۔[3]

ترجمہ اہل خیبر یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے اسے عید بناتے اور اپنی عورتوں کو اس دن زیورات اور عمدہ لباس پہننے کا کہتے۔

کیا حضورؐ نے مسلمانوں کو بھی اس دن یہ اچھا لباس پہننے اور دن منانے کا حکم فرمایا؟

---

[1] انوار ساطعہ ص۲۳۵ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص۳۵۹ [3] ایضاً

اس میں یہ نہیں ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کو اس دن کی تعظیم کا حکم دیا ہو یا آپ اس دن منانے میں یہود کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ کا اس دن روزہ رکھنا فرعون کے غرق ہونے پر بطور شکر نہ تھا بلکہ آپ پہلے سے مکہ میں بھی اس دن کا روزہ رکھتے آرہے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ میں اس کا روزہ رکھا تو اس لیے کہ یہود سے مشابہت نہ رہے۔ آپ نے نو محرم کے روزے کا بھی ارادہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

فاذا کان العام المقبل ان شاء اللہ صمنا الیوم التاسع رواہ مسلم۔

ترجمہ۔ پس جو اگلا سال آئے اگر اللہ نے چاہا تو ہم نویں محرم کا روزہ بھی رکھیں گے (تاکہ یہود سے مشابہت نہ رہے)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات موسیٰ کے تاریخی واقعہ پر اپنے کسی شرعی عمل کی بنا نہیں کی اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کا یہود مدینہ کو کہنا فانا احق بموسیٰ منکم بطور الزام تھا نہ یہ کہ آپ نے حضرت موسیٰ کی پیروی میں عاشوراء کا روزہ رکھا تھا موسیٰ علیہ السلام تو خود بھی اگر اس دور میں دوبارہ آجاتے تو حضورؐ کی پیروی سے چارہ نہ تھا۔ یہود نجات موسےٰ کی یاد میں بطور شکر اس دن روزہ رکھیں اس میں اس پرانے واقعہ پر اظہار شکر ہے لیکن اس نئے عاشوراء کی تعظیم کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

مولانا عبدالسمیع کا دوسرا مغالطہ

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں بخار کی بیماری تھی مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے سست اور زار و نزار کر دیا ہے ان سے طواف بھی نہ ہو سکے گا..... حضرت نے صحابہ کو فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو انہوں نے رمل کیا یعنی

جس طرح پہلوان لوگ وقت لڑائی کے کودتے ہوئے اور مونڈھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ ان مشرکوں کے سامنے چلتے تھے اور کفار یوں بول اٹھے یہ تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہیں ۔۔۔۔ یہ رمل یعنی اچھل کود مونڈھے ہلا کر چلنا اس وقت تو واسطے دکھانے کفار کے کیا گیا لیکن پھر بعد اس زمانہ کے جو حجۃ الوداع واقع ہوا اس وقت بھی وہی قوت رفتار رمل کے طور پہ وقوع میں آئی حالانکہ کوئی مشرک وہاں نہ تھا۔۔۔
اب تک بھی وہی پہلوانوں کی چال کود اچھل وقت طواف کی جاتی ہے۔[1]

الجواب : جب پہلی دفعہ طواف میں رمل کیا گیا تو اس وقت بے شک یہی علت تھی کہ کفار و مشرکین مسلمانوں کی شان و قوت دیکھ پائیں لیکن پھر جب حجۃ الوداع میں بھی حضورؐ نے اسے قائم رکھا تو مسلمانوں کے اس عمل کی بنا سنتِ نبوی قرار پائی نہ کہ مسلمان اب بھی اسے بطور اظہار شوکت و قوت کر رہے ہیں۔ یہ اس عمل کا صرف پہلا سبب تھا۔ آئندہ اسے جاری رکھنے کی کوئی دوسری علت بھی ہو سکتی ہے جسے حضورؐ نے بیان نہیں کیا۔ آپ نے یہ عمل رمل جاری رکھا۔ فقہا نے تفقہ سے اس کی علت یہ معلوم کی کہ اب آپ کا ایسا کرنا بطور تشکر تھا۔ یہ دوسری علت ہمیں نہ بھی معلوم ہو تو بھی ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ حضورؐ نے آئندہ بھی اس عمل رمل کو جاری رکھا۔ شریعت یہی ہے کہ حضورؐ سے اس کا ثبوت مل جائے ہم اس کی علت اور سبب کو پا سکیں یا نہ۔

ایک کام میں جب کئی علتیں ہو سکتی ہیں تو اگر وقت گزرنے سے اس عمل کا پہلا سبب اٹھ گیا تو اب کیا اس کا کوئی دوسرا سبب نہیں ہو سکتا تھا۔ محدث کبیر ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :-

لا یقال الاصل فی الحکم ان یزول بزوال العلۃ فانا نقول قد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال المشروعیۃ تذکر النعمۃ الامن بعد الخوف یشکر علیہا فھذہ علۃ اخری والحکم قد یثبت بعلل متبادلہ۔[2]

---

[1] شرح المناسک صہ

ترجمہ: یہ نہ کہا جائے اصل یہ ہے کہ حکم اپنی علت کے اُٹھ جانے پر اٹھ جاتا ہے ہم کہیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مشروعیت اٹھنے پر بھی اسے امن بعد الخوف کی نعمت پر شکر کے طور پر باقی رکھا۔ سو یہ ایک دوسری علت نظر آئی۔ سو حکم اپنی دوسری علتوں کے باعث بھی باقی رہ سکتا ہے۔

اور آپ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

ولعل الحکمۃ فی بقائہ تذکر ذلک الحال والجھد علی الانتقال بعون اللہ الملک المتعال[1]

ترجمہ۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کے باقی رکھنے میں اس حال کی یاد اور اس جدوجہد کی یاد ہو جو اللہ کی مدد سے ان کے وہاں سے چلنے کا سبب ہوئی۔

ہمیں یہ دوسری علت نہ بھی معلوم ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہمارے لیے حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کافی ہے:۔

ومالنا وللرمل انما کنا راینا بہ المشرکین وقد اھلکھم اللہ (ثم قال) شیٔ صنعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا نحب ان نترکہ۔[2]

ترجمہ۔ اور ہمیں اس رمل سے کیا ہم نے اسے مشرکین میں پایا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک اور برباد کر دیا۔ تاہم یہ وہ عمل ہے جو حضورؐ نے کیا۔ سو ہم نہیں چاہتے کہ اسے ترک کر دیں۔

حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا:۔

فیم الرمل وکشف المناکب وقد اعز اللہ الاسلام ونفی الکفر ومع ذلک فلا ندع شیاءً کنا نفعلہ علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

---

[1] شرح نقایہ جلد ا ص ۱۹۶ طبع دیوبند [2] صحیح البخاری جلد ا ص ۲۱۸ [3] شرح نقایہ عن سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ

ترجمہ۔ یہ رمل اور اس میں کندھا کھولنا کیا ؟ اور اللہ نے اسلام کو غالب کیا اور کفر کی نفی فرمادی اس کے باوجود ہم اس عمل کو نہیں چھوڑتے جس پر ہم حضور صلی اللہ کے عہد میں عمل پیرا رہے۔

افسوس مولوی عبدالسمیع یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلمانوں میں یہ رمل کا عمل صرف اس عمل کی بقاء ہے جو پہلی دفعہ کیا گیا تھا ایسا ہرگز نہیں۔ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابقاء سے باقی رہا اور مسلمان آج تک اسے حضور کے اسی حکم سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ مولوی صاحب ذکر ولادت میں تو آپ ایک ثبوت بھی دے نہ پائے کہ جب اس کا آغاز ہوا پھر یہ عمل چلتا ہی رہا اور پھر اس رمل میں کیا کسی نے کہا کہ رمل کرتے وقت مشرکین کا دیکھنا فرض کر لیا کرو اور انہیں دکھانے کے لیے رمل کیا کرو۔ ولادتِ نبوی کی تصوری یاد میں تو آپ اس سے وہ معاملہ کرتے ہیں جو آپ کے ہاں عین سے کیا جاتا ہے۔

حضرت کے نام پر ہر جگہ تو کھڑے نہیں ہوتے محض وقت ذکر ولادت شریف کے کھڑے ہوتے ہیں۔[1]

ولادت کے وقت جو تعظیم ہو سکتی تھی آپ اسے ذکر ولادت کے وقت بھی بجالانے لگے۔ یہ تصوری یاد سے وہ معاملہ کرنا ہے جو آپ کے ہاں عین واقعہ میں کیے جانے کے لائق تھا۔ مسلمان اب رمل کرتے ہوئے کیا کفار و مشرکین کی تصوری یاد کرتے ہیں اور کیا وہ پھر وہ اپنے تصور میں ان صور ذہنیہ کو اپنا یہ رمل دکھا رہے ہوتے ہیں ؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ پھر آپ نے حضورؐ کی تصوری یاد میں اس صورتِ ذہنیہ کے ساتھ یہ عین کا معاملہ کیسے کر لیا کہ فوراً تعظیم میں کھڑے ہو گئے۔ حکایت کو محکی عنہ کا درجہ شریعت میں کہیں نہیں دیا گیا اور مولوی عبدالسمیع صاحب کو اس پر اصرار ہے کہ ذکر ولادت کو ولادت کا درجہ اس وقت دے قیام تعظیمی کیا جائے میلاد کے موضوع پر ہم اہل سنّت کا اہل بدعت سے اختلاف حضورؐ کی ولادت شریفہ کی تاریخی یاد سے نہیں تصوری یاد سے ہے جس میں لوگ وہ معاملہ کرنے لگیں جو ان کے عین واقعہ پر ہوا تھا۔

مولوی عبدالسمیع صاحب نے اعراض کے ضمن میں خود سیرت شامی سے نقل کیا ہے کہ

جو لوگ ذکر ولادت کے وقت تعظیماً قیام کے لیے اٹھتے ہیں یہ بدعت ہے جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں پائی جاتی. کاش کہ مولوی صاحب اس پر بھی غور کر لیتے کہ تصوری کے ساتھ اصل کا تعظیمی والا معاملہ نہیں کیا جاتا۔ ان بدعات سے بچنے کے لیے کیا یہی صورت بہتر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تاریخی یاد کی جائے اور تصوری یاد سے پرہیز کی جاتے اور اگر تصوری یاد کی جائے تو قیام تعظیمی سے پرہیز کرے کہ تصوری یاد سے اصل والا معاملہ نہیں کیا جاتا ہے۔

سوال: مولوی عبدالسمیع رامپوری نے انوار ساطعہ میں بدعات کی حمایت میں روایات کی بہت غلط توجیہات کی ہیں لیکن انہیں ان کے فہم ردی پر بھی تو محمول کیا جا سکتا ہے. سوال دین میں نیۃً فساد پیدا کرنے کے بارے میں ہے کہ جس طرح مولوی احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تین عبارات کو ان کی کتاب تحذیر الناس کے مختلف مقامات سے لے کر ایک عبارت بنایا ہے اور انہیں ایک اپنی ترتیب دی ہے جو مولوی احمد رضا خاں کی بدنیتی کا ایک کھلا ثبوت ہے. کیا مولوی عبدالسمیع بھی اسی طرح بدنیت تھے یا یہ اس کی خود ساختہ توجیہات محض اس کی کم علمی کے باعث اس سے صادر ہوئیں؟

جواب: مولانا احمد رضا خاں مولوی عبدالسمیع رامپوری کو اپنا بڑا بھائی کہتے تھے. ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنی جگہ کوئی نیک نیت شخص معلوم نہیں ہوتا. اس کی ہم اس وقت صرف ایک مثال آپ کے سامنے لاتے ہیں.

مروجہ رسم میلاد کے خلاف علماء کا ایک فتویٰ مطبع ہاشمی سے چھپا تھا. مولوی عبدالسمیع اس کی عبارات بار بار اعتراض کے عنوان سے لکھتا ہے ایک اعتراض ملاحظہ ہو:۔

> صہ ۱۳ پر ایک عالم نے تحریر فرمایا ہے " یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی جو عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس وجہ سے قیام کرنا وقت وقوع ولادت شریفہ کے ہونا چاہیے. اب ہر روز کون سی ولادت متعدد ہوتی ہے...... اس امر کی شرع

میں کوئی نظیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے[1]

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عالم جس کی بات مولوی عبدالسمیع نے یہاں نقل کی ہے اس نے یہ بات علیٰ وجہ الالزام کہی ہے نہ کہ علیٰ وجہ الاعتراف — یعنی اگر تم اس پر قیام کرتے ہو کہ حضورؐ دنیا میں تشریف لائے تو ایسا تو صرف ولادتِ شریفہ کے وقت ہو سکتا تھا. ہر ربیع الاول میں تو آپ کی ولادت نہیں ہوتی یہ ذکر ولادت پر عین ولادت کا معاملہ کیا.

مولوی عبدالسمیع رامپوری اس عبارت کو علیٰ وجہ الالزام سے نکال کر علیٰ وجہ الاعتراف میں لے آتے اور اس پر یوں گویا ہوئے :-

"الحمد للہ آپ کی زبان سے اتنا تو نکلا کہ قیام کرنا وقت ولادت شریفہ کے ہونا چاہیئے"[2]

اب یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ مولوی عبدالسمیع صاحب اپنی اس عبارت میں غلط فہمی کے مرتکب ہوئے یا "بدنیتی" سے مانعین کو "قیام کرنا چاہیئے" والوں کے ساتھ ملا دیئے ہیں.

پھر یہی نہیں اب ان کے پیروؤں نے اپنی بات چلانے کے لیے ص۲۳۲ کی اس عبارت پر لفظ ولادت کے اوپر بین السطور لفظ ذکر بھی لکھ دیا ہے اور اب عبارت یوں گئی جسے کسی بھی توجیہ سے مانعین کی بات نہیں کہا جا سکتا. یہ خیانت علی الخیانۃ ہے مولوی احمد رضا خاں اپنے اس بڑے بھائی کی خیانت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے بھی تحذیر الناس کے ص۱۳ کی عبارت کو ہی بے محل کیا.

مولوی عبدالسمیع نے صرف یہیں نہیں بلکہ بار بار مانعین پر اس تسلیم قیام کی تہمت رکھی ہے ص۲۳۵ کی دوسری سطر دیکھیئے :-

"پس جب کہ آپ قائل ہوئے کہ وقوع ولادت میں قیام ہونا چاہیئے"

پھر آگے ص۲۳۶ سطر ۱۲ میں لکھتے ہیں :-

---

[1] انوار ساطعہ ص۲۳۱ [2] ایضاً ص۲۳۲

الحاصل جب آپ قائل ہو چکے کہ اصل حقیقت یعنی وقوع ولادت شریف میں قیام ہونا چاہیئے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اس امر میں حق پر ہیں۔

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ مانعین کی بات جو محض وجہ الالزام تھی مولوی عبدالسمیع نے بدنیتی سے کیسے علی وجہ الاعتراف کے طور پر لکھ دی ہے۔ تاہم اتنی بات ہے کہ بریلویوں نے ان دونوں عبارات پر لفظ ولادت کو ذکر ولادت کے الفاظ سے نہیں بدلا نہ ص۲۳۲ کی طرح لفظ ولادت کے اوپر بین السطور لفظ ذکر کا اضافہ کیا ہے۔

حقیقی اور تصوّری وجود کے معاملات اپنے اپنے ہیں

حقیقی وجود اور تصوری وجود کے اپنے اپنے معاملات ہیں۔ بریلویوں کی یہ اصولی غلطی ہے کہ وہ تصوری وجود سے حقیقی وجود کا سا معاملہ کرتے ہیں۔ حضورؐ کی ولادت اسی وقت ہوئی جب اب کئی صدیاں ہو چکی ہیں۔ اہل بدعت نے ساتویں یا آٹھویں صدی سے ولادت کے تصوری وجود پر حقیقت کا معاملہ کیا قیام تعظیم کیا اور اصل اختلاف کھل کر سامنے آگیا کہ وہ تصوری وجود سے حقیقی وجود کا سا معاملہ کرتے ہیں۔ ہر مصر بچہ حقیقت میں رو رہا ہوتا ہے تو ماں اسے دودھ پلا کر خاموش کرتی ہے۔ بیٹا دوسرے شہر گیا ہو تو ماں اس کی تصوری یاد میں کبھی اس کے لیے کھانے نہیں چُنتی۔ تصوری یاد میں حقیقت والا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

قیام تعظیمی کا تعلق وجود حقیقی سے ہے تصوّری سے نہیں

حقیقت میں کوئی بزرگ آئے تو اس کے لیے کھڑا ہونا وہ اس کی مدد کے لیے ہو یا عزت کے لیے یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی بزرگ کی تصوری یاد میں اس کے لیے رستہ بنانا یا جھنڈیاں لگانا یہ کیسا ہے۔

لہ انوار ساطعہ ص۲۳۶

بریلوی دوستوں کی یہ بات بہت مغالطہ آمیز ہے کہ وہ قیام کے حقیقی وجود سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور ولادت پر قیام ثابت کرتے ہیں ہم بزرگوں کی حقیقی تشریف آوری پر ان کی مدد یا عزت کے لیے قیام کرنے کو ناجائز نہیں کہتے بشرطیکہ وہ دائرہ باندھ کر نہ ہو وہ جس میں ان بزرگوں کی طرف سے کچھ اشارہ ہو کہ ہمارے آنے پر تم تعظیماً کھڑے ہو جایا کرو اگر کوئی بزرگ خود اپنے لیے اس تعظیمی قیام کا خواہش مند ہو تو وہ اپنے لیے جہنم کا انتخاب کر چکا۔ ان قباحتوں کے بغیر کسی دوست بزرگ یا غمزدہ کے آنے پر اس کی مدد یا عزت کے لیے قیام کرنا انفرادی صورت میں ہو تو اس میں ہمیں کلام نہیں ہے۔

علامہ خطابی (۳۱۸ھ) صاحب معالم السنن فرماتے ہیں :-

ان قیام المرئوس للرئیس الفاضل والامام العادل والمتعلم للعالم مستحب [۱]

ترجمہ بے شک کسی ماتحت کا اپنے فاضل آقا اور امام عادل کے لیے کھڑا ہونا اور کسی طالبعلم کا کسی عالم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے۔

امام بیہقی رح (۴۵۸ھ) بھی کہتے ہیں :-

القیام علی وجہ البر والاکرام جائز کقیام الانصار لسعد و طلحۃ لکعب [۲]

ترجمہ. بر اور نیکی کے طور پر اور دوسرے کے اکرام کے کھڑا ہونا جائز ہے جیسا کہ انصار حضرت سعد رض کے لیے کھڑے ہوئے اور حضرت طلحہ کعب رض کے لیے کھڑے ہوئے۔

حضرت طلحہ رض کے بارے میں حضرت کعب بن مالک خود کہتے ہیں :-

فقام الیّ طلحۃ بن عبید اللہ یھرول حتی صافحنی وھنّانی۔ [۳]

ترجمہ۔ سو میری طرف حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور خوش آمدید کہی۔

---

[۱] فتح الباری جلد ۱۱ صہ ۴۵ [۲] ایضاً صہ ۴۵ [۳] صحیح بخاری جلد ۲ صہ

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب جو مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے ۷ھ ہجری مدینہ آئے یہ فتح خیبر کا دن تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت جعفرؓ کے آنے کی خوشی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا :-

ما ادری بایہما انا اسر بقدوم جعفر او بفتح خیبر۔[۱]

ترجمہ۔ میں نہیں جانتا کس کام کی خوشی زیادہ سمجھوں (۱) جعفر کے آنے کی یا (۲) خیبر کی فتح کی۔

اس سے امام نووی (۶۷۶ھ) نے آنے والے کے لیے قیام کرنے پر استدلال کیا ہے۔ حضرت علامہ عینی (۸۵۵ھ) بھی قدوم قادم پر قیام کرنے کو مستحب کہتے ہیں۔ آپ نے قیام کے چار پیرائے لکھے ہیں :-

الاول محظور وھو ان یقع لمن یرید ان یقام الیہ تکبرًا وتعاظمًا علی القائمین الیہ والثانی مکروہ وھو ان یقع لمن لا یتکبر ولا یتعاظم علی القائمین ولکن یخشی ان یدخل لعنہ بسبب ذلک مایحذر ولما فیہ من التشبہ بالجبابرۃ والثالث جائز وھو ان یقع علی سبیل ابرو الاکرام لمن لا یرید ذلک ویؤمن معہ التشبہ بالجبابرۃ۔ الرابع مندوبًا وھو ان یقوم لمن قدم من سفر فرحًا بقدومہ لیسلم علیہ اوالی من تجددت لہ نعمتہ فیھنہ بحصولھا او مصیبۃ فیعز بہ بسببھا۔[۲]

ترجمہ۔ ابن رشد کہتا ہے قیام چار ہی پیرایہ میں ہو سکتا ہے (۱) یہ پیرایہ بالکل منع (حرام) ہے کہ قیام اس کے لیے ہو جو اپنے لیے یہ عزت چاہے تکبر کے لیے یا بڑا بننے کے لیے (۲) وہ بطور تکبر اور بڑائی وہ یہ نہ چاہے لیکن اندیشہ ہو کہ وہ اس میں گھر جائے گا اور اس میں بڑے جابر لوگوں سے تشبہ

---

[۱] فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۵۲ مرو المسعو [۲] عمدۃ القاری جلد ۲۲ صفحہ ۲۵۲

ہوگا یہ قیام مکروہ درجے میں ہے (۳) بطور نیکی اور اکرام کسی کے لیے قیام کیا جائے مگر وہ خود ایسا نہ چاہتا ہو اور اس میں جابر حکمرانوں سے تشبہ بھی نہ ہو یہ قیام مباح ہے اور جائز درجے میں ہے (۴) چوتھا پیرایہ قیام مستحب درجے میں ہے یہ اس کے لیے ہے جو سفر سے آئے اور قیام کرنے والا اس کی آنے کی خوشی میں کھڑا ہو تاکہ اسے السلام علیکم کہے یا کسی کو کسی کام میں کامیابی ہوئی اور یہ قیام کرنے والا اسے مبارک دینے کے لیے کھڑا ہوا یا کوئی مصیبت زدہ آیا اور یہ اس کی تعزیت کے لیے کھڑا ہوا۔

اہل سنت کے ہاں قیام کے یہ چار پیرائے ہیں اور ان سب میں جن کے لیے قیام ہوا وہ حسی طور پر سامنے ہے اور یہ قیام کرنے والا بھی وہیں حسی طور پر موجود ہے۔ ان چار پیرایہ ہائے قیام میں کہیں کسی تصوری وجود کے لیے قیام تعظیم نہیں کیا جا رہا۔

علمائے دیوبند بھی اسے جائز سمجھتے ہیں بایں طور کہ اسے ضروری نہ سمجھا جائے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

واعلموا ان القیام للتوقیر رخصۃ او مستحب۔[1]

ترجمہ۔ اور جان لو کہ دوسرے کی عزت اور توقیر کے لیے کھڑا ہونا ماذون یا مستحب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تصور کر کے سامنے لانا اور ایک دائرہ بنا کر آپ کے لیے قیام کرنا قیام کی اس پانچویں قسم کا صحابہؓ و تابعین اور فقہاء و محدثین کے ہاں کوئی پتہ نہیں ملتا۔ احناف کے ہاں یہ چار پیرایہ کا ہی قیام ہے۔ اگر اس کی کچھ گنجائش ہوتی تو علامہ عینیؒ ابن رشد کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد اس پر پانچویں تعظیمی قیام کا ضرور اضافہ فرما دیتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تین پیرائے نقل کیے ہیں لیکن ان میں بھی کسی تصوری وجود کے

---

[1] فیض الباری جلد ۴ ص۱۲

سامنے دائرہ بنا کر قیام کرنے اور سلام پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

والقیام ینقسم الیٰ ثلاث مراتب۔ ۱۔ قیام علیٰ رأس الرجل وھو فعل الجبابرۃ وقیام الیہ عند قدومہ ولا بأس بہ۔ ۳۔ وقیام عند رؤیتہ وھو المتنازع فیہ۔[1]

ترجمہ۔ اور قیام کے تین مراتب ہیں (۱) کسی کے سامنے آنے پر کھڑے ہو جانا جیسا کہ جابر قوموں میں چلا آتا ہے اور (۲) اس کے آنے پر کھڑا ہونا اس میں کوئی حرج نہیں اور (۳) اسے دیکھتے ہی کھڑے ہونا۔ اس قیام میں اختلاف ہے۔

یہ جو دیکھتے کھڑے ہو جانا ہے یہ وہ تعظیم ہے جو اپنے ذہن میں ہی سمائی ہوئی ہے۔

قیام خامس

ایک شخص بیٹھا ہو اور لوگ اس کے ارد گرد کھڑے ہوں جیسا کہ عجمی متکبرین اور بعض سلاطین کا طریقہ ہے یہ ممنوع اور حرام ہے۔

قیام سادس

کسی قابل تعظیم و اکرام شخص کی خاطر اس کے آنے کے وقت کھڑا ہونا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قیام سابع

کسی کو آتا دیکھتے اس کے لیے قیام کرنا یہ نزاعی مسئلہ ہے۔

حنفیہ کے ہاں اس قیام کا کوئی وجود نہیں کہ وہ شخص ابھی سامنے بھی نہیں آیا صرف آرہا ہے اس کے لیے کھڑے ہو جانا۔ ہاں بعض شافعیوں کے ہاں اس کی گنجائش ہے لیکن سب اس پر متفق نہیں ان کے ہاں یہ ایک نزاعی مسئلہ ہے۔ علامہ سبکی صرف اس کی رویت پر قیام جائز سمجھتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری جلد ص

احناف کے ہاں ایک اور تعظیمی قیام جو جائز نہیں

قرآن پڑھتے ہوئے کوئی بزرگ یا استاد یا والد آجائیں تو ان کے لیے تعظیماً قیام نہ کرے
فتاویٰ قاضی خاں سے نقل ہے:۔

قوم یقرءون القرآن من المصاحف او یقرء رجل واحد فدخل علیه
واحد من الاجلة او الاشراف فقام القاری لاجله وما سوی ذلك
لا یجوز۔[1]

ترجمہ: لوگ بیٹھے مصاحف سے قرآن پڑھ رہے ہیں یا ایک شخص قرآن پڑھ رہا ہے
بڑے لوگوں میں سے کوئی ادھر آنکلا اور پڑھنے والا اس کے اکرام میں کھڑا ہو گیا۔
یہ جائز نہیں۔

پڑھنے والے پر قرآن کی تعظیم لازم تھی اس میں اور کسی کی تعظیم کو شامل کرنا وہ بزرگ استاد ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کی تعظیم میں کسی اور تعظیم کو ملانا ہے یا قرآن کی تعظیم سے ہٹ کر اس آنے والے کی عزت کرنا ہے۔ یہ صرف ہمت ہے کہ توجہ قرآن سے ہٹا کر کسی اور پر لگا دی جائے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۵ ص۳۱۶

یوم ولادت منانے کی رسم دو قوموں میں پہلے سے تھی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:

یہ دنیا دو بڑے حصوں میں بٹی ہے۔ مشرق اور مغرب۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان اور ایران مشرق کی آبادیاں ہیں۔ مراکش اور یورپ اور انگلینڈ وغیرہ مغرب کی آبادیاں ہیں مشرق میں ہندوؤں میں جنم اشٹمی کی رسم رائج ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ کرشن کنہیا ہر سال نیا جنم لیتا ہے اور مغرب میں کرسمس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یاد میں ایک تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ سو یوم ولادت منانے میں ہندو اور عیسائی قومیں دونوں پہلے متفق چلی آرہی ہیں اور دونوں اپنے ان تہواروں کو میلے کی صورت میں مناتی ہیں اور عید کی طرح خوشی کرتی ہیں۔

ہندو کرشن کنہیا کے جنم کی خوشی کرتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یاد میں خوشی مناتے ہیں۔ مسلمانوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت منانے کی رسم کب سے شروع ہوئی؟ ساتویں صدی ہجری میں آپ یہ پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے اس عمل میں کہیں ان دونوں قوموں کے اجماع مرکب میں تو شامل نہیں ہو رہے۔ اس پر ہمارے بریلوی بھائیوں کو خالی الذہن ہو کر سوچنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔[1]

ترجمہ: جو کسی قوم سے (ان کے خاص مذہبی شعار میں) تشبہ کرے وہ انہی میں سے ہے۔

بریلوی اس کے جواب میں کیا کہتے ہیں اسے بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

اگر خدانخواستہ مسلمان لوگ نصاریٰ کے بڑے دن کو ان کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو شعار اس قوم کا ہے اس میں شرکت لازم آتی اور مانند ان کے ہو جاتے۔[2]

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۰۳ [2] انوار ساطعہ ص ۱۲۴

نصاریٰ کے وہ افعال کیا ہیں جو وہ کرسمس کے موقعہ پر کرتے ہیں :۔

(۱) اس دن لوگ کام نہیں جاتے حکومت کی طرف سے چھٹی ہوتی ہے۔

(۲) مسیحی قومیں اس دن اچھے لباس میں نکلتی ہیں۔

(۳) صبح گرجوں میں جاتے ہیں اور وہاں بائبل پڑھی جاتی ہے۔

(۴) ولادتِ مسیح کی خوشی کے طور پر بازاروں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔

(۵) رات مکانوں اور دکانوں پر چراغاں کیا جاتا ہے۔

(۶) دوستوں کے کھانے پینے کی دعوتیں کی جاتی ہیں۔

(۷) کرسمس فادر کے نام سے چوکوں میں پتلے رکھے جاتے ہیں۔

(۸) گرجوں سے جلوس کی شکل میں نکلتے ہیں۔

(۹) اعزہ و اقارب کو کرسمس تحفے دیتے ہیں۔

(۱۰) شراب کی محفلیں لگتی ہیں اور مے برسرِ عام پی جاتی ہے۔

بریلوی کہتے ہیں کہ ہم گیارہویں اس لیے کرتے ہیں کہ ان سے تشبہ نہ رہے وہ صرف دس میں بند ہو کر رہ گئے ہیں پھر ہم ان دس میں بھی ان سے مختلف ہیں تو ہم کس طرح نصاریٰ کے تشبہ میں آجاتے ہیں. ہمارے افعال اور ان کے افعال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ میلادِ مسیح منانے گرجوں میں جاتے ہیں ہم میلاد النبی کی محفلیں مسجدوں میں کرتے ہیں۔ وہ بائبل پڑھتے ہیں ہم قرآن پڑھتے ہیں. وہ راستوں میں مسیح کی تصویریں آویزاں کرتے ہیں ہم تصویر کے سرے سے خلاف ہیں ہاں جھنڈیاں ہم ضرور لگاتے ہیں.

ہم کہتے ہیں کہ میلادِ مسیح پر ان کے افعال میں اور عید میلاد النبی پر ہمارے افعال میں گو کتنا فاصلہ ہو مگر اس مسئلہ میں کہ نبیوں کی ولادت منانا ایک کارِ خیر ہے. کیا اس میں ہم دونوں برابر نہیں. دوسری قوموں سے تشبہ پانے میں ان کے ہر عمل میں موافقت ضروری نہیں. کچھ رسموں میں بھی ہم ان کی راہ پر چلیں تو ہم تشبہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں

بریلویوں کا قرآن سے استدلال

مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری لکھتے ہیں :-

جس طرح قواعد حرب پلٹن اور رسالہ وغیرہ میں ان کے (کافروں کے) یہاں تھے اس طرف (مسلمانوں کے ہاں) بھی اسی طرح کر کے مقابلہ کیا گیا اس کو تشبہ نہیں کہتے۔ یہ آیت کی تعمیل میں ہے :-

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم (پ۲ البقرہ ۱۹۴)

ترجمہ۔ سو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو جیسے اس نے تم پر زیادتی کی۔

اسی طرح ممالک مغرب میں کہ حدود اقوام نصاریٰ سے ملحق ہیں جب وہ لوگ اپنے پیغمبر مسیح کے یوم ولادت میں احتشام و شوکت ظاہر کرتے فخر دکھلاتے تھے اور ضعفاء اسلام وہ ظاہر شوکت دیکھ کر افسردہ خاطر اور خستہ دل ہوتے تھے :. ملوک مصر و اندلس نے بہت رونق و جلال کے ساتھ اپنے نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے روز میلاد ماہ ربیع الاول میں تزک و احتشام ظاہر کیا۔[1]

اس عبارت میں جہاں یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو منانا مسلمانوں میں قدیم سے نہ تھا صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور تک مسلمانوں میں یہ رسم نہ تھی۔ یہ راہ بہت بعد میں نصاریٰ کے عمل کو دیکھ کر اپنائی گئی۔ وہاں یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا میدان عمل وہ علاقہ چاہیئے جہاں کفار کثرت سے آباد ہوں اور وہاں مسلمان ضعفاء کی صورت میں ہوں خالص اسلامی آبادیوں میں اس جوابی کارروائی کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی کہ اس صورت میں یہ اپنے دین میں وہ بات داخل کرنا ہے جو دین میں نہ تھی نہ صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ میں سے

---

[1] انوار ساطعہ ص۱۶۱

کسی نے اسے اختیار کیا تھا۔

پھر مولانا رامپوری کی اس بات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ربیع الاول میں میلاد شریف منانے والوں کے سامنے خلفاء راشدینؓ، صحابہ کرامؓ اور تابعین کرامؒ کی کوئی سنت نہ تھی نصاریٰ کی ایک رسم تھی جس کے جواب میں ملوکِ مصر نے میلاد النبی منانا شروع کیا۔ یہ تشبہ بالنصاریٰ کا ایک قوی ثبوت ہے کہ منانے والوں نے خود ہی اقرار کر لیا کہ اس میں ہمارے پیشِ نظر نصاریٰ کی ہی یہ رسم تھی۔ سو یہ کوئی تشبہ اتفاقی عمل نہیں۔ یہ نیۃً ان کی پیروی میں ہی اختیار کیا گیا۔۔۔ اور تشبہ کس کو کہتے ہیں نصاریٰ اسے ایک دینی نسبت سے مناتے تھے اب مسلمانوں نے بھی اسے اپنے دین میں ایک کارِ خیر سمجھ لیا ہے۔

کافروں کی ہتھیاروں کی نمائش میں بھی ان کا تشبہ نہ کریں

مشرکین نے ایک درخت پر ایک خاص دن ہتھیار لٹکانے کی رسم قائم کر رکھی تھی اسی دن وہ اس پر ہتھیار لٹکا کر اس کے گرد مجلسیں کرتے سرور و مسرت کا اظہار کرتے اور اسے عید کی طرح مناتے تھے۔ اس درخت کو ذاتِ انواط (جس پر چیزیں لٹکی ہوں) کا نام دے رکھا تھا بعض صحابہؓ نے کافروں کی اس رسم کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر فرما دیں تاکہ کافروں کی اس حربی شوکت کے مقابلہ میں ہم بھی اپنی شوکت ظاہر کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بہت ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا کیا تم بھی ان لوگوں کی طرح ہو گئے جنہوں نے موسیٰ سے کہا تھا:۔

اجعل لنا الٰھاً کما لھم اٰلھۃ۔ (پ۹ الاعراف ۱۳۸)

ترجمہ۔ آپ ہمارے لیے بھی ایک الٰہ مقرر کر دیں جیسا کہ ان کے الٰہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہتھیاروں کی نمائش میں اپنی شوکت ظاہر کرنے میں بھی دوسری قوموں سے تشبہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

آپ اس حدیث کی روشنی میں انصاف فرمائیں کہ مولانا عبدالسمیع رامپوری کا قرآن کی آیت سے یہ استدلال کہ تم بھی ایسا کرو جیسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں یہ عقیدہ کہاں تک درست ہے. ہمیں تو اس میں مولانا رامپوری کے جہل کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا. آنحضرتؐ نے تو درخت ذات انواط کے تشبہ سے یکسر روک دیا تھا. یہاں اس روایت کو ملاحظہ فرمائیں :-

عن ابی واقد اللیثیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خرج الیٰ حنین مر بشجرة للمشرکین یقال لہا ذات انواط یعلقون علیہا اسلحتہم قالوا یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواط کما لہم ذات انواط فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ هذا کما قال قوم موسیٰ اجعل لنا الٰهاً کما لهم آلهة.[1]

ترجمہ حضرت ابی واقد اللیثیؓ (۶۸ھ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کی طرف نکلے تو آپ مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گزرے جسے ذاتِ انواط کہا جاتا تھا مشرکین اس پر اپنے ہتھیار آویزاں کرتے تھے بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کی آپ ہمارے لیے بھی ہتھیاروں کی نمائش کے لیے کوئی جگہ مقرر کردیں جیسا کہ ان کے لیے یہ درخت ہے. آپ نے فرمایا سبحان اللہ (اللہ پاک ہے کہ اس کے ماننے والے مشرکوں کی پیروی میں آلگیں) یہ تو اسی طرح ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ آپ ہمارے لیے بھی کوئی معبود ٹھہرا دیں جیسا کہ ان مشرکین نے اپنے اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں۔

مسند امام احمد جلد ۸ صفحہ ۲۰۸ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بیری کا درخت تھا. کان للکفار سدرة یعکفون عندها اور مسلمانوں نے ایک دوسرے سدرہ سے گزرتے حضورؐ سے یہ گذارش کی تھی کہ ان کا موضوع صرف ہتھیار لٹکانے کی شوکت قائم کرنے کا تھا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی اجازت نہ دی.

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۱

ہندوستان میں انگریزوں نے ۱۲ ربیع الاول کو میلاد النبی مقرر کیا

ہندوستان میں گو ہندو صدیوں سے جنم اشٹمی منا رہے تھے. کرشن کنہیا کا یوم جنم ہر سال بڑے تزک و احتشام اور رونق سے مناتے لیکن مسلمان ان سے متاثر نہ ہوئے. انہوں نے انہیں دیکھ کر اپنے میں ایک خاص دن میلاد النبی منانے کی راہ اختیار نہ کی. مفتوح قوموں کی عادتیں فاتحین کے لیے کبھی سامانِ جذب نہیں بنتیں. لیکن فاتح اقوام کی عظمت کمزور ذہنوں میں خواہ مخواہ گھسی چلی جاتی ہے. ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے تو ہندوستان کے مسلمان متاثر نہ ہوئے لیکن انگریزوں کے کرسمس کی پیروی ان کے لیے چنداں معیوب نہ تھی کیونکہ یہ ایک فاتح قوم کا عمل تھا. انگریزوں نے میلاد النبی کی ۱۲ ربیع الاول ان کے لیے مقرر کی تا وہ عیدین کی طرح اس دن بھی خوشی منائیں انگریزوں نے اپنے حقوقِ خدمت میلاد النبی کی خوشی کے لیے موقوف اور اس دن ان کی چھٹی کا اعلان کرایا۔

مولانا احمد رضا خاں کے بڑے بھائی مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں:-

اس وقت میں جو حکام فرمانروا انگریز ہیں کہ ان کو کچھ علاقہ تعظیم و آداب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بایں ہمہ انہوں نے اپنی کچہری اور محکمہ میں جابجا اہلِ اسلام کے لیے مثل عید اور بقر عید کے ایک دن چھٹی اور تعطیل کا واسطے خوشی میلاد حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں تاریخ ربیع الاول کو مقرر کر رکھا ہے. افسوس صد افسوس کہ انگریز، کام کاروبار ضروری میں اپنے حرج منظور کریں اور اپنے حقوق خدمت اور کارگزاری کو اس روز (میلاد النبی کے) واسطے بجا آوری مراسم فرحت و سرور و تعظیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے موقوف کریں اور یہ لوگ اس کے مقابل (انگریزوں کی اس تحریک کے مقابل) زبان مبارک سے فرما دیں کہ یہ فعل بدعت ہے۔[۱]

---

۱ انوار ساطعہ ص ۱۷۰

بریلویوں کو سوچنا چاہیئے تھا کہ جب انگریزوں کو حضور پیغمبر اسلام کی تعظیم سے کوئی اعتقادی تعلق نہیں پھر وہ میلاد النبیؐ کے مراسم فرحت و سرور میں کیوں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اگر وہ سوچتے تو پا لیتے کہ ان کی خواہش ہے کہ کسی طرح مسلمان ان رسوم میں گھر جائیں جن میں نصاریٰ کرسمس پر گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں یہ رسم انگریزوں نے تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں جاری کی تھی۔ انوار ساطعہ ۱۳۰۰ھ ہجری میں لکھی گئی تھی۔ اس طرح یہ بھی پتہ چلتا ہے اسے عید کی طرح منانے کا جذبہ بھی پہلے انگریزوں کے دلوں میں اُبھرا تھا اور انہوں نے اس دن کی چھٹی اسی لیے مقرر کی کہ مسلمان اسی دن کو منانے میں وہ سب کام کر گزریں جو نصاریٰ کرسمس پر کرتے ہیں۔

عیسائیوں کا حضرت عیسیٰؑ کو ان کے ذکر کی اپنی محفلوں میں حاضر سمجھنا

یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے کہ ان کے ہاں جو مجلس حضرت مسیح کے نام پر منعقد کی جاتی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود تشریف لے آتے ہیں۔ انجیل متی میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :-

جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں۔[1]

بریلوی بھی اپنی محافل میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح حاضر کرتے ہیں :-

اٹھو بہر تعظیم اے اہلِ محفل نبی جلوہ فرما ہوا چاہتا ہے[2]

حضورؐ کے جلوہ فرما ہونے سے مراد آپ کی اس مجلس میلاد میں تشریف آوری ہے۔ پھر یہ لوگ اس تصور میں کہ حضورؐ آ گئے ہیں سب تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں نے اس لائن پر لگایا کہ وہ اپنے نبی کا میلاد منائیں اور اس کے لیے انہوں نے ۱۲ ربیع الاول کی چھٹی سرکاری طور پر مقرر کر دی۔ جو مسلمان ان کی باتوں میں

---

[1] انجیل متی باب ۱۸ آیت ۲۰ [2] قبالہ بخشش صد ۹۳

آگئے۔ ان کا بھی یہ عقیدہ ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی محفلِ میلاد میں تشریف لاتے ہیں میلاد النبی اور میلاد مسیح میں یہ قدر مشترک ہے۔

بریلویوں کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش

بریلویوں نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لیے کہ انگریزوں نے خود مسلمانوں کے لیے بارہ وفات کی چھٹی مقرر کی تاکہ وہ میلاد مسیح کی طرح سالانہ میلاد النبی منائیں انہوں نے یہ چھٹی منظور کرانے کا یہ سہرہ اپنے مولوی محمد نور بخش توکلی (۱۳۶۷ھ) کے سر پہ باندھا اور اس کے لیے اپنے دو عالموں کی گواہی پیش کر دی۔

ان کے مولوی عبدالحکیم شرف قادری پروفیسر نور بخش توکلی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں ،۔

> آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہند وپاک میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی۔[۱]

ان کے دوسرے عالم علامہ اقبال احمد فاروقی بھی نور بخش توکلی کے ذکر میں لکھتے ہیں :۔

> آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں ۱۲ وفات کو عید میلاد النبی کے نام سے تبدیل کرانے کی جدوجہد کی اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ سے اس مقدس دن کی تعطیل منظور کرائی۔ آج یہی تعطیل خدا کے فضل سے اسلامیانِ پاکستان کی ایک اہم تقریب میں تبدیل ہوگئی ہے۔[۲]

جناب نور بخش توکلی کی وفات ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء ہوئی مولانا عبدالسمیع رامپوری مولانا احمد رضا خاں سے بھی پہلے ہوئے ہیں۔ مولانا عبدالسمیع نے ۱۳۰۰ھ میں انوارِ ساطعہ لکھی۔ اس میں صلا پر آپ یہ لکھ چکے کہ یہ ۱۲ ربیع الاول کی تعطیل انگریزوں کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اب اس کا سہرہ پروفیسر نور بخش توکلی (۱۳۶۷ھ) کے سر پہ کیسے باندھا جا سکتا ہے یہ تاریخ کو مسخ کرنے کی بڑی جرأت ہے۔

---

[۱] تذکرہ اکابر اہل سنت ص۵۵۹ [۲] مقدمہ تذکرہ سیدنا غوث اعظم ص۸

مسلمانوں کو کرشن کنہیا سے بھی وہ پہلے کی سی نفرت نہ رہی

جب مسلمانوں نے انگریز حکومت کی تحریک پر میلا دالنبی منانا اختیار کیا تو اب انہیں ہندوؤں کی جنم اشٹمی سے بھی وہ زیادہ بعد رہا جو پہلے تھا۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے پیروؤں کو ان قوموں کے قریب کرنے کے لیے کرشن کنہیا کے سینکڑوں جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اختیار کر لیا اور پھر یہ وقت بھی آیا کہ بریلویوں نے اپنے بزرگوں کے لیے بھی کئی جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ وضع کر لیا۔ مولانا احمد رضا خاں ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

> کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا۔ فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو تو کیا تعجب ہے۔[1]

ہم اس وقت یہ نہیں کہتے کہ فتح محمد کو تو چند جگہ حاضر و ناظر مانا لیکن کرشن کنہیا کو کئی سو جگہ۔ یہ کیوں ؟ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کرشن کنہیا مولانا احمد رضا خاں کے دل میں گھسا ہو۔ اس وقت آپ صرف یہ دیکھیں کہ :۔

کرشن و کنہیا کو کافر بھی تسلیم کیا جا رہا ہے اور اسے حاضر و ناظر بھی مانا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک حاضر و ناظر ہونا کوئی کمال نہ تھا ان کے نزدیک یہ ایک ایسی صفت ہے جو کافروں میں بھی ہو سکتی ہے اور علم غیب بھی ان کے ہاں کوئی روحانی کمال نہ تھا۔ ان کے عقیدہ میں علم غیب ایک گدھے کو بھی ہو سکتا ہے۔ آپ نے ایک دفعہ اپنے پیروؤں کو بتایا۔

> دیکھا ایک شخص ہے اس کے پاس ایک گدھا ہے اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے ایک چیز ایک شخص کی دوسرے پاس رکھ دی جاتی ہے۔ اس گدھے سے پوچھا جاتا ہے گدھا پوری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی ہے سامنے جا کر سر ٹیک دیتا ہے۔۔۔۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی

---

[1] ملفوظات حصہ ۱ صـ۱۱۹

ہے انسان کے لیے کمال نہیں اور وہ جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی ہے مسلم کے لیے کمال نہیں یعنی کشف۔[1]

نبیوں کے کمالات کو ادنیٰ مخلوق پر قیاس کرنا بے ادبی ہے

عقائد کتاب و سنت سے ثابت کیے جاتے ہیں نہ کہ قیاسات سے۔ بریلویوں نے اپنے امتیازی عقائد جیسے انبیاء کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اور کشف غیب وغیرہ کا عقیدہ انہوں نے ادنٰے مخلوقات کی صفات پر قیاس کرنے کی وہ کوشش کی ہے کہ اسے ذکر کرتے ہر صاحب ایمان کانپ اٹھتا ہے اور ان کی گستاخی اور بے ادبی کی یہ انتہا کسی سے دیکھی اور سُنی نہیں جاتی۔ مثلاً یہ بیان کرکے کہ شیطان بیک وقت مشرق و مغرب میں اپنی کاروائیاں کرتا ہے تو جب وہ ہر جگہ پہنچتا ہے تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر جگہ پر نظر رکھتے ہوں تو اس سے کیا وجہ انکار ہے (استغفر اللہ العظیم) حضورؐ کی وسعتِ نظر کو شیطان پر قیاس کرکے ثابت کرنا یہ بڑے ہی دل گردے کی بات ہے۔ مسلمان تو کبھی ایسا حوصلہ نہیں رکھتا۔ مولوی عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں :۔

> دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا۔۔۔۔ پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمین پر یا چند موضع و مقامات پڑ جائے اور ترشح انوار فیضانِ احمدی سے کل مجالسِ مطہرہ کو ہر طرف مثل شعاع شمسی محیط ہو جائے تو کیا محال اور کیا بعید ہے۔[2]

---

[1] ملفوظات حصہ ۴ صلا [2] انوار ساطعہ ص۵۷

اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک و ناپاک اور مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ کا نہیں دعوے کرتے. ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ مقامات پاک ناپاک کفر اور غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔[1]

اس پر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری لکھتے ہیں :۔

ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا۔ اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے..... ثابت کرنا کسی عاقل کا کام نہیں اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں بلکہ قطعی ہیں. قطعیات نصوص سے ثابت ہوتی ہیں۔[2]

اس طرح گدھے میں علم غیب مان کر پھر اسے انبیاء و اولیاء کے کمالات میں لانا بھی نبیوں اور ولیوں کی سخت بے ادبی ہوگی۔ یہاں ہم اس وقت مسئلہ حاضر و ناظر یا علم غیب سے بحث نہیں کر رہے یہ بات ضمناً آگئی تھی. اصل بات یہاں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں انگریزوں کی ہندوستان میں میلاد النبی منانے کی تحریک بالآخر کرشن کنہیا کو بھی مسلمانوں کے قریب لے آئی اور انہوں نے برملا کرشن کنہیا کے کئی جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ بنالیا۔

میلاد النبی کو جنم اشٹمی کے قریب کرنے کی ناروا حرکت

ہندوؤں کا عقیدہ کرشن کنہیا کی صدیوں پہلے کی ولادت کی یاد منانے کی نہیں وہ ہر سال کرشن کا نیا جنم مانتے ہیں اور اس کو وہ جنم اشٹمی کا نام دیتے ہیں ان کے ہاں اس نئے جنم سے کچھ لمحے پہلے پہلا جنم ختم ہوتا ہے اور کرشن کنہیا دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سو ضروری تھا کہ وفات اور ولادت کے لیے ایک ہی دن مقرر کیا جائے اور انہوں نے وہ کر لیا۔

جاہل مسلمانوں نے ۱۲ ربیع الاول کو یہی عقیدہ دہرایا اور انہوں نے یہ نہ سوچا کہ اس عقیدہ

---

[1] انوار ساطعہ ص۵۷ [2] براہین قاطعہ ص۵۵

میں کیا وہ ہندوؤں کی جنم اشٹمی کے قریب تو نہیں جا رہے۔ ان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میلاد میں اس منقبت کو سنو:۔

نبی آج پیدا ہوا چاہتا ہے ۔۔۔ یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے
خریدے گا عصیاں کو رحمت کے بدلے ۔۔۔ خریدار پیدا ہوا چاہتا ہے [1]

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ گنہگاروں کے گناہ حضورؐ اپنے ذمہ لیں گے حضورؐ کی شفاعت سے ان کے گناہ معاف ہوں گے۔ یہ معاذ اللہ حضورؐ پر نہ لادے جائیں گے۔ یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے کہ گنہگاروں کے گناہ حضرت مسیح نے اپنے ذمہ لیے اور ان کی مزدوری بصورت موت ادا کر دی۔ بریلویوں نے حضورؐ پر جو گناہ خریدنے کا بہتان باندھا ہے یہ ان کی بڑی زیادتی ہے اور مسلمانوں کو مسیحی فکر کے قریب کرنے کی ایک گہری سازش ہے۔ تیسری جلد میں اس پر ایک بحث پہلے آچکی ہے۔

ذکر ولادت آنحضرتؐ ہر مسلمان کے نزدیک مندوب و مستحسن ہے

علماء دیوبند ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ مندوب و مستحسن مانتے چلے آئے ہیں لیکن اسی پیرایہ میں جو صحابہ و تابعین میں تعلیم و تبلیغ اور درس و تدریس کی صورت میں قائم تھا اسے ایک یوم کی تعیین سے منانا مسلمانوں میں انگریزوں اور ہندوؤں سے آیا۔ حضرت سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:۔

ذکر ولادت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم مستحسن ہے۔ [2]

تعیین مطلق کا بدعت ہوتا ہے۔ [3]

رہا نفس ذکر وہ سب کے نزدیک مندوب ہے۔ [4]

معاذ اللہ فخر عالم کی ولادت کو کوئی برا نہیں کہتا ۔۔۔ کو برا جانتے ہیں۔ [5]

جو مباح و مندوب اپنی حد سے نکل کر مکروہ و بدعت ہو گیا وہ ممنوع ہے۔ [6]

---

[1] قبالہ بخشش صہ ۹۲ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد [2] براہین قاطعہ صہ ۳ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً صہ ۱۶۲ [6] ایضاً صہ ۱۶۲

ولادت اور وفات کو ایک دن کرنے کی ضرورت

ہندوؤں کا جنم اشٹمی آپ جان چکے ہیں. کرشن کنہیا کا نیا جنم اس کی سالانہ وفات کے متصل بعد ہونا ضروری تھا لیکن مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ نہیں. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بے شک ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی اور انگریزوں نے مسلمانوں میں یہی دن بارہ وفات منانے کا ٹھہرایا. معلوم نہیں میلاد النبی منانے والوں کو کیوں یہی تاریخ پسند آئی کہ انہوں نے آپ کی تاریخ ولادت بھی ۱۲ ربیع الاول مقرر کر لی اور اور پھر اسی کو عید میلاد النبی کا عنوان دے دیا گیا اس میں ہندوؤں کی جنم اشٹمی کی پیروی کیوں ضروری سمجھی گئی. ہم اس وقت اس پر کچھ نہیں کہتے. ہاں ہم ضرور کہے دیتے ہیں کہ تاریخی طور پر حضورؐ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاول کو نہ تھی ۹ ربیع الاول کو ہوئی تھی.

آنحضرتؐ کی تاریخ ولادت ۱۲ نہیں ۹ ربیع الاول تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیر کے دن (سوموار کو) ہوئی اس پر سب محدثین کا اتفاق ہے. آپ کی پیدائش کے سال تقویم کی رو سے ۱۲ ربیع الاول کسی طرح سوموار کا دن نہیں بنتا جمعرات کا دن بنتا ہے سوموار ۹ ربیع الاول کو تھا. سو یہ بات صحیح نہیں کہ حضورؐ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی. ۱۲ ربیع الاول آپ کی وفات کی تاریخ تھی پیدائش ۹ ربیع الاول کو تھی. انگریز بارہ وفات کا لفظ آپ کی پیدائش پر ہی بولتے رہے اور یہی دن انہوں نے چھٹی کا دن ٹھہرایا ہوا تھا. نور بخش توکلی نے اسے بارہ وفات کہنے کی بجائے عید میلاد النبی کہنے کی طرح ڈالی اور وہ اس پر مصر رہا کہ آپکی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو ہی ہوئی. ولادت اور وفات کو ایک دن پر لانا اس کی مسلمانوں کو ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی. جنم اشٹمی منانے کے لیے یہ ہندوؤں کی ضرورت ہے کہ وہ کرشن کنہیا کے مٹ جانے اور پھر جنم لینے کو ایک ہی دن میں لائے تاکہ وہ جنم اشٹمی کے عقیدہ کو قائم رکھ سکیں.

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی ان تصریحات کے باوجود جو بریلوی مذہبی حلقوں میں یہ غلط پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ علماء دیوبند ذکر ولادت فخر دو عالم کو مندوب و مستحسن نہیں مانتے۔ یہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم اور دیانت داری سے محروم کر رکھا ہے۔ نفس ذکر تو سب کے نزدیک مندوب و مستحسن ہے۔ ہاں جو مباح و مندوب اپنی حد سے نکل کر کوئی دوسری ہیئت اختیار کرلے تو اب وہ مباح و مندوب نہ رہا مکروہ اور بدعت ہوگیا یہ بات اصول میں طے ہو چکی ہے کہ تعیین مطلق بدعت ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اصنعوا لآل جعفر الطعام اہل علم سے مخفی نہیں اس کی رو سے حادثہ موت پر اہل میت کو طعام دینا اول روز مستحب تھا بسبب رسم کے مکروہ ہوگیا۔

سنن ابن ماجہ میں ہے :-

قال ابو عبد اللہ فما زالت سنة حتی کان حدیثاً فترك [1]

ترجمہ۔ یہ عمل برابر سنت چلا آرہا تھا یہاں تک کہ (ہیئت عمل بدل گئی اور) وہ بدعت ہوگیا اور اس پر وہ متروک ٹھہرا۔

معاذاللہ! فخر عالم کی ولادت کو کوئی برا نہیں کہتا مناکیر کو برا جانتے ہیں جن کی وجہ سے اصل مسئلہ اپنی اصل صورت میں نہیں رہا تھا۔ حافظ ابو عبد اللہ ابن ماجہ (۲۷۳ھ) کی اس بات کا فقہاء اور محدثین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ سو اس سے چارہ نہیں کہ ہم اس پر فقہاء محدثین کا اجماع تسلیم کریں۔ یہ جائز کاموں کی بدعت بننے کی دوسری وجہ ہے اسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یہاں ہم مسئلہ تشبہ بیان کر رہے ہیں کہ عمل کی ہیئت نہ بھی بدلے صرف دوسری قوموں کی مشابہت لازم آرہی ہو تو بھی مسئلے کا حکم بدل جاتا ہے

ہندوؤں کا جنم اشٹمی اور عیسائیوں کا کرسمس دونوں ان کے مذہبی شعار ہیں

ہمیں دوسری قوموں کی مشابہت سے مطلقاً منع نہیں کیا گیا ہمیں صرف ان کے مذہبی شعار

[1] سنن ابن ماجہ صـ ۱۲۳

میں تشبہ سے روکا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے دین میں ایک دوسروں کی بات کو داخل کرنا ہے۔ ان کی ایک مذہبی رسم میں مشابہت کرنا ہے وہ کرشن کنہیا کا جنم منائیں اور ہم اپنے نبی کے یوم ولادت پر میلے لگائیں

خاص ولادت کے دن ولادت کی خوشی کا التزام

اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں خاص ولادت کے دن میلاد النبی کی خوشی کا اجتماعی اظہار کہیں نہیں پایا گیا۔ سو جو حضرات بھی ولادت کی خوشی کرتے تھے اسے تاریخی حقیقت کے اظہار کے طور پر کرتے تھے اور بہ پیرایہ درس و تدریس اس کا چرچا جاری تھا۔ پھر جب اس میں قیود لگتی گئیں اور اہتمام بڑھتا گیا تو اس نے ایک تہوار کی صورت لے لی اور ہندوستان میں انگریزوں نے مسلمانوں کو اس دن چھٹی منانے پر آمادہ کیا یہاں تک کہ بعض جاہل اسے ایک تیسری عید سمجھنے لگے تب علماء حق کے لیے ضروری ہو گیا کہ ان بدلے حالات میں محض صیانت شریعت کے لیے وہ حکم شرعی جاری کریں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری لکھتے ہیں :۔

> اس وقت کی مجالس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہوتا تھا اور نفس ذکر ولادت کو محبب اور کوئی عالم منع نہیں کرتا۔ اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح اتفاقی تھا اس پر تاکد کا گمان نہ تھا۔ اب جو قلوب عوام میں تاکد و وجوب راسخ ہوا تو مکروہ ہو گیا گاہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اسی وقت اباحت موجودہ کا خیال ہوتا ہے اور مآل کاری مفسدہ پر دھیان نہیں ہوتا تو اس وقت جواز کا فتوے دیتے ہیں اور پھر آخر میں اس میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت ممنوع ہو جاتا ہے۔ بس تعامل ان لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا البتہ قرون ثلثہ کا تعامل ہو جاتا ہے معہذا خود امر منصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب اس تاکد کے مکروہ ہو جاتا ہے جیسے صلوٰۃ ضحیٰ کہ تداعی و اہتمام سے

مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃ ضحیٰ مستحب کو حضرت ابن عمرؓ نے بدعت فرمایا تو بس شیخ عبد الحق اور ابن حجر کی تحریر سے اس حالت موجودہ بہ محفل مروجہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتی۔ گو اس وقت مباح تھی۔[1]

کیا حضرت ابن عمرؓ کو علم نہ تھا کہ آنحضرتؐ نے نماز ضحیٰ پڑھی؟ کیا انہیں پتہ نہ تھا کہ صلوٰۃ ضحیٰ مستحب ہے؟ یقیناً پتہ تھا حضور اکرمؐ چار رکعت نماز چاشت پڑھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کے اصلاً منکر نہ تھے وصفاً منکر تھے کہ نئے حالات میں صلوٰۃ الضحیٰ اپنی اصل صورت میں قائم نہ رہی تھی۔ آپ نے اسے نئے صورت حال میں اسے بدعت کہا۔ معلوم ہوا کسی چیز (گو وہ اصلاً ثابت ہو) کی ہیئت ادا بدل جانے سے بھی اس کا حکم بدل جاتا ہے۔

ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

واما ماصح عن ابن عمر انه قال فی الضحیٰ هی بدعة فمحمول علی انها صلوتها فی المسجد والتظاهر بها کما کانوا یفعلونه بدعة لا ان اصلها فی البیوت ونحوها مذموم او یقال قوله بدعة ای المواظبة علیها لان النبیؐ لم یواظب علیها خشیة ان تفرض۔[2]

اور جو بات حضرت ابن عمرؓ سے صحیح طور پر مروی ہے کہ آپ نے نماز چاشت کے بارے میں فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔ سو یہ اس پر محمول ہے کہ اسے مسجد میں اعلانیہ پیرائے میں ادا کرنا جیسا کہ لوگ کرنے لگ گئے تھے بدعت ہے یہ نہیں کہ اس کا گھروں میں پڑھنا بھی مذموم ہے یا ان کے اسے بدعت کہنے سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت نہ فرمائی بایں خوف کہ کہیں یہ نماز بھی (آپ پر) فرض نہ ہو جائے۔

اس سے بھی یہی پتہ چلا کہ من احدث فی امرنا هذا میں احداث سے مراد کسی چیز کا نئے سرے سے قائم کرنا ہی نہیں۔ کوئی چیز جو اصلاً پہلے سے قائم ہو۔ مگر وصفاً اس میں کچھ نئی قیود

---

[2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صد ۲۴۹

آجائیں یہاں تک کہ اس کی ہیئت بدل جائے تو یہ بھی احداث ہے اور حدیث اس عمل کو بھی مردود ٹھہراتی ہے۔ اور یہ بات وزن نہیں رکھتی کہ یہ عمل اپنی اصل میں جائز تھا اسے بدعت کیوں کر کہا جارہا ہے۔

شیخ عبدالحقؒ کے عہد اور مولانا عبدالسمیع کے عہد میں فرق

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد میں ایسے اعمال کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ میں دو جماعتوں کی کوئی تفریق نہ تھی۔ ولادت بیان کرنے والے اور نہ بیان کرنے والے سب ایک تھے کسی کے ہاں اس عمل کو واجب اور لازم سمجھ کر نہ کیا جاتا تھا اور نہ کہیں تقیید مطلق کی گئی تھی ہر فریق اسے صرف مندوب و مستحسن جانتا تھا۔ لیکن مولانا عبدالسمیع کے دور میں انگریز اس ملک میں آگئے تھے اور وہ مسلمانوں میں اسی طرح میلاد النبی قائم کرنا چاہتے تھے جس طرح ان کے ہاں کرسمس (میلاد مسیح) منائی جاتی تھی۔ اب میلاد النبی اور میلاد مسیح میں تاریخی یاد نہیں تہوار منانے کی ہیئت آچکی تھی۔ تشبہ کے گہرے سائے برابر اس پر نظر آرہے تھے۔

پھر آج بریلویوں سے پوچھو تو وہ میلاد النبی کے دن اظہار عید کرنا اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ماننا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ یاد ولادت اب مندوب و مستحسن نہ رہی افرض الفرائض کے درجہ میں آگئی اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ مندوب و مستحسن پر اگر اس درجے میں اصرار کیا جائے تو اس کا کرنا مکروہ ہو جاتا ہے۔

بریلوی میلاد منانے کو کس افراط میں لے گئے ہیں

آج اگر ان مسائل کے باعث سواد اعظم دو حصوں میں بٹ گئی ہے (اہل بدعت اور اہل سنت) تو کیا پھر بھی اس میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد میں جو عمل مکروہ نہ تھا مندوب و مستحسن تھا آج ناجائز ہو گیا ہے۔ کیا حضورؐ نہیں فرما گئے کہ جو شخص کسی دوسری قوم کے

مذہبی شعار میں اس سے تشبہ کرے وہ انہی میں اٹھایا جائے گا۔ او کما قال النبیؐ

بریلویوں کے قاضی فضل احمد (ھ) لکھتے ہیں:۔

پہلے زمانے میں مولود شریف کرنا صرف مستحسن یا مستحب اور مسنون تھا لیکن اب اس زمانے میں اس کو ضروری تصور کر کے فرض کفایہ تحریر فرمایا ہے۔[1]

ان کے مفتی احمد یار خاں گجراتی لکھتے ہیں:۔

بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہوتے ہیں۔ خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا ہے۔[2]

مفتی صاحب کا جب اپنا تجربہ بھی یہ ہے کہ میلاد شریف کے لیے بڑے شوق سے چلتے ہیں تو عوام کے شوق و ذوق کا آپ خود اندازہ لگالیں اور پھر سوچیں کہ جو کام شیخ عبدالحق رح کے دور میں صرف مندوب و مستحسن تھا اب اس درجے میں فرض کیوں ہو گیا ہے اور اگر لوگوں نے اسے فرض بنالیا ہے تو آج اس کا حکم بدلنا چاہیئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو نماز چاشت کو باوجودیکہ یہ حضورؐ سے ثابت تھی محض ہیئت بدلنے پر ایک رونق پہننے پر بدعت ٹھہرا دیا تھا۔

یہ جو محفل میلاد میں قیام کیا جاتا ہے اسے بریلویوں نے یہاں تک بڑھایا کہ اس پر وہ کفر و سلام کے فاصلے پر پہنچ گئے ہیں۔ ان کے قاضی فضل احمد لکھتے ہیں:۔

ترک کرنا قیام کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استخفاف اور توہین ہے جو کفر ہے۔[3]

مولانا احمد رضا خاں اور ان کے دیگر چالیس علماء نے قاضی صاحب کی اس کتاب کی تصدیق کی ہے۔

---

[1] انوار آفتاب صداقت ص ۲۹۸ [2] جاء الحق حصہ ا ص [3] انوار آفتاب صداقت ص ۴۳۴

اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں

عید الفطر اور عید الاضحیٰ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

وقائع اور فرائض میں فرق

اسلام میں عبادات فرائض میں سے ہیں اور وقائع محض تاریخی یادیں. کسی واقعہ کو ہمیشہ کا تہوار بنانا صرف شریعت سے ہو سکتا ہے اپنے جذبات سے نہیں. تہوار خوشی کا اظہار ہیں فرائض سے عقیدے پختہ ہوتے ہیں اور آخرت سنورتی ہے اور تہواروں میں نسبتیں نکھرتی ہیں اور قومی زندگی بنتی ہے. فرائض ایک ذمہ داری سمجھ کر ادا کیے جاتے ہیں اور تہوار قومی سطح پر اجتماعی خوشیوں کا اظہار ہوتے ہیں بشرطیکہ شریعت نے انہیں اجتماعیت دی ہو.

مسلمانوں کی تاریخی نسبتیں صرف دو پیغمبروں سے قائم ہوئیں. ایک وہ جن کی ہم امت ہیں اور ایک وہ جن کی ہم ملت ہیں. حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے عید الفطر ہماری خوشیوں کا دن ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتساب سے عید الاضحیٰ ہماری خوشیوں کا دن بنی مسلمان درود شریف میں ان دونوں پیغمبروں کو جمع کرتے ہیں اور دونوں سے اپنی نسبت قائم رکھتے ہیں. ایک نسبت سے ہم ایک امت ہیں اور دوسری نسبت سے ہم ایک ملت ہیں.

حضرت انس رض کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو دیکھا. وہاں کے لوگ دو دن خوشی کرتے ہیں. آپ نے ان سے کہا :-

ماھذان الیومان.

یہ دو دن کیا ہیں ؟

انہوں نے کہا ہم عہد جاہلیت میں ان دو موقعوں پر کھیل رکھتے اور خوشی کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

ان اللہ قد ابدلکم بھما خیرًا منھما یوم الاضحٰی ویوم الفطر۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو کے بدلے تمہیں ان میں بہتر دو دن دیئے ہیں۔ یوم الاضحٰی اور یوم الفطر۔

ان دو عیدوں کے سوا مسلمانوں نے اور کسی واقعہ کو ہر سال عود کرنے والی خوشی (عید) نہیں بنایا مختلف واقعات اپنے اپنے وقت میں واقع ہوئے مگر جو شان اس تاریخی دن کی تھی جب حضورؐ پیدا ہوئے وہ ہر سال عود کرنے والی نہ مانی گئی وہ ایک ہی دن تھا جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس کی عظمت کا اختصاص صرف اسی دن سے رہا۔

وہ اوقات جن کا تقدس بار بار لوٹتا ہے

جو خوشی ہر سال لوٹے وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی رہی ان کی ابتدا ایک زائد نماز سے ہوئی عبادت کے اوقات گردش اوقات سے بار بار آتے ہیں۔ جمعہ کا دن بھی ہر سات دن کے بعد آجاتا ہے۔ اور رمضان بھی ہر سال آجاتا ہے۔ یہ دو عیدیں بھی اور حج بھی یہ سب عبادات ہیں جن کے اوقات بار بار لوٹتے ہیں مگر تاریخی وقائع ہر سال نہیں لوٹتے۔ یہ ایک ہی دفعہ واقع ہوئے۔ ان دنوں کی عظمت اسلام میں ہر سال آنے والے ان دنوں کو نہیں دی جا سکتی۔ حضورؐ کے یوم ولادت کی جو شان اور عظمت تھی وہ ہر سال آنے والے ۱۲ ربیع الاول کو نہیں دی جاسکتی۔ ہاں اس دن کا ذکر تاریخی پیرایہ میں آپ جب چاہیں ذکر کر سکتے ہیں۔

تاریخی وقائع جو ایک ہی دفعہ واقع ہوئے

(۱) آنحضرتؐ پر جب وحی کا آغاز ہوا وہ گھڑی کتنی مبارک اور سہانی تھی جو جبریل امین حضور اکرم

---

[1] ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۶۱

صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا میں پہلی دفعہ ملے مگر مسلمانوں میں یہ یوم بعثت آئندہ کسی سال نہ منایا گیا اور اسی دن کی شان کو اور کوئی دن نہ پا سکا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات معراج کی سیر کرائی گئی اس کے لیے کوئی دن بطور تہوار نہیں منایا گیا اور نہ اس رات کا شرف کسی اور رات کو دیا گیا ہے۔ اس رات کی تاریخی یاد تو ہوتی رہی لیکن وہ رات ہیں اپنی شان میں ایک ہی مانی گئی نہ ہر سال آنے والی۔

(۳) جس رات آیت تکمیل دین اُتری (تو ذوالحج) اس سے بڑھ کر اور خوشی کس دن ہو گی لیکن اس دن کی یاد میں اس دین میں کوئی یوم عید نہ رکھا گیا۔ عرفہ کی عظمت پہلے سے قائم تھی اور جمعہ کی فضیلت بھی پہلے سے چلی آ رہی تھی۔ یہودیوں نے کوشش کی کہ مسلمان اس دن ایک تیسری عید قائم کریں۔ لیکن امیر المومنین سیدنا حضرت عمرؓ نے عرفہ اور جمعہ کی عظمتوں اور خوشیوں کا تو ذکر کیا جو پہلے سے قائم تھیں۔ اس آیت تکمیل دین پر کسی تیسری عید کو اسلام میں داخل نہیں کیا گیا۔

(۴) بدر کی فتح مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا سنگ میل تھا اور جہاد کی یہ عبادت بھی قیامت تک چلنے والا اسلامی حکم تھا۔ مگر آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے اس دن کی خوشی کو بھی ہر سال نہیں منایا اور نہ اس سے اسلام کی کسی سالانہ عظمت کی تقویم کی۔

(۵) کیا اسلام میں شب ہجرت کو ہر سال کوئی تاریخی عظمت دی گئی؟ نہیں وہ ایک ہی رات تھی جس میں حضورؐ مکہ سے نکلے۔ آئندہ والی کوئی رات شب ہجرت نہیں کہلا سکتی اور نہ اس گذشتہ رات کی عظمت پا سکتی ہے۔

(٦) فتح مکہ پر مسلمان ایک ملکی سیاسی قوت کے طور پر اُبھرے اسے فتح مبین کہا گیا لیکن اس خوشی کو ہر سال لوٹنے کا تقدس نہیں دیا گیا اور نہ اسلام میں اس عنوان سے کوئی نئی عید منائی گئی۔ اسلام میں عیدیں دو ہی ہیں اس میں کسی تیسری عید کو جگہ نہیں دی گئی۔

ان چھ شہادتوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضورؐ کی ولادت شریف کی یاد میں بھی اسلام میں کسی تیسری عید کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

یہود کی پیشکش مسلمان ایک اور عید منائیں

۹ ذوالحجہ کو آیت الیوم اکملت لکم دینکم (المائدہ) اتری تھی یہودیوں نے حضرت عمرؓ کو اس دن کی یاد میں عید منانے کا مشورہ دیا آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ اسلام میں دو ہی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اب کوئی تیسری عید قائم نہ کی جا سکے گی۔ (دیکھیئے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۳) یوم ولادت ہو یا یوم بعثت۔ شب معراج ہو یا شب ہجرت۔ یوم بدر ہو یا یوم فتح مکہ کسی موقع کی خوشی اسلام میں عید کے پیرائے میں نہیں بتلائی گئی۔ یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایک اور عید کا اضافہ ہو جائے اور ان کے دین میں بدعات محض خوشیوں کی راہ سے داخل ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے سوچا ہو گا آنحضرتؐ کی زندگی کا تو ایک ایک دن ہمارے لیے سرمایہ مسرت ہے تو اب اگر ہم آپ کی یاد میں پورا سال عیدوں میں لگا دیں تو ان مقاصد کی تکمیل کیسے ہو سکے گی جن کے لیے حضور اکرمؐ کی بعثت ہوئی تھی قومیں اپنے مشن میں آگے بڑھتی ہیں وہ میلوں اور خوشیوں میں گم ہو کر نہیں رہ جاتیں۔

قبروں پر سالانہ حاضری دینے کی رسم عید کے پیرایہ میں

بریلوی اولیائے کرام کی قبروں پر عرس کے نام سے سالانہ خوشی کرتے ہیں یہ ان کی عید ہوتی ہے یہ چوتھی عید ہے۔ ہر علاقے میں کوئی نہ کوئی مرکزی مزار ضرور ہوتا ہے جہاں ہر سال عرس کے لنگر چلتے ہیں لغوی اعتبار سے ہر خوشی کو عید کہا جا سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:۔

ویستعمل فی کل یوم فیہ مسرۃ ولذا قیل ؎

عید وعید وعید صرن مجتمعۃ وجہ الحبیب ویوم العید والجمعۃ[1]

ترجمہ: اور لفظ "عید" کا استعمال ہر اُس دن کے لیے کیا جا سکتا ہے جس میں خوشی ہو۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔

؎ عید اور عید اور عید اکٹھی ہو گئیں۔ محبوب کا دیدار، عید کا دن اور جمعہ

---

[1] درمختار مع رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۷۷۴

لیکن جو عید مسلمانوں کا تہوار ہوتی ہے وہ یوم العید کے نام سے معروف ہوئی نہ کہ فقط عید ادبی پیرائے میں یہ لفظ خوشی کے معنی تو دے گا لیکن یہ تہوار نہیں ہوگا. تہوار کو یوم العید کہیں گے. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وصیت میں فرمایا:-

لا تجعلوا بیوتکم قبورًا ولا تجعلوا قبری عیدًا.[1]

ترجمہ. اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (کہ وہاں کوئی نماز نہ پڑھی جائے) اور میری قبر کو تم عید نہ بنا لینا.

قبروں پر میلوں کی چہل پہل بنانا اور ایک معین دن وہاں حاضری دینا جیسا کہ اس دور کے لوگ اپنے گھروں میں ۱۲ ر وفات پر مٹھائیاں بانٹتے ہیں اور چھٹی مناتے ہیں تم میری وفات کی اس طرح خوشیاں نہ منانا. اسے آپ نے قبر پر عید کرنے سے تعبیر فرمایا.

جب آپ نے اپنے روضہ پر بھی سالانہ حاضری (جو عید منانے کے پیرایہ میں ہو جیسا کہ آجکل عرسوں میں ہوتا ہے) کی اجازت نہیں دی تو بزرگوں کی قبروں پر عرس کے نام سے یہ سالانہ میلے کس طرح کار خیر سمجھے جاسکتے ہیں انہیں یہ لوگ گو عید کا نام نہ دیں عرس ہی کہیں لیکن اس کا ثبوت بھی تو کتاب و سنت سے ہونا چاہیئے. اس تخصیص و تعیین سے جو یہ بریلوی لوگ اپنے عرسوں میں بجالاتے ہیں کوئی امر گو وہ اصلاً مباح و مندوب بھی کیوں نہ ہو جائز نہیں رہتا. اہل علم سے مخفی نہیں کہ تعیین مطلق بدعت ہے سو اسلام میں اس چوتھی عید کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں ہے جو عرس کے نام سے برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے ہر بڑے شہر میں منائی جاتی ہے.

مجالس عرس میں عورتوں کی حاضری

مجالس عرس میں حاضری کے لیے جب عورتیں گھروں سے نکلتی ہیں اسی وقت سے اُن پر لعنت اُترنی شروع ہو جاتی ہے. مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:-

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۹ و رواہ النسائی فی السنن الکبریٰ

یہ نہ پوچھو کہ مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور صاحب قبر کی طرف سے جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضہ انور کے اور کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔[1]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

عورتوں کو مزاراتِ اولیاء اور مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔[2]

عورتوں کا قبروں پر جانا بدرجہ رخصت جائز تھا لیکن عرسوں پر عورتوں کی حاضری ایسے حالات پیدا کر گئی کہ اب انہیں مزارات پر جانے کی ممانعت ہے اگر وہ اسے ایک نیکی کا کام سمجھتی ہے تو یہ ایک امر ممنوع کے ارتکاب کے ساتھ ایک بدعت کا ارتکاب بھی ہے۔

مسلمان ساتویں صدی میں اس سالانہ رسم پر آئے

مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں :-

ہر چند وہ تذکرہ (ولادت) دواں آسا تو قدیم سے صحابہؓ سے چلا آتا ہے لیکن یہ سامان فرح و سرور کرنا اور اس کو مخصوص شہر ربیع الاول کے ساتھ کرنا اور اس میں بھی خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا یہ بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں اور اول یہ عمل ربیع الاول میں کرنا تخصیص اور تعیین کے ساتھ ایسا ہی شہر موصل میں ہوا کہ ایک شہر ہے ملک عراق میں۔ وہاں ایک متقی دیندار شیخ عمر جو صلحائے روزگار سے تھے انہوں نے یہ عمل ایجاد کیا یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ سات سو برس سے مولد شریف نکلا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بعض خصوصیات کے ساتھ اتنے دنوں سے ہے۔[3]

---

[1] ملفوظات حصہ ۲ صـ ۱۱۲ [2] احکام شریعت حصہ ۲ صـ ۱۵۵ [3] انوار ساطعہ صـ ۱۶۵

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں :-

مجلس میلاد اگرچہ بدیں ہیئت مجموعی کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدان مطلق نے ایسے عمدہ قواعد کلیہ ایجاد کیے کہ یہ مجلس ان قاعدوں میں داخل ہو گئی مثلاً حضرت امام مالک حدیث کی تعلیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے [۱]

یعنی پہلے ذکر ولادت تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے پیرائے میں ملتا تھا یہ بعد والی ہیئت اسے حاصل نہ تھی۔ امام مالک درس ہی تو دیتے تھے جن تخصیصات سے یہ عمل بدعت ٹھہرا وہ تو نہ بجا لاتے تھے۔ یہ جو اس دن کو عید کا نام دیا گیا یہ اس کے بھی بہت بعد کی ایجاد ہے۔ یہاں سے بریلویوں کے ہاں عید میلاد النبی کی تاریخ ہوتی ہے صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ کے دور میں مسلمانوں کی عیدیں دو ہی تھیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ سو یوم عید صرف انہی دونوں کو کہا جا سکتا ہے۔ بریلویوں کے پروفیسر نور بخش توکلی نے میلاد النبی کو عید کا نام دے کر اسلام میں ایک تیسری عید کا تصور پیش کیا۔ مولوی عبدالحکیم شرف قادری آپ کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

"آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہند و پاک میں بارہ وفات کی بجائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تعطیل ہونا قرار پائی تھی" [۲]

مولوی محمد عمر اچھروی نے تو یہاں تک کوشش کی کہ اس تیسری عید کو ایک نماز شکرانہ بھی مہیا کی جائے اور عام مسلمان اس دن حضور کی پیدائش کی خوشی میں دو رکعت شکرانہ با جماعت ادا کریں مولانا نے گول باغ لاہور میں یہ تیسری نماز عید پڑھائی بھی تھی لیکن اس میں حاضری بہت کم رہی۔

یوم ولادت کو سالانہ منانے والا پہلا شخص

مولوی عبدالسمیع رامپوری کا یہ بیان آپ پڑھ آئے ہیں کہ یوم ولادت کو سالانہ منانے والا پہلا شخص شیخ عمر و تھا۔ اب یہ بھی دیکھیں کہ وہ کس قسم کا شخص تھا اور مذاہب اربعہ میں وہ کس مذہب

---

[۱] انوار ساطعہ صد ۱۸۷ [۲] تذکرہ اکابر اہل سنت صد ۵۵۹

کا تھا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کوئی غیر مقلد ہو۔

بریلویوں کا یہ پیشوا کس قسم کا دیندار تھا

مولانا عبدالسمیع رامپوری نے جو یہ کہا ہے کہ یہ عمل ربیع الاول چھٹی صدی کے آخر میں ایک متقی دیندار شخص نے ایجاد کیا یہ اس عمل کے بہ ہیئت کذائی بدعت ہونے پر ایک کافی شہادت ہے۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

جو شخص کچھ بھی پڑھا لکھا ہو وہ سوچ سکتا ہے کہ جو عمل مسلمانوں میں چھ سو سال تک کہیں دیکھنے میں نہ آیا اور اس میں وہ تین زمانے بھی گزرے جن کو قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر کہا جاتا ہے وہ کس طرح سنت ہو سکتا ہے اور اس کے کرنے والے کس طرح اہل سنت میں جگہ پا سکتے ہیں۔ تاہم نامناسب نہ ہوگا کہ ہم بریلویوں کے اس متقی دیندار کی بھی کچھ خانہ تلاشی لیں جس نے مسلمانوں میں یہ رسم چلائی اور اس پر شاہ اربل نے اسے ایک بڑا انعام دیا۔

رسم میلاد کا بانی عمرو بن دحیہ

میلاد النبی پر پہلی کتاب مولوی عمرو بن دحیہ نے چھٹی صدی کے اخیر میں لکھی اور اربل کے بادشاہ ابوسعید مظفر الدین نے اسے ایک ہزار اشرفی انعام دیا۔ شاہ اربل کے پیچھے کون سا خفیہ ہاتھ تھا جو اُسے مسلمانوں میں رسم میلاد قائم کرنے پر آمادہ کر رہا تھا اسے ہم یہاں چھوڑے دیتے ہیں۔ پہلے یہ پتہ لگائیں

یہ کون تھا جس نے اس نئے دینی کام کی بنیاد رکھی

عمرو بن دحیہ ایک خبیث فطرت غیر مقلد ذہن کا آدمی تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت اہل حدیث (باصطلاح جدید) معرض وجود میں نہ آئے تھے۔ غیر مقلدین بطور فرقہ تیرہویں صدی کی ایجاد ہیں لیکن اس قسم کے لوگ ظاہریہ کے نام سے پہلے بھی کہیں کہیں ملتے ہیں۔ ائمہ فقہ کی شان میں یہ لوگ بہت گستاخ ہوتے تھے

قیاس کے یہ بیشتر منکر ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ نے انہیں کبھی اپنی صفوں میں جگہ نہیں دی۔ امام ابن حزم بے شک ظاہری تھا لیکن وہ مجتہد درجے کے عالم تھے انہیں غیر مقلدین میں نہیں گنا جا سکتا۔ تاہم بیشتر ظاہری لوگ غیر مقلدین کے سے دیندار رہے ہیں انہی میں یہ عمرو بن دحیہ تھا جس نے اس امت میں میلاد النبی کی رسم ڈالی۔ عیسائیوں اور ہندوؤں نے اس رسم کو باہر سے قوت بہم پہنچائی۔ یہاں تک کہ اہل بدعت اس خبیث الفطرت بدمذہب اور ائمہ کرام کے گستاخ کے پیچھے اپنی پوری جماعتی قوت سے چڑھ دوڑے۔ بریلویوں کو قیادت میں ہمیشہ ایسے ہی لوگ ملتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اس درباری مولوی عمرو بن دحیہ کے بارے میں (جیسے مولوی عبدالسمیع رامپوری ایک متقی اور دیندار شخص لکھتا ہے) لکھتے ہیں :-

كان ظاهري المذهب كثير الوقيعة في الائمة وفي السلف من العلماء خبيث اللسان احمق شديد الكبر قليل النظر في امور الدين متهاونا۔ ؎۱

ترجمہ۔ یہ شخص ظاہری مذہب تھا (جیسے غیر مقلدین فقہ کے بغیر صرف ظاہر پر چلتے ہیں) ائمہ فقہ کی شان میں بہت بری باتیں کہتا۔ پہلے گزرے علماء کی بھی گستاخی کرتا یہ خبیث اللسان شخص تھا احمق بھی تھا اور اپنے آپ کو بڑا مولوی سمجھتا تھا علم کم تھا اور دینی کاموں میں سست تھا (اپنے وقت کا احمد رضا خاں تھا)۔

حافظ ابن حجر نے اس کے بارے میں مشہور محدث ابن نجار (ھ) کی یہ رائے نقل کی ہے۔

رأيت الناس مجتمعين على كذبه وضعفه وادعائه سماع مالم يسمعه ولقاء من لم يلقه وكانت امارة ذلك عليه لائحة۔ ؎۲

ترجمہ۔ میں نے سب علماء کو اس کے جھوٹا ہونے اور ناقابل اعتماد ہونے پر متفق پایا ہے نہ سنی باتوں کے سننے کا دعوے کرتا اور جن سے نہ ملا ہو انکی ملاقات بتلاتا۔

علماء دیوبند فقہ حنفی پر بڑی پختگی سے کاربند رہے ہیں۔ وہ بریلویوں کی اس غیر مقلدانہ تحریک

؎۱ لسان المیزان جلد ۴ ص۲۹۶ ؎۲ ایضاً

کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ انہوں نے عمرو بن دحیہ کے میلاد النبی منانے کے اس بدعی طریقہ سے اتفاق نہیں کیا۔ تاہم محفل میلاد میں قیام کرنا اس وقت شروع نہ ہوا تھا۔ قیام میلاد کو بریلوی آٹھویں صدی سے ثابت کرتے ہیں ملتان کے بریلوی عالم مولانا احمد سعید کاظمی قیام میلاد کے ثبوت میں امام تقی الدین السبکی الشافعی (۷۵۶ھ) کو پیش کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :۔

> مسئلہ قیام میلاد میں امام سبکی اور ان کے ہمعصر علماء و مشائخ (آٹھویں صدی کے علماء) کی اقتدار کافی ہے۔[1]

اس وقت ہم قیام میلاد پر بحث نہیں کر رہے یہ عنوان آگے کہیں آئے گا۔ ہم یہاں صرف اس بات کا تاریخی تجزیہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس تیسری عید کا رواج کب سے ہوا اور پھر اس میں ایک ایک بات کیسے بڑھتی گئی یہاں تک کہ اب یہ رسم تاریخ اسلام کے نصف اول میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں کہیں نظر نہیں آتی۔ آج بریلوی مسجدیں اسی امتیاز سے پہچانی جاتی ہیں اور پھر طرفہ تماشا یہ کہ یہ لوگ بایں ہمہ اپنے آپ کو اہل سنت بھی کہتے ہیں ایسے ہی ہے جیسے کوئی حبشی اپنا نام شیخ کافور رکھ لے۔

اس کے بعد اہل بدعت نے اپنی چوتھی عید ہر قصبہ و شہر میں بڑے بڑے مزارات پر عرسوں کی شکل میں قائم رکھی ہے۔ اس وقت یہ عرس زیر بحث نہیں کہ ہم ان کا تنقیدی جائزہ لیں بات صرف یہ ہو رہی تھی کہ اہل بدعت نے کس طرح اس قسم کے میلوں کو داخل دین کر رکھا ہے۔ لنگر چلتے ہیں اور بدعتی مولوی بیشتر انہی پر پلتے ہیں۔

محافل میلاد کے تین بڑے کام ہیں انہیں میلاد النبی کی تقریبات میں رکن کی حیثیت حاصل ہے رکن اسے کہتے ہیں جس کے بغیر وہ کام ہو ہی نہ سکے۔ وہ تین کام کیا ہیں۔

۱۔ مولود خوانی ۲۔ نعت خوانی ۳۔ دستر خوانی

اس موقع پر تقریریں ضروری نہیں سمجھی جاتیں۔ تقریروں میں زیادہ سیرت عظمت اور

---

[1] میلاد النبی صہ۵

شانِ رسالت کے مضامین آجاتے ہیں اور ذکرِ ولادت بہت کم ہوتا ہے اس لیے محافل میلاد میں تقریروں کی بجائے مولود خوانی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ مولود میں ولادت کا موضوع شعروں میں بیان ہوتا ہے مختلف شعراء نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مولود لکھے ہیں جو محافل میلاد میں پڑھے جاتے ہیں۔ کہیں کسی کے لکھے مولود کو پسند کیا جاتا ہے اور کہیں کسی کے لکھے کو مختلف مولودیے اپنے اپنے مولود میں ماہر ہوتے ہیں۔ مولود خوانی نہایت سوز و گداز سے کی جاتی ہے اور واقعات ولادت ایک ترتیب سے بیان کیے جاتے ہیں ان میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات کی کھلی آمد ہوتی ہے۔

پھر مجالس میلاد میں نعت خوانی بھی ہوتی ہے۔ ان نعتوں میں زیادہ حضورؐ کی شان و عظمت کا بیان ہوتا ہے۔ مولود خواں زیادہ تر دیہاتوں میں مولود پڑھتے ہیں۔ شہروں میں محافل میلاد میں نعت خوانوں سے رونق پکڑتی ہیں۔ مولو خوانی اور شعر خوانی کے بعد میلاد شریف کی مجالس میں دستر خوان بچھتے ہیں اور پھر گئی رات تک لنگر چلتے ہیں۔ علماء کے لیے دستر خوان علیحدہ بچھتے ہیں۔ ایک غریب نعت خوان نے ایک ایسی مجلس کو دیکھ کر کہا تھا ؎

پلاؤ روز پکتا ہے میاں بدھو کی بیٹھک پر ۔۔۔ میری آلو کی ترکاری جو پہلے تھی سو اب بھی ہے

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ان محافل میلاد کے لیے چندے کہاں سے وصول کیے جاتے ہیں۔ عام مشاہدہ میں یہی آیا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں اور بازاروں میں بڑے بڑے طشت لیے میلاد شریف کے لیے خرچہ مانگتے ہیں اور راہ گزرنے والے کو کچھ دیئے بغیر وہاں سے گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ رضاخانی۔ مولود خوانی اور نعت خوانی کی منزلوں کا اسے زادِ راہ سمجھتے ہیں ہم اس میں بھی ان سے کوئی تعرض نہ کرتے اگر یہ مسئلہ ہمیں اس میں حائل نہ ہوتا کہ مساجد میں شعر خوانی کی محافل میلاد مسجدوں کے اس تقدس کے یکسر خلاف ہیں جس کے لیے یہ مسجدیں بنی ہیں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس پر بھی کچھ تفصیل ہدیہ قارئین کر دیں۔

واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضٰی بہ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

مساجد میں محافل نعت کا انعقاد

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد :

آج کل دیکھنے میں آرہا ہے کہ لوگوں نے مسجدوں میں مستقل طور پر نعت کی محفلیں بھی شروع کردی ہیں۔ ان محافل میں اول، دوم اور سوم آنے والے نعت خوانوں کو انعام بھی دیئے جاتے ہیں اور نعت پڑھنے کے دوران ان کی تحسین نقد رقم دینے سے بھی کی جاتی ہے۔ اس جذبہ مسابقت میں وہ نوجوان بھی حصہ لیتے ہیں جن کے چہروں پر سنت کا نور قریب سے بھی نظر نہیں آتا۔ یہ کوئی وعظ و تقریر کی مجلسیں نہیں ہوتیں انہیں محافل نعت کہا جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسجدوں میں اس پیرایہ میں اشعار پڑھنا کہ اس وقت پوری مسجد کا یہی نقشہ عمل ہو، کیا اس قسم کی شعر خوانی کی مجالس عہد صحابہ میں بھی کبھی قائم ہوئیں یا مسجدوں میں اس پیرایہ میں شعر خوانی گو وہ اچھے اشعار پر مشتمل ہو ایک نیا عمل ہے اور لوگ اسے دین سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔

غلطی کسے کہتے ہیں۔ وضع الشئ فی غیر محلہ کسی چیز کو وہاں رکھنا جو اس کا محل نہ ہو۔ مسجدیں کن کاموں کے لیے بنی ہیں ؟ اسے قرآن کریم میں مطالعہ کیجئے :

مسجدوں کا مقصد وجود اللہ کی یاد اور اس کی عبادت ہے

مسجدیں اس لیے بنی ہیں کہ ان میں اللہ کی یاد ہو اس کی عبادت ہو اور آخرت میں اس کی گرفت کے ڈر سے اس کی یاد کی جائے اور اس کے نام کی آواز لگائی جائے۔ مسجد کس کا گھر سمجھی جاتی ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے وہ اللہ کے گھر ہیں جن میں اس کا نام بلند کیا جاتا ہے۔ ان میں اللہ کے سوا اور کسی کی پکار نہیں ہوتی۔

ہم اس وقت اس پر قرآن کریم کی پانچ شہادتیں پیش کرتے ہیں :-

قرآن کریم کی پہلی شہادت

فی بیوتٍ اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیہا اسمہ یسبّح لہ بالغدوّ والآصال رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ (پ ۱۸ النور ۳۶)

ترجمہ۔ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا (کہ ان میں مینار ہوں اور ان میں خدا کے نام کی اونچی آواز لگے) اور حکم دیا وہاں اس کا نام پڑھنے کا یاد کرتے ہیں وہاں (مسجدوں میں) اس کو صبح وشام وہ مرد کہ غافل نہیں ہوتے تجارت میں اور سودا کرنے میں وہ اللہ کی یاد سے اور نمازیں قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔

اس آیت میں قرآن کریم نے مسجدوں کا مقصد وجود پورا کھول کر رکھ دیا ہے۔سو ضروری ہے کہ ان کی تعلیم وتطہیر ہر اس عمل سے بالا رکھی جائے جن کے لیے یہ بنائی نہیں گئیں۔

قرآن کریم کی دوسری شہادت

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہٗ۔ (پ البقرہ ۱۱۴)

ترجمہ۔اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ کی مسجدوں کو وہاں اس کا نام لینے سے روکا۔

معلوم ہوا کہ مسجدوں کو نماز سے روکے رکھنے کی چند گھنٹوں کے لیے بھی پابندی نہیں لگائی جاسکتی اور اس دوران کسی نمازی یا معتکف کو نماز کے دوران کسی خوش آوازی۔نعت خوانی یا ذکر بالجہر سے نماز بھولنے کے وہم میں نہیں ڈالا جا سکتا۔

کوئی معتکف سو یا ہوا ہو تو اسے بھی محفل نعت یا ذکر بالجہر سے تشویش میں ڈالنے کی اجازت نہیں نہیں مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکنے کی اتنے وقت کے لیے اجازت نہیں جتنے میں کوئی نمازی

وہاں نماز پڑھ سکے. مسجدیں اپنے مقصد وجود میں عبادت گاہیں ہیں.

قرآن کریم کی تیسری شہادت

ان المساجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احدًا. (پ ۲۹ الجن ۱۸)

ترجمہ. اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں سو نہ پکارو (ان میں) اللہ کے ساتھ کسی کو اور یہ کہ اللہ کا بندہ جب کھڑا ہوا کہ اس کو پکارے تو لوگوں کا ایک ٹھٹھ بندھنے لگتا ہے ۰ تو کہہ میں پکارتا ہوں صرف اپنے رب کو اور شریک نہیں کرتا اس کے ساتھ کسی کو.

مسجدوں میں اللہ کے ساتھ کسی کو پکارنے کی اجازت نہیں. ایک طرف یا اللہ لکھنا اور اس کے سامنے یا محمد لکھنا کیا یہ مسجد میں دوسری پکار تو نہیں. یا نعتوں میں حضورؐ کو سینکڑوں اور ہزاروں میلوں سے پکارنا کیا یہ آپ کی شان میں بے ادبی تو نہیں. کاش کہ اہل بدعت حضرات قرآن کی اس آیت پر بھی کچھ غور کر لیتے.

ان الذین ینادونك من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون (پ ۲۶ الحجرات ۴)

ترجمہ. جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو دیواروں کے پیچھے سے (دور کے فاصلوں سے) ان میں زیادہ وہ ہیں جو عقل سے خالی ہیں.

کیا آپ نے دیکھے کہ یہ بے عقل لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ سے آوازیں دیتے ہیں اور آگے کچھ بھی نہیں کہتے. اتنا بھی نہیں کہتے صلی اللہ علیک وسلم. تا کہ پکارنا ایک بے محل آواز ہو کر نہ رہ جائے.

قرآن کریم کی چوتھی شہادت

ولولا دفع اللّٰہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات

ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرًا۔ (پ الحج ۴۰)

ترجمہ۔ اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے تو ڈھا دیئے جاتے تکیئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت

یہ آیت بھی مسجدوں کے مقصد وجود کی نشاندہی کر رہی ہے کہ یہ اس لیے بنی ہیں کہ ان میں زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور اذان کا اختتام لا الٰہ الا اللہ پر اور نماز کا اختتام السلام علیکم ورحمۃ اللہ پر۔ دعا کا اختتام ذوالجلال والاکرام پر، خطبہ جمعہ کا اختتام ولذکر اللہ تعالیٰ اعلیٰ واعز واجل واکبر پر۔ اور تسبیح تراویح کا اختتام یا مجیر پر اور تسبیحات سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر پر ختم ہوتی ہیں۔ یہ اس حقیقت کی عملی شہادت ہے کہ مسجدیں اللہ کے نام کے لیے بنائی گئی ہیں اور یہی ان کا مقصد وجود ہے۔

قرآن کریم کی پانچویں شہادت

واقیموا وجوھکم عند کلّ مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین کما بدأکم تعودون۔ (پ الاعراف ۲۹)

ترجمہ۔ اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر سجدہ کے وقت اور پکارو اس کو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر۔ جیسے اس نے تمہیں پہلے پیدا کیا دوسری بار بھی تم اٹھو گے

اس آیت میں لفظ مسجد سے مراد سجدہ ہی لیا گیا ہے۔ سو یہاں جس ایک کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں۔ یہ مساجد بھی سب اسی کے لیے ہیں۔ یہاں اسی کا نام بلند کرو اور اسی کے نام کی تکبیر ہو۔ مسجد میں اس ایک ذاتِ باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کی پکار جائز ہوتی اسے مافوق الاسباب آواز دینا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس طرح مخلصین کو پابند نہ کرتے کہ تم ایک اللہ کے سوا کسی کے نام کی وہاں دہائی نہ دو۔

مساجد اللہ کے ذکر اور اس کی تعظیم اور تبجیل کے لیے

مسجدوں میں جو اللہ کا ذکر بیان ہوتا ہے اور اس کی تعظیم و تبجیل کے خطبے دیئے جاتے ہیں یہ سب اللہ کے ذکر میں داخل ہیں۔ جمعہ کے خطبہ میں آنے والے کو واسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ وذروا البیع (پ۲۸ الجمعہ) کی روشنی میں اللہ کے ذکر کی طرف آنے والا کہا جاتا ہے۔ یہاں تذکیر و تبلیغ بھی اس لیے ہے کہ لوگ اللہ کی طرف جھکیں اور دنیا میں نیکیاں قائم ہوں اور اللہ کا نام بلند ہو۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں اللہ کے نام کی آواز لگتی ہے۔

مجالس وعظ و تذکیر میں ضمناً نعت آجائے تو مجلس اپنے موضوع سے باہر نہیں نکلتی لیکن اگر مجلس کا موضوع وعظ و تذکیر اور جلسہ و تقریر نہ ہو اور پوری محفل صرف نعت خوانی کے لیے قائم کی جائے اور شعراء انعام طلبی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنے فن کے جوہر دکھائیں بعض نعتیں ترنم سے بھی پڑھی جائیں اور سارے نعت پڑھنے والے متشرع صورت بھی نہ ہوں تو مساجد کی یہ شعر خوانی مساجد کو اپنے مقصد وجود سے کافی دور لے جائے گی۔ قرآن کریم میں مساجد کا مقصد وجود یہ بتلایا گیا ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے نہ کہ پوری مجلس شعر خوانی اور اس پر مقابلہ آرائی کے لیے کی گئی ہو۔ سلف میں مساجد میں اس طرح مستقل طور پر نعت خوانی کی مجالس نہ لگتی تھیں اور مسجدیں کبھی ایک گھنٹہ کے لیے بھی ذکر اللہ اور نمازوں سے فارغ نہ کی جاتی تھیں۔

مساجد میں اشعار پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

جس طرح ہم نے قرآن کریم سے مساجد کے مقصد وجود پر پانچ شہادتیں پیش کی ہیں یہاں ہم احادیث سے پانچ شہادتیں پیش کریں گے کہ ہمیں مساجد میں شعر پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

(۱) مولود کعبہ حضرت حکیم بن حزام رضؓ (۵۴ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کرتے ہیں :-

26
6

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يستقاد فى المسجد وان ينشد فيه الاشعار وان تقام فيه الحدود.[1]

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا کہ مسجد میں (۱) کسی سے قصاص لیا جائے (۲) اس میں اشعار پڑھے جائیں اور (۳) یہ کہ اس میں حدود جاری کی جائیں۔

(۲) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع فى المسجد و ان تنشد فيه ضالة وان ينشد فيه شعر ونهى عن التحلق قبل الصلوٰة يوم الجمعة.[2]

ترجمہ: نبی پاک نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا۔ اس میں گمشدہ چیز کی بھی تلاش نہ کی جائے۔ اس میں شعر خوانی بھی نہ ہو اور آپ نے مسجدوں میں نماز جمعہ سے پہلے لوگوں کے حلقہ بنا کر بیٹھنے کو بھی منع فرمایا۔

(۳) ابن خزیمہ اپنی صحیح میں بسند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں:۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تناشد الاشعار فى المساجد.....
واسناده صحيح.[3]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴) ایک شاعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور مسجد میں حمد باری پر کچھ اشعار پڑھنے کی اجازت مانگی آپ نے اسے اجازت نہ دی اور اسے مسجد سے نکل کر پڑھنے کا کہا وہ مسجد سے باہر آیا اور اس نے حمد باری تعالیٰ پر شعر پڑھے آپ نے پھر اسے ایک چادر انعام میں دی:۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ مشکوٰۃ صفحہ ۷۰ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۳ [3] فتح الباری صفحہ ۱۱۹ جلد ۲

ان شاعرًا جاء الی النبی وھو فی المسجد فقال انشد لک یا رسول اللہ . . . . .

فاخرج من المسجد فخرج فانشدہ فاعطاہ رسول اللہ ثوبًا. [1]

ترجمہ . ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ اس وقت مسجد میں تھے اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے (حمد باری پر) شعر پڑھنے کی اجازت مانگی۔ اسے مسجد سے باہر آنے کا کہا گیا۔ وہ نکلا اور اس نے وہ شعر پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے انعام میں چادر عطا فرمائی

⑤ امام نسائیؒ کے شاگرد امام ابن السنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من رایتموہ ینشد فی المسجد شعرًا فقولوا فض اللہ فاک ثلث مرات. [2]

ترجمہ . تم کسی کو مسجد میں شعر پڑھتے پاؤ تو کہو اللہ تیرا منہ بند کرے ایسا تین دفعہ کہو۔

اس سے اندازہ کریں مسجدوں میں نعت خوانی کی مجالس قائم کرنے کا کیا حکم ہے۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ مسجد میں اشعار پڑھنے کے بارے میں

حضرت عمرؓ نے مسجد سے باہر ایک طرف ایک کھلی جگہ بنوا دی جہاں لوگ شعر خوانی وغیرہ کر سکیں۔ یہ اس لیے تھا کہ آپ مسجد میں شعر خوانی کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ آپ نے اس کے لیے جو جگہ بنوائی اسے رحبہ کہتے تھے۔ اس جگہ کا ایک نام البطیحا بھی تھا۔ امام مالکؒ اپنے مؤطا میں روایت کرتے ہیں:۔

ان عمر بن الخطاب بنی رحبۃ فی ناحیۃ المسجد تسمی البطیحا وقال من

کان یرید ان یلغط او ینشد شعرًا او یرفع صوتہ فلیخرج الی ھذہ الرحبۃ. [3]

ترجمہ . حضرت عمرؓ نے مسجد کے ایک کونے میں ایک کھلی جگہ چھوڑی تھی جسے بطیحا کہا جاتا۔ آپ نے فرمایا جو چاہے کہ کوئی بات کرے یا شعر پڑھے یا آواز اونچی کرے اس اس رحبہ میں جانا چاہیے۔

یہاں شعر پڑھنے سے کون سا شعر مراد ہے وہی جو خیر کی آواز ہو نہ کہ وہ جس سے شر پھوٹے

---

[1] رواہ عبدالرزاق المصنف جلد ۱ صفحہ ۴۳۹ [2] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ [3] مؤطا امام مالک صفحہ ۶۶

مسجد میں کس حد تک ذکر بالجہر کی اجازت ہے

عن ابی سعید قال اعتکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعھم یجھرون بالقرأۃ فکشف الستر وقال ألا ان کلکم مناج ربہ فلا یؤذین بعضکم بعضاً ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرأۃ او قال فی الصلوٰۃ۔[1]

ترجمہ

حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا۔ آپ نے دریچے کے پیچھے سے صحابہؓ کو جہراً قرأت کرتے سنا۔ آپ نے فرمایا۔ جان لو! تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے باتیں کر رہا ہے۔ پس ایک دوسرے کو کوئی اذیت نہ دے نہ ایک دوسرے سے قرأت اونچی کرے یا نماز میں وہ کسی دوسرے بھائی کو کوئی تکلیف دے۔

پس ذکر بالجہر اسی حد تک جائز ہے کہ کوئی شخص (نعت خواں) کسی دوسرے کے لیے تکلیف کا سبب نہ بنے کوئی دوسرے سے اپنی آواز نہ بڑھائے نماز میں بھی کسی دوسرے کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو اس میں یہ سب باتیں آگئیں۔

۱۔ اگر کوئی معتکف مسجد میں سویا ہوا ہے تو تمہارا جہر (اونچی آواز) اسے پریشان نہ کرے۔

۲۔ اگر کوئی دوسرا مسجد میں پاس بیٹھا قرآن پڑھ رہا ہو تو تمہاری آواز اسے پڑھنے میں رکاوٹ نہ ڈالے۔

۳۔ اگر کوئی شخص مسجد میں دیر سے آیا اور اسے اپنے طور پر نماز پڑھنی ہے تو وہ نماز سکون سے پڑھ سکے اسے بھول میں نہ ڈالا جائے۔

۴۔ مسجد میں اذان دینی ہو تو آواز چیخنے کی حد تک اونچی نہ کرے اتنی ہو جتنی اقامت میں ہوتی ہے،

---

[1] رواہ ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۸۸ کما فی الاتقان جلد ۱ ص ۱۱۳

۵۔ اس انداز میں مسجد میں ذکر نہ کرے کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ یہ ہوش میں نہیں گو وہ خود ہوش میں ہو۔

ہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد سے باہر رجبہ (وہ کھلی جگہ) اس لیے بنائی تھی کہ بُرے اشعار مسجد میں نہ پڑھے جائیں بُرے اشعار پڑھنا تو مطلقاً منع ہے کہیں بھی پڑھے جائیں۔ حضرت عمرؓ جیسے مرد خدا ان کی کیسے اجازت دے سکتے تھے۔

یہ درست ہے کہ حافظ ابن حجر کا مقام رجال حدیث متان حدیث اور طرق حدیث میں اپنی جگہ بہت اونچا ہے لیکن فہم حدیث میں ملا علی قاریؒ ان سے آگے نکل گئے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں فقہاء ہی حدیث کے معنی بہتر سمجھتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ بلند پایہ فقیہ ہیں انہوں نے یہاں حافظ ابن حجرؒ کی اچھی اصلاح فرمادی ہے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

وقول ابن حجر ای شعرا مذموما لیس فی محلہ لانہ لا یباح مطلقاً۔ [1]

ترجمہ۔ ابن حجر کا کہنا کہ اس سے بُرے اشعار کی ممانعت ہے صحیح نہیں کیونکہ بُرے اشعار تو مطلقاً ممنوع ہیں کہیں بھی نہ پڑھنے چاہئیں۔

اگر مسجد میں اچھے شعر پڑھنے کی عام اجازت ہوتی تو حضرت عمرؓ مسجد کے ساتھ رجبہ نہ بنواتے آپ کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بھی لازماً ہو گا۔ جسے ہم پہلے احادیث منع میں جو تھے منبر پر ذکر کر آئے ہیں۔

اسید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک شاعر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ اس وقت مسجد میں تھے اس نے کہا اے اللہ کے رسولؐ : میں آپ کو کچھ شعر سنانا چاہتا ہوں (ظاہر ہے کہ وہ کوئی شعر مذموم تو نہیں سُنانا چاہتا تھا وہ اشعار مدح باری تعالیٰ میں تھے) آپ نے اجازت نہ دی۔ اس نے اصرار کیا کہ مجھے اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا ایسا کرنا ہے تو پھر مسجد سے باہر نکل آ۔ وہ باہر نکلا اور آپ کو وہ شعر سُنائے۔ محدث عبدالرزاق (۲۱۰ھ) روایت کرتے ہیں :۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صـ۲۲۳

ان شاعراً جاء الی النبی وھو فی المسجد فقال انشدك یارسول اللّٰہ قال لا

قال بلی فأذن لی قال النبیؐ فاخرج من المسجد قال فاعطاہ النبی صلی

اللّٰہ علیہ وسلم ثوباً وقال ھذا ابدل ما مدحت بہ ربك. [۱]

ترجمہ۔ ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اس وقت مسجد میں تھے۔ اس نے حضورؐ سے کہا میں آپ کو شعر سناؤں؟ آپ نے فرمایا نہ — اس نے کہا کیوں نہیں؟ مجھے اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا تو مسجد سے نکل جا (اس نے باہر نکل کر حضورؐ کو شعر سنائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک چادر عطا کی اور فرمایا یہ اس کا عوض ہے جو تُو نے اپنے رب کی حمد کی ہے۔

(نوٹ) یہاں فاخرج من المسجد کے بعد ایک جملہ رہ گیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ "پھر وہ نکلا اور اس نے مسجد سے باہر مدح باری تعالیٰ میں شعر پڑھے اس پر حضورؐ نے اسے ایک چادر دی" اگر اس نے شعر نہ پڑھے ہوتے اور حضورؐ نے نہ سُنے ہوتے تو اس شاعر کو انعام دینے کی پھر کیا ضرورت تھی؟ الحمدللہ وہ الفاظ ہمیں عبدالرزاق کے حوالے سے اس طرح مل گئے ہیں۔

علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں المصنف لعبدالرزاق کی یہ روایت اس طرح نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں:-

فقال لہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاخرج من المسجد فخرج فانشدہ فاعطاہ

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثوباً۔ [۲]

ترجمہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا تو مسجد سے نکل جا۔ وہ مسجد سے نکلا اور حضورؐ کو شعر سُنائے اس پر حضورؐ نے اُسے چادر انعام میں دی۔

اس سے صاف پتہ چلا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ان اشعار کی بھی اجازت نہ دی جو مدح باری تعالیٰ میں تھے سو یہ بات کسی طرح تسلیم کرنے کے لائق نہیں کہ مسجد میں صرف شعر مذموم منع ہیں

---

[۱] المصنف جلد ۱ صـ ۴۳۹ [۲] عمدۃ القاری جلد ۴ صـ ۲۱۶

دوسرے نہیں۔ کبار تابعین جن کا مرتبہ علمی ائمہ اربعہ سے بھی آگے کا ہے جیسے مسروق بن اجدع رح (۹۳ھ) ابراہیم بن نخعی رح (۹۶ھ) سالم بن عبداللہ رح (۱۰۶ھ) اور امام حسن بصری رح (۱۱۰ھ) یہ سب اس پر متفق ہیں کہ مسجد میں شعر خوانی جائز نہیں ہے۔

ان روایات کے خلاف صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت حسان بن ثابت رض کے مسجد میں اشعار پڑھنے کی روایت بڑے شد و مد سے پیش کی جاتی ہے۔ محدثین نے اس سے ان روایات کا معارضہ کیا ہے اور پھر ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تطبیق کی راہ میں مختلف حضرات مختلف سمتوں میں چلے ہیں۔ ہم پہلے وہ روایت پیش کرتے ہیں اس کی اسانید میں ہمیں جو الجھن نظر آئی وہ بھی ہم ہدیہ قارئین کریں گے اور پھر کچھ تطبیق کی راہیں ہدیہ قارئین کی جائیں گی۔ واللہ ہو الموفق

حضرت حسان بن ثابت رض کا مسجد میں حضور کی مدح میں شعر پڑھنا

امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ میں ایک یہ باب باندھا ہے۔ باب الشعر فی المسجد (جلد ۱ صـ ۶۴) اور اس میں حضرت حسان رض کی یہ روایت نقل کی ہے۔ اس پر علامہ عینی لکھتے ہیں:۔

مطابقتہ للترجمہ غیر ظاھرۃ ھٰھنا لانہ لیس فیہ صریحاً انہ کان فی المسجد والترجمۃ ھو الشعر فی المسجد۔[1]

ترجمہ۔ اس روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح نہیں۔ کیونکہ اس میں اس بات کی صراحت نہیں کہ وہ شعر مسجد میں پڑھے گئے تھے اور باب یہ بندھا ہے۔ الشعر فی المسجد۔

یہ صحیح نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر رض کے دور میں حضرت حسان رض نے مسجد میں یہ شعر پڑھے۔ ہوسکتا ہے امام بخاری رح نے اس سے شعر فی المسجد کا جواز اخذ کیا ہو۔

امام بخاری نے ترجمۃ الباب کو صادق کرنے کے لیے باب بدء الخلق میں پھر اسی حدیث کو روایت کیا ہے:۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۴ صـ ۲۱۷

عن الزهری عن سعید بن المسیب قال مر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی المسجد وحسان ینشد فلحظ الیہ قال کنت انشد فیہ وفیہ من ھو خیر منک ثم التفت الی ابی ھریرۃ فقال انشدک باللہ اسمعتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ یقول اجب عنی[1]

ترجمہ۔ حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ مسجد میں گئے اور حضرت حسانؓ شعر پڑھ رہے تھے آپ نے حضرت حسانؓ کی طرف آنکھ بدلی۔ حضرت حسانؓ نے کہا میں مسجد میں شعر پڑھتا رہا اور اس میں وہ تھے جو آپ سے بھی درجہ میں آگے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تو نے حضورؐ کو فرماتے سنا کہ (اے حسان) میری طرف سے (کفار کو) جواب دے۔

یہ دوسری روایت حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) سے مروی ہے وہ حضرت عمرؓ کے حضرت حسانؓ کے پاس سے گزرنے کا واقعہ نقل کر رہے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اس واقعہ کو نہیں پایا۔ علامہ منذری (۶۵۶ھ) فرماتے ہیں۔

وسعید لم یصح سماعہ من عمر وان کان سمع ذلک من حسان فمتصل[2]

ترجمہ اور سعید بن المسیبؒ کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اور اگر انہوں نے حضرت حسانؓ سے یہ واقعہ سنا ہو تو پھر یہ روایت متصل ہو جاتی ہے۔

اور پہلی روایت جس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے امام زہری ابوسلمہ سے نقل کرتے ہیں۔ اور انہوں نے حضرت حسانؓ کو حضرت ابوہریرہؓ کو اس روایت پر قسم دیتے سنا ہے۔ یہ سوال پھر باقی رہا کہ حضرت ابوہریرہؓ کو قسم حضرت عمرؓ نے دی یا حضرت حسانؓ نے؟ محدثین اس پر بہت پریشان نظر آتے ہیں۔ دونوں صورتیں آپ کے سامنے ہیں اور یہ بات ناقابلِ انکار ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ نہ ابوسلمہ نے پایا نہ حضرت سعید بن المسیب نے ــــ اور یہ دونوں ہی اس واقعہ کے راوی ہیں

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۴۵۶ [2] عمدۃ القاری جلد ۴ صفحہ ۲۱۷

حافظ ابن حجر عسقلانی رح لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ان احادیث کے قبیل سے ہے جن پر امام دارقطنی نے احادیث صحیحین پر تنقید کی ہے۔

وفی الاسناد نظر من وجه اٰخر وهو علیٰ شرط التتبع ایضًا وذٰلك ان لفظ روایة سعید بن المسیب مرّ فی المسجد وحسان ینشد ...... وروایة سعید هٰذه القصة عندهم مرسلة لانه لم یدرك زمن المرور ......

وابو سلمة لم یدرك زمن مرور عمر ایضًا فانه اصغر من سعید۔[1]

ترجمہ۔ اور اس حدیث کی سند میں ایک اور بات بھی لائق عذر ہے اور وہ تتبع پر موقوف ہے اور وہ یہ کہ سعید بن المسیب رح کی روایت کے یہ الفاظ کہ حضرت عمر رض مسجد سے گزرے اور حضرت حسان رض شعر پڑھ رہے تھے اس واقعہ کی حضرت سعید رح کی روایت مرسل ہے (متصل نہیں) کیونکہ آپ نے حضرت عمر رض کا زمانہ نہیں پایا اور ابو سلمہ نے بھی حضرت عمر رض کا زمانہ نہیں پایا وہ تو سعید رض سے بھی چھوٹے ہیں۔

حضرت امام بخاری کا موقف یہ ہے کہ حضرت عمر رض کے دور کی بات وہ راوی نقل کرے جس نے آپ کا دور نہیں پایا وہ اس کی شخصیت پر قابلِ قبول سمجھی جائے گی۔ کیا امام مالک نے یزید بن رومان کی روایت حضرت عمر رض کے دَور کے بارے میں قبول نہیں فرمائی؟ حالانکہ اس نے آپ کا دور نہ پایا۔

وفی المعنیٰ عدة احادیث لکن فی اسانید ها مقال۔[2]

ترجمہ اور اس موضوع پر اور بھی احادیث ہیں لیکن ان سب کی سندوں میں کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے

حضرت حسان بن ثابت رض کے مسجد میں حضور کی مدح میں شعر پڑھنے پر صراحت سے کوئی متصل سند مل جائے تو بھی اسے صرف ایک قومی معرکہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ کفار کے مقابلہ میں دفعتاً یہ صورت پیش آگئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رض کو فرمایا۔ اَجب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ــــ سو اس کو حضرت حسان رض کے ساتھ خاص سمجھنا چاہیئے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ مسجد میں اچھے اشعار کی مجلس جمانا اور حمد باری یا نعتِ نبوی کی محفلیں منعقد کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر رض نے اس واقعہ

---

[1] فتح الباری جلد ا صد ۱۱۸ [2] ایضاً صد ۱۱۹

سے عمومی جواز سمجھا ہوتا تو آپ شعر گوئی کے لیے مسجد سے باہر رحبہ (ایک کھُلی جگہ) کا تعین نہ فرماتے۔ یہ حضورؐ کی اس ہدایت کے عین مطابق ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں مدح باری تعالیٰ میں بھی شعر خوانی کی اجازت نہ دی تھی [۱]

مسجد میں شعر خوانی کس صورت میں منع ہے

مسجد میں وعظ و نصیحت کے ضمن میں کوئی شعر پڑھا جائے یا نعت پڑھی جائے تو یہ مجلس یا محفل ہمہ تن شعر خوانی کی مجلس نہ ہوگی۔ شعر خوانی کی مجلس وہی سمجھی جائے گی جس میں وعظ و بیان یا تذکیر و تسبیح بالکل نہ ہو۔ سب لوگ شعر خوانی میں لگیں اور سب کی توجہ اسی پروگرام پر ہو۔ نعت خواں حضرات ایک دوسرے سے بڑھ کر حسنِ صوت، ترنم اور شعر خوانی کا مظاہرہ کریں۔ اس میں (مجلس شعراء میں) مسجد سے وہ کام لیا جا رہا ہے جس کے لیے مسجدیں بنی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بنی ہیں نہ کہ شعر خوانی کی رونق کے لیے۔ مسجد میں شعر خوانی یا نعت خوانی وہ جائز ہے جہاں یہ قرآن و حدیث اور بیان و تقریر کے ضمن میں آئے۔ نعت خوانی کے عنوان سے مستقل محافل مساجد میں نہ قائم کی جائیں۔ قرونِ اولیٰ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مساجد میں صرف نعت خوانی کے لیے مجلسیں اور محفلیں منعقد کی گئی ہوں۔ آج اگر کہیں ایسی بات ہو تو یہ ایک نئی بات ہوگی۔

مسجد میں شعر پڑھنے کی ممانعت کو بعض حضرات نے اس پر محمول کیا ہے کہ بُرے اشعار وہاں نہ پڑھیں گے۔ ملا علی قاریؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بُرے اشعار تو کہیں مباح نہیں۔ لا یباح مطلقاً لیکن کچھ دوسرے حضرات نے وجہ منع یہ بتائی ہے کہ مسجدوں میں شعر اس طرح پڑھے جائیں کہ سب لوگ اسی میں لگ جائیں۔ اس دوران مسجد میں آنے والا کوئی شخص نماز تک نہ پڑھ سکے اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد میں اس طرح نعت خوانی کرنا کہ سب لوگ اسی میں لگ جائیں نعت خوانی کی یہ ہمہ گیر محفل مسجد میں ہو اس کی کہیں اجازت نہیں ہے۔ یہ صورت عمل مسجد کے بنیادی مقصد سے

---

[۱] رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ جلد ا صفحہ ۴۳۹

تطبیق نہیں کھاتی۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :-

فالجمع بينهما وبين حديث الباب ان يحمل النهي عن تناشد اشعار الجاهلية والمبطلين والماذون فيه ما سلم من ذلك وقيل النهي عنه ما اذا كان التناشد غالبًا على المسجد حتى يتشاغل به من فيه۔[1]

ترجمہ۔

سو اس حدیث اور اس حدیث میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ مسجد میں شعر نہ پڑھنے کو اشعار جاہلیت پر اور غلط لوگوں کے اشعار پر محمول کیا جائے اور پڑھنے کی اجازت سے وہ اشعار مراد ہوں جو ان امور سے پاک ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممانعت اس طرح شعر پڑھنے سے ہے کہ شعر خوانی اس طرح مسجد پر چھا جائے کہ جو شخص بھی مسجد میں ہو اسی میں لگ جائے۔

حافظ کی پہلی تطبیق دوسری صریح احادیث سے ٹکراتی ہے اور یہ حضرت عمرؓ کے موقف کے بھی خلاف ہے اور دوسری تطبیق اس پیرائے میں مسجدوں میں نعت پڑھنے اور شعر پڑھنے کی اجازت دیتی ہے۔ جس طرح کہ یہ آج جلسوں اور مجالس علماء میں مسجدوں میں پڑھ لیے جاتے ہیں۔ رہی نعت خوانی کی وہ مجالس جن میں شعر ہی شعر ہوں وعظ و نصیحت سرے سے نہ ہو تو اس طرح کی شعر خوانی مسجدوں میں جائز نہیں ہے۔ یہ وہ بات ہے جس کی اصل پہلے ادوار میں نہیں پائی گئی اور اب وہ سبب جس کے لیے حضرت حسانؓ کو مسجد میں شعر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی بھی باقی نہیں ــــ شرح سنن ابی داؤد میں ہے :-

فالحق كان مع عمر فان العلة التي رخص لها انشاد حسان في المسجد قد ارتفعت۔[2]

ترجمہ۔ پس حق حضرت عمرؓ کے ساتھ ہے کیونکہ وہ علت جس کے باعث حضرت حسانؓ کو مسجد میں شعر پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی اُٹھ چکی ہے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۳ صد ۱۱۹ [2] شرح السنن جلد ۶ صد ۲۸۱ کتاب الادب

امام طحاوی (۳۲۸ھ) فرماتے ہیں :۔

فهو عندنا على الشعر الذي يملأ الجوف فلا يكون فيه قرآن ولا تسبيح ولا غيره فاما من كان فى جوفه القرآن والشعر مع ذلك فليس ممن امتلأ جوفه شعرا فهو خارج من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لان يمتلئ جوف احد كم قيحا يريه خير له من ان يمتلئ شعرا. [۱]

ترجمہ۔ سو وہ ہمارے ہاں ان شعروں پر محمول ہے جو پیٹ کو اس طرح بھر دیں کہ ان میں قرآن اور تسبیح وغیرہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہو اور جس کے پیٹ میں قرآن بھی ہو اور اس کے ساتھ اشعار بھی ہوں تو یہ ان اشعار سے نہیں جو پیٹ بھر دیں. سو یہ صورت حضور کی اس وعید سے نکل جائے گی کہ تمہارا پیٹ قے سے بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے

مساجد میں نعت خوانی کی مجالس اگر کسی وعظ و درس کے ضمن میں نہ ہوں تو وہ اسی حکم میں ہیں۔ جب کہ قرآن کی کوئی آیت یا تسبیح کے کلمات ساتھ نہ ہوں.

جمع بین الحدیثین میں ایک تیسری رائے

تطبیق بین الحدیثین کے دو پہلو آپ کے سامنے آچکے اب ایک تیسری رائے بھی ملاحظہ فرمائیں یہ تطبیق ابو عبد الملک کی ہے کسی اور نے اس کی موافقت نہیں کی تاہم عمل صحابہؓ کی روشنی میں یہ وقیع نظر آتی ہے. علامہ عینیؒ فرماتے ہیں :۔

وقال ابو عبد الملك كان حسان ينشد الشعر فى المسجد فى اول الاسلام وكذا لعب الحبش فيه وكان المشركون اذ ذاك يدخلون فلما كمل الاسلام زال ذلك كله قلت اشار بذلك الى النسخ. [۲]

ترجمہ۔ ابو عبد الملک کہتے ہیں حضرت حسانؓ شروع اسلام میں مسجد میں شعر پڑھتے تھے اور اسی طرح

---

[۱] عمدۃ القاری جلد ۴ صہ ۲۱۹ [۲] ایضاً

مسجد میں حبشی بھی کھیلتے تھے اور مشرکین کا مسجد میں عام آنا جانا تھا۔ جب اسلام مکمل ہو گیا تو یہ سب صورتیں جاتی رہیں۔ میں کہتا ہوں، شارح نے مسجدوں میں شعر پڑھنے کو منسوخ قرار دیا ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں منبر پر بٹھایا کہ وہ ان مشرکوں کو آپ کی طرف سے جواب دیں تو یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ اوائل کا واقعہ ہو اور یہ اس وقت مشرک بھی مسجدوں میں آتے جاتے ہوں اور ان کے سامنے یہ جوابی کاروائی کی جا رہی ہو (یہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا منبر پر اشعار پڑھنا) کسی طرح ان کا جواب نہیں بن پڑتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کا حکم ہی انہیں کافروں کو جواب دینے کے لیے دیا۔ آپ نے فرمایا تھا۔ اجب عن رسول اللہ۔[1]

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسجد میں شعر پڑھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے پسند نہ کیا اور پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شہادت دینے پر صرف ادباً خاموشی اختیار فرمائی استدلال نہ کیا۔ محدثین نے تصریح کی ہے کہ فالحق کان مع عمر کہ اس میں حق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسجد کے باہر شعر پڑھنے کے لیے رحبہ تیار کرانا اور سب صحابہ کا اس سے اتفاق کرنا یہ بھی اسی بات کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدوں میں اچھے اشعار کی بھی مستقل محافل قائم کرنے کی اجازت نہ دی۔

حضور کا مزاج تھا کہ کا جواب برسرِ عام دیا جائے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ کافر جب کبھی اپنے بت کا نعرہ لگائیں اس کے جواب میں اللہ کا نعرہ اسی وقت لگے۔ جنگِ احد میں ابوسفیان نے جب کہا۔ اُعلُ ھُبل۔ تو آپ نے اسی وقت صحابہؓ کو کہا۔ اجیبوہ (تم اسے جواب دو) انہوں نے پوچھا ہم کیا کہیں، تو آپ نے فرمایا کہو۔ اللہ اعلیٰ واجل ابوسفیان نے کہا۔ لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم حضور نے پھر فرمایا۔ اجیبوہ۔ انہوں نے کہا ہم کیا کہیں۔ آپ نے فرمایا تم کہو۔ اللہ مولانا ولا مولا لکم۔[2]

حضور نے جو الفاظ یہاں فرمائے۔ اجیبوہ۔ ایسے ہی الفاظ میں آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو کہا تھا۔ اجب عن رسول اللہ۔ سو یہ جوابی کاروائی تھی کہ جب کافروں نے آپ کی مذمت میں شعر پڑھے

---

[1] صحیح بخاری جلد ا صـ ۴۵۶ [2] ایضاً جلد ۲ صـ ۵۷۹

تو اس وقت آپ کی مدحت میں شعر پڑھے گئے۔ سو حضرت حسانؓ کا اس وقت مسجد میں منبر پہ چڑھ کر آپ کی مدح میں شعر پڑھنا اسی طرح ایک جوابی کارروائی تھی نہ یہ کہ مسجدیں اس اظہار تفاخر کے لیے بنی ہیں۔ یہ ہنگامی صورت حال میں ایک ہنگامی کارروائی تھی حضرت حسانؓ کی وہ نعت مسجد میں نعت خوانی کی محفل کے طور پر نہ پڑھی گئی تھی۔ آج کی محافل نعت میں مسجدیں اسی کام کے لیے لوگوں سے پُر کی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ کسی نماز پڑھنے والے کو ان میں اس وقت نماز پڑھنے کے لیے جگہ نہیں ملتی۔

حضرت عمرؓ نے حضرت حسانؓ کو مسجد میں شعر پڑھتے پایا تو آپ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اسی وقت حضرت ابوہریرہؓ کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی انہوں نے حضورؐ سے سُنا تھا کہ اے حسانؓ تم میری طرف سے کفار کو جواب دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں مسجد میں لوگ بلا امتیاز مذہب آتے ہوں گے ورنہ یہ کافروں کی جوابی کارروائی کسی طرح نہیں بن سکتی تھی

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت حسانؓ کا مسجد میں شعر پڑھنا صرف ایک استثنائی صورت عمل تھی اصل مسئلہ یہی ہے کہ مسجدیں شعر خوانی کے لیے نہیں بنیں اور نہ ان میں عام محافل نعت خوانی منعقد کی جاسکتی ہیں جیسا کہ بریلوی حضرات نے آج کل کر رکھا ہے۔ جو روایت خلاف قاعدہ ہو وہ اپنے مورد پر بند رکھی جاتی ہے اس سے عام استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

مسجدوں میں شعر کی ممانعت اور حضرت حسانؓ کے مسجد میں نعت پڑھنے میں جو یہ تطبیق دی گئی ہے کہ بُرے شعر مسجد میں نہ پڑھے جائیں احناف نے اس تطبیق کو قبول نہیں۔ پھر اس میں شعر کی کیا تخصیص ہے مسجدوں میں تو نثر میں بھی کوئی بری بات نہیں کہی جا سکتی۔ یہ مباح بات کہ کوئی اپنی گمشدہ چیز کا پوچھے اس کی بھی اجازت نہیں کیونکہ مسجدیں ان کاموں کے لیے نہیں بنیں۔ یہ اللہ کی عبادت کے لیے بنے اللہ کے گھر ہیں۔ ان میں حق ہی ہے کہ اسی کا نام اونچا کیا جائے۔ دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) حافظ ابن حجرؒ کی دی تطبیق کو رد کرتے ہیں اس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔

وقول ابن حجر ای شعرا مذموما لیس فی محله لانه لا یباح مطلقاً [۱]

ترجمہ۔ اور ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ یہ (مسجدوں میں شعر کی ممانعت) بُرے اشعار پر محمول ہے موقع کی بات نہیں۔ بُرے اشعار تو کہیں بھی جائز نہیں۔

ایک سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے مسجد میں حمد باری تعالیٰ کرنے یا نعت خوانی کرنے کی اجازت دی ہے

الجواب: یہ حضرت امامؒ پر افترا ہے آپ مسجد میں ذکر بالجہر کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ مسجد میں نعت خوانی کی محافل قائم کرنے کو جائز ٹھہرائیں۔ ملا علی قاریؒ نے حضرت امامؒ پر باندھے گئے اس افترا کی پرزور تردید کی ہے:۔

نسبة نفی مطلق الکراهة الی الامام الاعظم هو افتراء علیه اذ مذهبه
کراهة رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر نعم جواز التدریس فی المسجد
والبحث فیه لم یشوش علی المصلین او لم یکن هناك مصلون [۲]

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا کہ آپ مطلق کراہت کے قائل نہیں یہ آپ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ آپ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں آواز اونچی کرنا گو وہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو مکروہ ہے۔ ہاں مسجد میں درس دینا اور مسائل میں اس طرح بحث کرنا کہ وہ نمازیوں پر باعث تشویش نہ جائز ہے یا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہاں عام نماز پڑھنے والے نہ ہوں۔

ہمارے بعض علماء نے یہ بات واضح طور پر کہی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا گو وہ ذکر ہی کے لیے کیوں نہ ہو حرام ہے۔

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام [۳]

ترجمہ۔ اور ہمارے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کی ہو حرام ہے۔

---

[۱] مرقات جلد ۲ صد ۲۲۳ [۲] ایضاً [۳] ایضاً جلد ۱۰ صد ۱۷۱

مسجدوں میں شعر پڑھنے پر فقہاء احناف کا فیصلہ

حدیث میں کسی طرح کا کوئی اختلاف ہو تو فیصلہ کن حیثیت فقہاء کی ہوتی ہے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ فقہاء ہی حدیث کے معنی کو بہتر سمجھتے ہیں[1]۔

حافظ ابن تیمیہؒ بھی فرماتے ہیں کہ نصوص میں اگر کوئی مشکل ہو تو فقہاء کی تقلید سے ہی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ولهذا كان عامة المشائخ اذا احتاجوا فی مسائل الشرع مثل مسائل النكاح والفرائض والطهارة وسجود السهو ونحو ذلك قلدوا الفقهاء لصعوبة اخذوا اله عليهم من النصوص.[2]

ترجمہ: جمہور علماء مسائل شریعت میں نکاح، وراثت، طہارت اور سجود سہو وغیرہ میں کسی مشکل میں گھرے ہوں تو وہ فقہاء کی تقلید کرتے ہیں بوجہ اس مشکل کے جو انہیں نصوص میں پیش آرہی ہو۔

یہاں اب فقہاء کرام کا فیصلہ دیکھیں:۔

(۱) مسجد میں لَے سے شعر پڑھنا جائز نہیں نہ مسجد میں تحسینِ صوت اور ترنم سے شعر پڑھے جائیں:۔

لا بأس باستماع نشيد الاعراب وهو انشاء الشعر من غير لحن فما كان منه فی الوعظ والحكم وذكر نعم الله وصفة المتقين فهو حسن[3]

ترجمہ: شعر پڑھنا اگر لے سے نہ ہو تو اسے سننا جائز ہے اس میں نصیحت، حکمت اور اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہو اور متقین کی صفت ہو تو یہ درجہ حسن میں ہے۔

اور جو لوگ پیشہ ور نعت خواں ہوں اور یہ ان کی کمائی کا ذریعہ ہو اس سے ان کی شہادت لائق قبول نہیں رہتی۔ سو ان کو مسجدوں میں ایسی محفلیں قائم کرنے کی اجازت نہ دینی چاہیے۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ ص [2] فتاویٰ شیخ الاسلام جلد ۱۶ ص ۲۷۴ [3] رد المحتار جلد ۱ ص ۶۱۷

فتاوٰی شامی میں ہے :۔

ومن کثر انشادہ وانشاءہ حین تنزل بہ مھماتہ ویجعلہ مکسبۃ لہ تنقص مروٴتہ وترد شہادتہ۔[1]

ترجمہ۔ اور جو عام شعر خوانی کریں اور جب موقع لگے وہ پہنچ جاتے ہوں اور انہوں نے اسے اپنی کمائی کا ذریعہ بنا رکھا ہو تو ان کی مروٴت ناقص ہو جائے گی اور ان کی شہادت لائق قبول نہ رہے گی۔

واخرج الامام الطحاوی فی شرح مجمع الاٰثار انہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن تنشد الاشعار فی المسجد وان یبتاع فیہ السلع۔

ترجمہ۔ امام طحاوی نے شرح مجمع الآثار میں حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ نے مسجد میں شعر خوانی سے روکا ہے اور اس سے بھی کہ وہاں سامان فروخت کیا جائے۔

سو اس نہی کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مسجد پر اشعار چھا جائیں اور وہاں جو لوگ ہوں سب اس میں لگ جائیں۔ شعر خوانی کی یہ مجلس سب کو اپنے میں مشغول کرلے۔

او علی ما یغلب علی المسجد حتی یکون اکثر من فیہ متشاغلا.....
فکذلک البیع وانشاد الشعر والحلق قبل الصلوٰۃ فما غلب علیہ کرہ وما لا فلا۔[2]

ترجمہ۔ یا یہ کہ وہ آواز پوری مسجد پر چھا جائے یہاں تک کہ جو اس میں ہوں سب اسی طرف لگ جائیں شعر خوانی اور حلقے بندی اگر غالب آجائے تو یہ عمل جائز نہ ہوگا اور مکروہ نہیں۔

27
6

---

[1] فتاوٰی شامی جلد ۱ صفحہ ۶۱۸ [2] ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۶۱۸

محفل میلاد کو شرعی حیثیت دینے کے دینی نقصانات

① شرعی عمل وہی ہے جو شریعت میں موجود ہو. کتاب و سنت میں اس کی اصل اور وضع کا پتہ دیا گیا ہو یا کتاب و سنت کی گہرائی سے اسے کسی مجتہد نے کشید کیا ہو. مروجہ محفل میلاد اپنی ہیئت کذائی کے ساتھ اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں نہیں ملتی. اب اسے ایک شرعی حیثیت دینا جب کہ اس کی حمایت میں ائمہ اربعہ میں سے بھی کوئی نہ ہو شریعت پر ایک افتراء ہے اور یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔

② جب بھی اسلام میں کوئی نئی بات داخل کی جائے تو ظاہر ہے کہ سارے مسلمان تو اُسے اختیار نہ کریں گے. سو جب مسلمان مروجہ محفل میلاد سے اس لیے کنارہ کش رہے کہ اس پر صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہؒ کا عمل نہیں رہا تو لازم ہے کہ اس پر مسلمان اہل سنت اور اہل بدعت دو حصوں میں بٹ جائیں گے اور اس سے امت میں تفرقہ پڑ جائے گا. سو مروجہ محفل میلاد کی پابندی کرنا اور اس موقعہ پر جلوس نکالنا یقیناً تفریق امت کا ایک عمل ہو گا جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسندیدہ نہیں۔

③ مروجہ محفل میلاد میں کئی غلط عقیدے بھی پرورش پاتے ہیں مثلاً یہ کہ جو لوگ میلاد کی یہ محفلیں نہیں مناتے وہ حق پر نہیں. ظاہر ہے کہ اس کی زد میں اسلامی تاریخ کے پہلے چھ سو سال کے مسلمان سب کے سب خلاف حق سمجھے جائیں گے. اس سے زیادہ غیر سبیل المؤمنین اور کیا ہو گی. ۲. پھر اہل میلاد کا یہ عقیدہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں تشریف لاتے ہیں. لہذا کھڑے ہو کر آپ کا استقبال کیا جائے اس لیے ایک نئے اسلام کی تشکیل ہو گی. پرانے اسلام میں تو ایسے کسی عقیدے کا راہ نہیں ملتی۔

④ اپنے بزرگوں کا یوم ولادت منانا پہلے سے دو غیر مسلم قوموں میں چلا آرہا ہے عیسائی کرسمس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور ہندو جنم اشٹمی پر کرشن کا جنم مناتے ہیں. مسلمانوں نے حضور اکرمؐ کے یوم بعثت پر بھی شریعت کا کوئی خاص عمل اختیار نہیں کیا. ظاہر ہے کہ یوم بعثت

یومِ ولادت سے بھی زیادہ اکرام کے لائق تھا۔ یومِ بعثت کی خوشی آئینہ رسالت میں ہے اور میلاد کی آئینہ ولادت میں۔ سو مسلمان بھی اگر یومِ ولادت منانے پر آجائیں تو کیا یہ ان دو پچھلی دو قوموں کا تشبہ نہ دکھائی دے گا؟

⑤ اسلام سراپا عمل ہے اور اس کے تمام دینی اعمال شریعت کہلاتے ہیں اور ان کے اپنے درجات ہیں۔ فرض۔ واجب۔ سنّت اور مستحب۔ اہلِ بدعت مروجہ محفلِ میلاد کو کیا درجہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان کے علماء اسے مستحب یا مباح سے آگے کوئی درجہ نہ دے سکیں گے۔ تاہم ان کے عوام اسے فرض اور واجب سے کسی درجہ میں کم نہیں سمجھتے۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے اسے مولانا محمود احمد رضوی ناظم حزب الاحناف سے پوچھیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

جو شخص کسی امر مستحب کو فرض واجب سمجھنے لگے یا کسی امر مستحب کو فرض و واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا!..... جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا۔[1]

⑥ شیعہ محرم پر اپنے جلوس عزاداری نکالتے ہیں اور اہلِ سنّت انہیں دین میں ایک نئی داخل کردہ چیز سمجھتے ہیں۔ اب اہل سنّت بھی اگر اس طرح اپنے جلوس نکالیں جو اسلام کی پہلی سات صدیوں میں جمیع اقالیم اسلامی میں کہیں نہیں ملتے تو سنّیوں کے اعتقاد میں کسی درجہ میں شیعیت آجائے گی۔ اس صورت میں مولانا احمد رضا خاں کی اس نصیحت کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہے:-

ہاں جہاں اس سے کوئی معذورِ شرعی پیدا ہوتا ہو مثلاً جن بلاد میں محرم کے علم رائج ہیں عوام اس کو ان سے سمجھیں یا اس سے ان کے جواز پر استدلال کریں اور فرق سمجھانے کی ضرورت پڑے وہاں اس سے احتراز کیا جائے کہ کوئی امر ضروری نہیں اور احتمالِ فتنہ اور فسادِ عقیدہ ہے۔[2]

---

[1] بصیرت ص ۲۳۷ بحوالہ مرقات جلد ۲ ص ۳۵۳ [2] عرفان شریعت حصہ دوم ص ۲۴

⑦ مساجد میں شعر خوانی کی مجلس

مسجدیں اللہ کے ذکر اور خدا کی عبادت کے لیے ہیں ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنا جائز نہیں جب ان مسجدوں میں نعت خوانی کی مجلسیں قائم ہو جاتی ہیں اور اس موقع پر مسجد کا سب سے بڑا کام انہی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس دوران وہاں نماز پڑھنے کے لیے کسی وجہ سے دیر سے آنے والے مسجدوں میں اپنے حق عبادت سے روک دیئے جاتے ہیں اور یہ قرآن پاک کی نص کے خلاف ہے۔ پھر مساجد میں سراپا نعت خوانی کی مجلس ہو اور یہ نعت پڑھنا کسی وعظ و تقریر یا جلسہ تبلیغ کے ضمن میں نہ ہو تو احناف کے ہاں مساجد میں ایسی محافلِ نعت کی اجازت نہیں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا مسجد میں مدحِ رسول کے اشعار پڑھنا صرف کافروں کی جوابی کاروائی کے طور پر تھا محفل میلاد کے طور پر نہ تھا۔ ورنہ یہ نعت خوانی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں عام دیکھی جاتی۔

⑧ محافلِ نعت میں مساجد میں چراغاں

محافلِ نعت کے لیے مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کی جاتی ہے اس میں صرف اسراف ہی نہیں مجوسیوں (آتش پرستوں) سے تشبہ بھی ہوتا ہے۔ نادان مسلمان اس کو مسجدوں کی رونق سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ برمکیوں کی پیدا کردہ بدعت ہے۔ یہ آتش پرست خلفاء بنو عباس کے دور میں سیاسی طور پر بہت اُوپر آگئے تھے۔

روشنی کا مقصد ایک انسانی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ اسے مسجدوں کی خوبصورتی اور زینت بنانا آگ میں رونق کو تلاش کرنا ہے۔ آتش پرست قومیں آگ میں خدا کا جلال دیکھتی تھیں۔ ہندوؤں کے مشعل بردار جلوس، دہکتی آگ میں ماتم کے جلوس اور عیسائیوں کے کرسمس کی بہار ایسی ہی ہیں جو مسلمان شبِ بارات میں چراغاں کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس سے منع کیا ہے۔

⑨ مروجہ محفل میلاد میں عورتوں کی شرکت

حضرت عمرؓ نے بدلے ہوئے حالات میں عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا تھا۔ اسلام میں صرف برائی پر قدغن نہیں سد ذرائع کے طور پر بہت سی ان باتوں سے بھی روک دیا جاتا ہے جن میں بظاہر کوئی برائی نہ ہو۔ میلاد کی محفلوں میں عورتوں کے لیے علیحدہ بیٹھنے کا بھی انتظام ہو تو بھی ان کی نظریں نعت پڑھنے والوں کو دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوتیں۔ وہ مساجد کی گیلریوں سے بھی اٹھ اٹھ کر ان کو دیکھتی ہیں۔ عورتوں کے لیے غیر محرم مردوں اور امردوں کو اس ذوق و شوق سے دیکھنا ہرگز جائز نہیں نعت خوانوں کا ان محفلوں میں اپنے حسن صوت کی لہریں دکھانا اور اشعار کے مد و جذر قائم کرنا یہ نیکی کے نام پر ایک لہو و لعب کی مجلس قائم کر دینا ہے۔ پھر اس دور میں جب کہ عورتوں پر پردے کی کوئی پابندی نہیں عورتوں کا بن سنور کر ان محفلوں میں آنا اور پھر یہاں سے جانا۔ آتے جاتے کئی ناجائز ملاقاتوں یا نظروں کا سامان بھی پیدا کرتا ہے۔ ان محافل نعت میں عورتوں کو سرے سے آنے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

یہ صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں مسجدوں میں نماز کے لیے آتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها [1]

ترجمہ: مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور کمزور ترین آخری اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور کمزور ترین پہلی صف ہے۔ (جو مردوں سے نسبتاً قریب ہوگی)

پھر آپ نے یہ بھی فرمایا:

لا تمنعوا نساءکم المساجد اذا استأذنکم الیها [2]

"جب وہ تم سے اجازت مانگیں" یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ آئندہ یہ فیصلے تمہیں نے کرنے ہیں کہ کب انہیں آنے کی اجازت دی جائے اور کب نہ دی جائے۔ سو فقہا نے

---

[1] صحیح مسلم جلد: ۱ ص ۱۸۲ [2] ایضاً ص ۱۸۳

اس اجازت کو ان قیود سے مقید کیا ہے :۔

ان لاتکون متطیبۃ ولا مزینۃ ولاذات خلاخل یسمع صوتها ولاشیاب فاخرۃ ولامختلطۃ بالرجال ولا شابۃ ونحوها ممن یفتتن بها وان لا یکون فی الطریق مایخاف بہ مفسدۃ [1]

ترجمہ : خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو، زینت نہ کر رکھی ہو، خلخل پہنے نہ ہو جس کی آواز سنی جاسکے عمدہ کپڑے نہ پہن رکھے ہوں اور عام مردوں سے اختلاط نہ کرنے والی ہو اور اس طرح نہ ہو کہ اس سے آگے کوئی فتنہ پھوٹے اور رستے میں اس سے کسی برائی کا اندیشہ نہ ہو۔

اسلام دینِ فطرت ہے جہاں کسی اجازت میں کوئی برائی کا پہلو نکلے وہاں اس اجازت میں ترمیم کی جائے گی۔ برائی کو قائم نہ رکھا جائے گا اس سے ہر صورت میں احتراز کیا جائے گا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورؐ کے بعد عورتوں کے مسجدوں میں آنے میں جب کچھ مفاسد دیکھے تو آپ نے انہیں مسجدوں میں آنے سے سختی سے منع کیا اور فرمایا کہ حضورؐ بھی اگر یہ صورتِ حال دیکھتے تو ضرور انہیں مسجدوں میں آنے سے روکتے ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث اور امام نووی لکھتے ہیں :۔

صح عن عائشہ لورای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المساجد [2]

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر اس صورت حال کو پاتے جو عورتوں نے پیدا کر رکھی ہے (کہ بن ٹھن کر مسجدوں میں آتی ہیں اور مردوں کے ساتھ عام مل کر آتی ہیں) تو آپ بھی ضرور انہیں مسجدوں میں آنے سے روکتے۔

---

[1] نووی شرح مسلم ص ۱۸۳ ج ۱ [2] شرح صحیح مسلم ص ۲۹۰ جلد ۱

اس سے جہاں پتہ چلا کہ حضرت عائشہ رضؓ حضور اکرمؐ کو ہر جگہ حاضر و ناظر نہ سمجھتی تھیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت محمدی میں بعض احکام اختلاف زمان و مکان سے بدل بھی جاتے ہیں۔ یہ صرف فقہاء کا کام ہے کہ وہ احکام کی علل پر نظر رکھیں۔ وہ وقت کے تقاضے کے مطابق ان کا حکم بیان کریں۔ اسلام میں ہر کس و ناکس کو اجتہاد کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور نہ کسی ایک ملک کی کارروائی سے اجماع امت بنتا ہے۔ یہ امت جمیع اقالیم عالم میں پھیلی ہے۔ سو تمام اسلامی دنیا کے لائق اعتماد فقہاء ہی کسی درجہ میں اجماع امت کی صورت پیدا کرتے دکھائے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں ستر اسلامی تنظیموں نے باہمی تفتیش و تحقیق سے قادیانیوں کو ایک غیر مسلم کمیونٹی قرار دیا تھا۔ سو اسے ہم اجماع امت کہہ سکتے ہیں۔

⑩ شعروں میں حضورؐ کے نام پر درود نہیں پڑھا جا سکتا

شعروں کے اپنے اوزان ہوتے ہیں ان میں لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آجائے تو نعت خواں اگر درود پڑھے تو وزن پر قابو نہیں رہتا۔ درود نہ پڑھے تو اسے گناہ ہوتا ہے۔ شاعر ایسے موقعوں پر اکثر بے درود ہی چلتے ہیں سننے والے پھر بھی اچھے رہے کہ ساتھ ساتھ درود پڑھتے رہے لیکن شاعر بے نصیب رہے کہ ساتھ ساتھ درود نہ پڑھ سکے۔

انگلینڈ کے بریلوی اسم پاک پر صرف درود کو کافی نہیں سمجھتے وہ ساتھ سلام کو بھی لازم کرتے ہیں۔ احناف کے ہاں درود و سلام میں افراد مکروہ نہیں مگر بریلوی اس مسئلہ میں احناف کے طریقے پر نہیں شافعیوں کے ساتھ ہیں اس صورت میں یہ شاعر حضرات دوہرے گناہ کے مرتکب ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر نہ درود پڑھ سکے نہ سلام۔

عوام بیٹھے بیٹھے گو درود و سلام پڑھ لیں مگر بریلوی علماء کا یہ فتویٰ ان کے لیے کوہ گراں سے کم نہیں کہ سلام کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیئے اور وہ بھی بحالت قیام۔ جو اس طرح درود و سلام نہیں پڑھتا وہ بے ادب اور گستاخ ہے۔ استغفر اللہ العظیم

ہم انہیں مولانا احمد رضا خاں کے نعت خواں حافظ ــــ کے یہ اشعار بھی سنادیں تو وہ اپنے اس اصرار سے باز نہ آئیں گے کہ حضورؐ پر سلام بیٹھے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

بجا لا کے تعظیم رسم قیام
بیٹھے بیٹھے پڑھو درود و سلام

یہ اشعار بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے سامنے پڑھے گئے تھے اور خاں صاحب اس شعر پر جھوم رہے تھے۔

تم الجلد السادس بمنہ وکرمہ ویتلوہ السابع
ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حافظی بکڈپو دیوبند یو۔پی